پنجابی لوک داستانیں

شفیع عقیل



خاندانی نام محمد شفیع ، ادبی نام شفیع عقیل اور قلمی نام شین عین - پیدائش اندازاً ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ لاہور چھاؤنی کے قریب ایک گاؤں تھینہ میں ہوئی جو اب ناپید ہے - ابتدائی زمانہ دھرم پورہ (اب مصطفےٰ آباد) لاہور میں بسر کیا اور ۱۹۵۰ء میں کراچی آ گئے - پیشہ صحافت ہے - چوبیس سال سے روزنامہ ''جنگ'' سے منسلک ہیں اور میگزین ایڈیٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں - اس دوران میں ماہنامہ ''بھائی جان'' اور ہفت روزہ ''ماحول'' کے ایڈیٹر اور مجید لاہوری مرحوم کے ساتھ پندرہ روزہ ''نمکدان'' میں اسسٹینٹ ایڈیٹر بھی رہے -

سیر و سفر کے سلسلے میں شارجہ ، دوبئی ، ایران، ترکی ، برطانیہ جرمنی ، کنیڈا ، امریکہ ، شام ، جاپان اور تھائی لینڈ بھی گئے -

ان کی کتاب ''پنجابی لوک کہانیاں'' یونیسکو کی طرف سے سات زبانوں میں شائع ہو چکی ہے اور ان میں سے تین کہانیاں جرمن زبان میں بھی ترجمہ ہوئیں - پاکستان رائٹرز گلڈ کی جانب سے کتاب ''پنجاب رنگ'' پر داؤد ادبی انعام مل چکا ہے -

سر ورق :- منصور، اے

پنجابی لوک داستانیں

پنجابی
لوک داستانیں

شفیع عقیل

نیشنل بک فاؤنڈیشن
کراچی — اسلام آباد — لاہور — پشاور — کوئٹہ

اشاعت اول : ۱۹۷۵
تعداد : دو ہزار

ناشر :- نیشنل بک فاؤنڈیشن
پریس ٹرسٹ ہاؤس ، آئی ، آئی ، چندریگر روڈ ، کراچی-۱
طابع :- دی ٹائمز پریس ، کراچی

اپنے دوست

جمیل الدین عالی

کے نام

ترتیب

لوک داستانیں

پنجاب کی لوک کہانیوں کے سلسلے میں یہ میری دوسری کتاب ہے۔ تقریباً دس برس پہلے سنہ ۱۹۶۳ء میں "پنجابی لوک کہانیاں" کے نام سے میری ایک کتاب شائع ہوئی تھی جس کا یونیسکو کی طرف سے دنیا کی سات زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے اور یہ جرمن زبان میں بھی منتقل ہو رہی ہے۔ اب "پنجابی لوک داستانیں" پیش خدمت ہے جس میں سرزمین پنجاب کے مختلف علاقوں میں سنی سنائی جانے والی بیس کہانیاں شامل ہیں۔ میں نے کتاب کے نام میں کہانی کی بجائے داستان کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ میری ذاتی رائے میں داستان اور کتھا کے لفظ میں جو سننے اور سنانے کے معنی پوشیدہ ہیں وہ کہانی میں نہیں ہیں۔ اسی لئے میں نے اس مجموعے کا نام "پنجابی لوک داستانیں" رکھا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ "پنجابی لوک کہانیاں" کے نام سے پہلے ہی میری اپنی کتاب موجود تھی، اس وجہ سے بھی اس کا نام بدلنا ضروری تھا تاکہ دونوں کتابوں میں امتیاز کیا جاسکے۔ یہ کتاب بھی کئی برس پہلے شائع ہوچکی ہوتی، لیکن جو کاتب صاحب اس کی کاپیاں تصیح کے لئے مجھ سے لے گئے تھے وہ آج تک واپس نہیں آئے۔ اگر میرے پاس اتفاق سے اس کا مسودہ نہ رہ جاتا تو شاید یہ اب بھی طباعت و اشاعت تک نہ پہنچ پاتی۔ بہر صورت اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا اور وہ یہ کہ مجھے انہیں از سر نو لکھنے کا موقع مل گیا۔ اور اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اب میں لوک کہانیوں یا داستانوں کے بارے میں ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں۔ کچھ اس لئے بھی کہ ہمارے ہاں اس موضوع پر بہت کم توجہ دی گئی ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا، اس اہم موضوع کو بالکل ہی نظر انداز کیا گیا ہے۔

پہلی بات تو یہی ہے کہ ہمارے اکثر لکھنے والے لوک کہانی کا لفظ غلط معنوں میں استعمال کرتے ہیں - اس کی وجہ اس لفظ کے مفہوم سے ناواقفیت ہو یا روش عام، سبب کچھ بھی ہو، اسے عام طور پر غلط مفہوم دیا جارہا ہے اور اس میں پڑھے لکھے لوگ بھی شامل ہیں - دراصل ایسے لوگ یا لکھنے والے Popular tale (مقبول کہانی یا عوامی کہانی) Legend (نیم تاریخی قصہ یا نیم تاریخی روایت) اور Folk tale (لوک کہانی) کے مفہوم و معنی میں جو فرق ہے، وہ اس امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھتے - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوک کہانی کا مفہوم غلط سلط ہوکر رہ گیا ہے۔ بعض بڑے بڑے جگادری نقاد اور محقق اس ضمن میں اسی روش عام کا شکار نظر آتے ہیں - یہ بات اپنی جگہ جس قدر حیرت ناک ہے، اس سے کہیں زیادہ افسوس ناک کہی جاسکتی ہے -

قصے کہانیاں کہنا اور سننا ابتدا ہی سے انسانی طبیعت کا خاصہ رہا ہے - آج سے ہزاروں سال پہلے جب وہ گھنے جنگلوں، اندھیرے غاروں اور پہاڑوں کی کھوہوں میں رہتا تھا، اس وقت بھی یہ ان کا اسی طرح دلدادہ رہا ہوگا جیسے موجودہ ترقی یافتہ دور میں نظر آتا ہے - یہ ہوسکتا ہے کہ اس دور میں وہ ان داستانوں کو اس طرح بیان نہ کرسکتا ہو، ان میں اس طرح کے موڑ نہ آتے ہوں، کہانیوں میں یہ پھیلاؤ نہ ہوتا ہو، مگر یہ باور کرلینے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیئے کہ انسان کا داستان گوئی سے اس وقت سے تعلق پیدا ہوگیا تھا جب اس نے پہلے پہل ایک دوسرے سے بات چیت شروع کی تھی - وہ زبان چاہے الفاظ کی قیود سے آزاد رہی ہو، اور خواہ وہ صرف اشاروں اور کنایوں پر مشتمل ہو، لیکن ایک دوسرے کو اپنے کارنامے سنانا اور قصے کہانیاں کہنا ابتدا ہی سے انسان کے ساتھ ساتھ چلا ہے - جب ایک قبیلہ کسی دوسرے قبیلے پر حملہ آور ہوتا ہوگا یقیناً رزمیہ داستانوں نے اسی وقت جنم لیا ہوگا - جب کوئی تہذیب و تمدن سے نا آشنا انسان اپنی بہادری اور شکار کے حالات بیان کرتا ہوگا یا اپنے

سفر کے واقعات سناتا ہوگا، تو اسی سے قصہ گوئی کی جڑیں پھوٹی ہوں گی۔ بقول ڈاکٹر گیان چند "قصہ گوئی کا فن اتنا ہی قدیم ہے جتنا نطق انسانی"۔ گو آج ہم اُن لوک داستانوں کی قدامت کے بارے میں کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ ہمارا علم ماضی میں وہاں جاکر رک جاتا ہے جہاں سے تحریر کی ابتدا ہوتی ہے۔ ہم وہیں سے تاریخ اور ادوار کے ڈانڈے ملاتے ہیں مگر وہ قدیم لوک داستانیں جو پہلے پہل ضبط تحریر میں لائی گئیں، اگر ہم ان کا بغور مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ جس روپ میں تحریر ہوئی ہیں، یا جس شکل میں سنائی گئیں، وہ صورت اختیار کرنے کے لئے انہیں صدیوں کا سفر طے کرنا پڑا ہوگا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ یہ کہانیاں کسی ایک ذہن کی تخلیق نہیں ہوتیں بلکہ ان کی تصنیف اور تالیف و ترتیب میں مختلف ادوار اور زمانوں کے لوگوں کے ذہنوں نے اجتماعی طور پر حصہ لیا ہے۔ یہ بات دنیا کی ہر زبان اور ہرخطے کے لوک ادب کے بارے میں کلیہ کے طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اسے مختلف عہد کی روایات جنم دیتی ہیں، ان کی تخلیق میں لوگوں کے مشترک جذبات و احساسات حصہ لیتے ہیں اور یہ صدیوں کا طویل سفر طے کرکے کوئی ایک روپ اختیار کرتی ہیں۔ اور پھر ایک نسل دوسری نسل کو سینہ بہ سینہ یہ امانت سپرد کرتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح تحریر کی منزل تک پہنچنے کے لئے انہیں ان گنت زمانوں میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں سنتوکھ سنگھ دھیر لکھتے ہیں:

"ہزاروں سال سے دھرتی کے ہر گوشے میں انسان زندگی کے لئے فطرت یا غیر مرئی قوتوں کے مقابلے میں جدوجہد کرتا آرہا ہے۔ ہزاروں سال کی انسان کی یہ مسلسل جد و جہد ترقی کی شاہراہ پر رواں دواں زندگی کی ایک کہانی ہے۔ اس طویل اور عظیم کہانی میں لاکھوں کروڑوں واقعات پروئے گئے ہیں۔ دراصل یہ واقعات و مشکلات ہی زندگی کی روح ہیں۔ ان کا سلسلہ ماضی میں دور تک چلا جاتا ہے۔ شروع ہی سے زندگی کا رواں قافلہ آپ بیتیاں بیان کرتا رہا ہے۔

زندگی کے ساتھ پیش آنے والی ان مشکلات و واقعات کا بیان ہی لوک کہانیاں ہیں ۔

"لوک کہانیوں کا مصنف آج کل کی طرح کوئی ایک شخص نہیں ہے ۔ ادب کی کوئی تاریخ کسی ایک لوک کہانی کے کسی ایک مصنف کا نام نہیں بتاسکتی ۔ اگر کوئی نام کسی لوک ادب کی کتاب پر آتا ہے تو اس کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اس نے لوک کہانیوں کو تلاش کیا ، محفوظ کیا اور خوب صورت زبان اور دل چسپ روپ کا پیرہن دیکر جمع کردیا ، اگرچہ اپنی جگہ یہ بھی کوئی چھوٹا اور آسان کام نہیں ہے ۔ سچی بات یہی ہے کہ ہر لوک کہانی ہزاروں لوگوں کی مشترک تصنیف ہے ۔"

اسی ضمن میں انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا (Encyclopaedia Britannica) میں تحریر ہے :

"یہ فرض کیا جائے گا کہ ان کا رشتہ یکساں طور پر قدیم زمانے سے ہے اور چوں کہ ان مقبول لوک گیتوں یا لوک کہانیوں کا مصنف کوئی فرد واحد ایسا نہیں ہے جس کا پتہ چلایا جاسکے یا جس کا نام لیا جاسکے ، اس لئے یہی کہا جائے گا کہ لوک گیت لوک کہانیاں اور رزمیے تمام عوام کی مشترک تخلیق ہیں ۔"

لوک کہانیوں یا لوک داستانوں کے بارے میں ایک عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ یہ محض خیالی ، بے مقصد اور ناقابل یقین قصے ہوتے ہیں جن کا انسان کی حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ۔ ایسے لوگ یہ بات کہتے وقت اس حقیقت کو نظر انداز کرجاتے ہیں کہ وہ ایک صداقت سے چشم پوشی کر رہے ہیں ۔ انہیں یہ جاننا چاہئے کہ لوک کہانیاں آج کے با شعور، صاحب ادراک اور ترقی یافتہ انسان کا وہ ادبی اور تہذیبی ورثہ ہے جسے اب سے ہزاروں سال پہلے کے ان انسانوں نے تخلیق کیا جو فکری اور ذہنی طور پر ابھی ابتدائی مراحل میں تھے ۔ ان کے پاس نہ شعور کی یہ گہرائی تھی اور نہ خیال کی یہ بلند پروازی ۔ یہ لوک کہانیاں تاریخ کے اس دور کی نشان دہی کرتی ہیں جب علم و ادب ، تہذیب و

ثقافت اور انسانی تمدن کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ اس دور کے انسان نے اپنی محدود عقل و فراست اور پھوٹتے ہوئے شعور و ادراک سے کام لیکر فکر کی ایک ایسی شاہراہ کے لئے راستہ ھموار کردیا تھا جس پر ھزاروں سال بعد علم و ادب کے قافلوں کو سفر کرنا تھا ۔ جو لوگ لوک کہانیوں کو غیر عقلی اور ناقابل فہم کہہ کر ان سے صرف نظر کر جاتے ھیں ان کا طرز عمل بالکل ایسے ھی ھے جیسے ایک رنگ و روغن سے مزین شان دار اور عظیم عمارت کی تکمیل کے بعد اس گارے چونے کی حیثیت سے انکار کردیا جائے جو اس کی تخلیق اور عظمت کا باعث بنا۔ اردو زبان کے مشہور محقق ڈاکٹر گیان چند ایک جگہ لکھتے ھیں :

' ان افسانوں کو خیالی ، غیر حقیقی یا لغو کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ یہ ایک قوم یا گروہ کی ابتدائی فکر کی تاریخ میں اولین تہذیب کا رنگ و غازہ ھے ۔ کون جانے ھماری بعض لوک کہانیاں دس پانچ ھزار سال پیشتر وجود میں آچکی ھوں ۔ ''

یہ بات بھی اپنی جگہ درست ھے کہ ان لوک کہانیوں میں تاریخ یا سماج کے عوامل اس صورت میں نہیں ملتے جس طرح ھم توقع کرتے ھیں لیکن جیسا کہ میں نے تحریر کیا ھے ، یہ کہانیاں اس عہد کے انسانوں کی اجتماعی تخلیق ھیں جو تاریخ اور سماج کا وہ شعور نہ رکھتے تھے جو آج کے انسان کو حاصل ھے ۔ یہی نہیں بلکہ خود تاریخ اور سماجی شعور بھی اس وقت اپنی ابتدائی سطح پر تھا ۔ اس موقع پر یہ بات بھی نہیں بھولنی چاھیئے کہ اس دور کا انسان کئی قسم کے توھمات میں گرفتار تھا ۔ بہت سی حقیقتوں کی تاویلات کرلیتا تھا اور بہت سے عوامل کے رد عمل سے ناآشنا تھا ۔ لہذا یہ مطالبہ کرنا کہ لوک کہانیوں میں خالص تاریخی یا سماجی رویہ ھو ، مناسب معلوم نہیں ھوتا ۔ اس قسم کا مطالبہ کرتے وقت ھمیں انسانی تہذیب و تمدن کو پیش نظر رکھنا پڑے گا اور یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ انسانی ذھن و فکر ، شعور اور ادراک کی کن کن ارتقائی منزلوں سے گذر کر ھم تک پہنچا ھے ۔ اس بارے میں پنجابی کے مشہور ادیب سنتوکھ سنگھ دھیر کی رائے ھے :

”لوک کہانیوں میں بھی لوک گیتوں کی طرح تاریخ کی جھلک ہوتی ہے بلکہ کہانیوں میں تو تاریخ زیادہ نکھر کے سامنے آتی ہے۔ صرف تاریخ ہی نہیں بلکہ سماج کے بارے میں بھی لوک کہانیاں اشارات سے بھری پڑی ہیں۔ پرانے زمانے کے ہاتھوں پر پہاڑ اٹھالینے والے بہادر، پاؤں مار کر دھرتی سے چشمے بہادینے والے، موت کو پائے کے ساتھ باندھ دینے والے، سورج کو دانتوں تلے دبالینے والے۔ سب لوک کہانیوں کے کردار ہیں۔

”نیک اور ظالم راجے، حسیناؤں کے پیچھے مارے مارے پھرنے والے شہزادے، جنگلوں میں مشکلات میں گرفتار سورمے، آسمان پر اڑنے والی بہشت کی پریاں، دیووں کے قبضے میں سات دروازوں والے سونے چاندی کے محل، دودھ کے تالاب، پل بھر میں ایک دیس سے دوسرے دیس میں پہنچادینے والے مہادیو اور طویل عرصہ تک دکھ اٹھا کے پھر سے مل جانے والی دودھ جیسی شہزادیاں، ان لوک کہانیوں کے کردار ہیں جو قدیم زمانوں سے ہماری تاریخ اور سماج میں بس رہے ہیں۔“

پنجابی زبان کے لوک ادب میں قابل قدر کام کرنے والے پنجابی ادیب پروفیسر ونجارا بیدی ان کہانیوں کے سماجی پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”لوک کہانیوں میں صرف ان ہونی، افسانوی اور خوابوں کی دنیا کی باتیں نہیں ہوتیں بلکہ ان کے سینے میں بہت سا ایسا مواد بھرا ہوتا ہے جو ہمیں ان کی حفاظت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ کہانیاں پڑھ کے جہاں ہم قدیم زمانے کے لوگوں کی سوچ اور ادبی رجحانات کا صحیح صحیح پتہ چلا سکتے ہیں وہاں ان کے خیالات، روایات، رسم و رواج، رہن سہن، ارادے، توہمات، خواہشات اور خوف وغیرہ کے بارے میں بھی جان سکتے ہیں۔

”ان کہانیوں میں اپنے وقت کے بھائی چارے اور سماج کی بھی پوری پوری جھلک ملتی ہے۔ اور ان لوک کہانیوں میں ہماری رستی بستی دنیا کو بھی پیش کیا گیا ہے۔“

پنجابی زبان کے مشہور محقق اور نقاد ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے تحریر کیا ہے :

" یہ کہانیاں زندگی سے انتہائی قریب ہیں - زندگی کی بنیادی اہمیتوں اور رہن سہن کو اجاگر کرنے والی ہیں - اور ان میں عقل و دانش کا درس الفاظ اور باتوں میں نہیں بلکہ عمل سے بیان کیا گیا ہے - "

چیمبرز ٹونٹیتھ سنچری ڈکشنری

(Chamber's Twentieth Century Dictionary)

میں لوک کہانی کی جو تعریف کی گئی ہے وہ اس طرح ہے :

" ایک مقبول کہانی جو ماضی کی کم یا زیادہ قدیم روایات سے زبانی طور پر منتقل ہوتی رہی ہو - "

گویا یہاں بھی اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ لوک کہانیوں میں صرف عقلی اور ناقابل فہم فرضی واقعات ہی نہیں ہوتے بلکہ ماضی کی قدیم روایات کسی نہ کسی رنگ میں ان میں موجود ہوتی ہیں - فرق صرف اتنا ہے کہ لوک کہانیوں میں یہ روایات اکثر جگہ استعارات اور تشبیہات کا روپ اختیار کرلیتی ہیں مگر ناپید نہیں ہوتیں - اس سلسلے میں انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا کا حوالہ دینا غیر ضروری نہ ہوگا - اگرچہ یہ اقتباس قدرے طویل ہے لیکن اس سے لوک کہانیوں کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ لوک ادب کی اہمیت اور حیثیت کیا ہوتی ہے ؟ انسائیکلو پیڈیابرٹنیکا میں Folk tales and Popular stories کے ذیلی عنوان کے تحت جو وضاحت کی گئی ہے، وہ اس طرح ہے :

" مقبول لوک کہانیاں تین حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں - دیو مالائی کہانیاں ، نیم تاریخی روائتی کہانیاں ، اور تفریحی کہانیاں — ان میں دیو مالائی کہانیاں ایک مقصد رکھتی ہیں - ان کا مقصد عموماً یہ بتانا ہوتا ہے کہ (۱) زمین اور آسمان کس طرح الگ الگ ہوئے (۲) قدرتی طور پر پیش آنے والے واقعات کی خصوصیات کیا ہیں (مثلاً آہ و بکا کے بعد بارش کیوں ہوتی ہے ؟ یا پرندوں کے خصائص کیا ہیں ؟) (۳) تہذیب انسانی کی اصل کیا ہے ؟ (مثلاً کسی

ثقافتی ہیرو نے تہذیب پر کیا اثر ڈالا ہے؟ (۴) سماجی اور مذہبی رسوم کی اصل کیا ہے؟ یا جن چیزوں کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے ان کی اصل کیا ہے؟

"ظاہر ہے، دیو مالائی کہانیاں مذکورہ بالا چار اقسام میں سے تین کے ذیل میں آتی ہیں۔ اور ان میں یکسانیت کا سبب یہ ہے کہ ذہن میں یکساں قسم کے ابھرنے والے خیالات کے جوابات بھی یکساں ہوا کرتے ہیں۔ لیکن چوتھی قسم کے ذیل میں آنے والی دیو مالائی کہانیاں اس لئے زیادہ سے زیادہ مختلف ہوتی ہیں کہ وہ جن مقامی دیوتاؤں کے بارے میں ہوتی ہیں، ان کی بابت مختلف رسوم اور رواج کی عکاسی کرتی ہیں۔

"نیم تاریخی کہانیوں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ تاریخ کی مسخ شدہ شکل ہے۔ ان کی اصل تو ضرور کوئی تاریخی حقیقت ہوتی ہے لیکن دیو مالائی استفادے سے ان میں حالات کی مناسبت سے کمی بیشی کردی جاتی ہے۔ جہاں تک مختلف قوموں کی نیم تاریخی قصوں (یا روایات) میں یکسانیت کا تعلق ہے اس کا سبب ضرور یہی ہوتا ہے کہ وہ اتفاق سے ایک ہی طرح کے حالات سے گذرتی ہیں۔ جہاں تک ان میں ادبیت کا تعلق ہے اس میں بھی اسی حد تک یکسانیت ملے گی جس حد تک کہ پریوں کی وہ کہانیاں یکساں ہوں گی جن سے انہیں اخذ کیا گیا ہے۔

"پس ماندہ اقوام کی مرتب شدہ کہانیوں میں سے جانوروں سے متعلق کہانیوں کے سوا، جن کے افریقی لوگ بہت شائق ہیں، بیشتر کہانیاں ایسی ہیں کہ انہیں دیو مالائی کہانیوں اور نیم تاریخی قصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پس ماندہ اقوام کے لوگوں کے لئے فکری پرواز کی عکاسی کرنے والی لوک کہانیاں نسبتاً ترقی یافتہ قوموں کے ہاں ملتی ہیں۔ لیکن ایسی کہانیاں جو دیو مالا یا نیم تاریخی روایات کے ذیل میں نہ آتی ہوں، ان کا مسئلہ محض یورپ ہی کو درپیش نہیں۔ کیوں کہ ایسی کہانیوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جن میں بیان ہونے والے واقعات اور کہانیوں

کے پلاٹ ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) اور آئس لینڈ میں یکساں ملتے ہیں - اب اسے کیا سمجھا جائے ؟ آیا ایجاد کی اتفاق یکسانیت یا پھر ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی ہے ؟ تھیوڈور بنیفے (Theodore Benfey) نے (جس کی کتاب Pantschatantra سنہ ۱۸۵۹ع میں شائع ہوئی تھی) خیال ظاہر کیا ہے کہ ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) نے لوک کہانیوں کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا تھا جس سے یورپ کی بہت سی کہانیاں اخذ کی گئی ہیں - جرمنی میں کوھلیر (Kohler) کی کتاب اور انگلستان میں کلوسٹن (Clouston) کی نگارشات نے مغربی یورپ میں مشرق کتابوں سے مستعار لی جانے والی لوک کہانیوں کی بخوبی وضاحت کی ہے- فرانس میں ایمانوئیل کوسکوئن (Emmanuel cosquin) نے بڑی قابلیت کے ساتھ یہ انتہا پسندانہ خیال پیش کیا کہ یورپی لوک کہانیاں ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) کی لوک کہانیوں کا چربہ ہیں -

'' اگر ہم ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) کی اجارہ داری کو تسلیم نہ کریں تب بھی ہمیں ان محققین کا شکرگذار ہونا چاہیئے - کیوں کہ اول تو انہوں نے یہ بات ثابت کی کہ کہانیوں میں بعض قسم کی پائی جانے والی یکسانیت کا سبب یہ ہے کہ کہانیاں قصے ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلے- اگرچہ یہ بات بھی قابل تصور ہے کہ ایک عام خیال یا کوئی ایک واقعہ کسی کہانی کہنے والے کے ذہن میں آزادانہ طور پر سے آیا ہو لیکن یہ خیال کرلینا بڑی زیادتی ہوگی کہ کہانی کا پورا پلاٹ مثلاً واقعات کا یکساں طریقے پر یکے بعد دیگرے پیش آنا ، آزادانہ طور سے ایک سے زائد مرتبہ گھڑا جاسکتا ہے -

'' دوم انہوں نے یہ بات ثابت کی کہ ہندوستانی (برصغیر پاک و ہند) کہانیوں کا بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے جو بلاشبہ یورپ کی کہانیوں پر اثر انداز ہوا لیکن یہ کہانیاں عربی اور فارسی زبانوں میں ترجمہ ہوکر یورپ میں پہنچی تھیں - اس اثر کو فروغ دینے کا سبب یہ بات تھی کہ یروشلم کی زیارت کے لئے (یورپ سے) لوگ جایا کرتے تھے، پھر صلیبی جنگیں

ہوئیں ، اس کے علاوہ مشرق اور مغربی تہذیبوں کے درمیان اسلام کی مادی اور فکری ترقی کی وجہ سے میل جول بڑھا ۔ اور اس طرح ازمنہ وسطیٰ سے پورے علاقوں میں کہانیوں کا تبادلہ جاری رہا ۔ تاہم چند کہانیاں ایسی بھی ملتی ہیں جو ازمنہ قدیم یعنی پانچویں صدی قبل مسیح میں بھی مشترک تھیں ۔ لیکن یہ بات باور کرنی مشکل ہے کہ کہانیاں گھڑنے کی اجارہ داری ہندوستان (برصغیر پاک ہند) ہی کے حصے میں آئی تھی ۔ اس دلیل میں کوئی معقولیت نہیں ہے کہ آج جو کہانیاں مرتب شدہ شکل میں موجود ہیں ان کی اصل ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) میں زبانی سنائی جانے والی کہانیوں میں ملتی ہے کیوں کہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ ان کہانیوں نے ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) کی سر زمین میں جنم لیا ۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ بہت سی کہانیاں ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ پہنچی ہیں ۔ ،،

اگرچہ اس طویل اقتباس میں اس بات کی سختی سے تردید کی گئی ہے کہ دنیا میں مروج بیشتر لوک کہانیوں کی جنم بھومی برصغیر پاک و ہند نہیں ہے لیکن اس میں دو محققوں کی آراء بھی شامل ہیں جنہوں نے اس بات پر اصرار کیا ہے کہ یورپ میں رائج تمام لوک کہانیاں پاک و ہند کی سرزمین سے گئی ہیں اور یہ دونوں محقق وہ ہیں جنکی حیثیت کو خود انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا میں مسلم مانا گیا ہے ۔ یہ خیال صرف ان دو محققوں ہی نے پیش نہیں کیا بلکہ اور بھی کئی دانشوروں نے اس حقیقت کا کھل کر اعتراف کیا ہے کہ یورپ کی بیشتر لوک کہانیاں دراصل پاک و ہند ہی کے خطے سے کسی نہ کسی طور پر ہجرت کرکے وہاں پہنچی ہیں ۔ چنانچہ A collection of Eastern Stories and Legends میں بھی اسی خیال پر زور دیا گیا ہے اور لکھا گیا ہے کہ

،، سکندر اعظم کے وہ فوجی جو مشرق میں قیام پذیر ہوگئے تھے ، اور بہت سی قوموں اور ملکوں کے تاجر، فاتح ، سردار، اور بہادر جو مشرق کے لوگوں میں گھل مل گئے تھے،

وہ یہ کہانیاں مشرق سے مغرب میں لائے۔"

اسٹینڈرڈ فوک لور ڈکشنری (Standard Folklore Dictionary) میں بھی اسی نظریے کی تائید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"یورپ کی بہت سی کہانیاں، خاص طور پر پریوں کی کہانیاں ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) ھی میں تخلیق ہوئیں اور یہاں سے نکل کر مغربی دنیا میں پہنچیں۔"

اب یہ مسئلہ کہ لوک کہانیاں دراصل کہاں تخلیق ہوئیں اور پھر وہ کس طرح اور کہاں پہنچیں؟ بحث طلب ہے اور اس بحث میں پڑنے سے موضوع الجھ جائے گا اس لئے پہلے موضوع کی طرف آئیے۔

میں یہ عرض کررہا تھا کہ ہم لوک کہانیوں کو محض غیر عقلی اور ناقابل یقین کہہ کر نظر انداز نہیں کرسکتے۔ آپ نے مندرجہ بالا سطور میں کئی ایک نقادوں اور محققوں کے خیالات پڑھے ھیں، ان سب نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ لوک کہانیوں کا تعلق زندگی اور معاشرے سے ھوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان میں کچھ رد و بدل ھوجاتا ہے۔ استعاروں سے کام لیا جاتا ہے، کنایوں میں بات کہی جاتی ہے، تشبیہوں کی پرچھائیاں پڑجاتی ھیں اور ھر فعل عمل کے ذریعہ ھمارے سامنے آتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ بات یوں بھی کہی جاسکی ہے کہ لوک کہانیاں کہیں تو زندگی کے بالکل ساتھ ساتھ چلتی ھیں اور کہیں فینٹیسی (Fantacy) کا روپ اختیار کرلیتی ھیں۔ ان میں جو واقعات پیش آتے ھیں، کردار جن مسائل سے دوچار ھوتے ھیں اور ان کے جو نتائج ظاھر ھوتے ھیں، وہ سب انسانی زندگی میں موجود ھیں۔ مثال کے طور پر ان سیدھی سادی لوک کہانیوں میں ساس بہو کے جھگڑے ھوتے ھیں، سوتیلی اولاد سے سوتیلی مائیں برا سلوک روا رکھتی ھیں، غریب اور امیر بھائی میں سماجی تفریق ملتی ہے، بادشاہ انصاف کرتے نظر آتے ھیں، انصاف کرنے والے دادرسی کے لئے آتے ھیں، ظالموں کو سزا دی جاتی ہے، بادشاہ ایک دوسرے سے برسر پیکار دکھائی دیتے ھیں، کسان کھیتی باڑی کرتے ھیں، لوگ قسمت

آزمائی کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر اختیار کرتے ہیں ، دولت کے حصول اور لالچ کے لئے مکاریاں ہوتی ہیں ، ہوس پرست راجے اور بادشاہ بے گناہوں کو قتل کرتے ہیں ، سچ کی تلاش میں نکلنے والے نازک اندام شہزادے جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں ، شہزادیوں کی محبت میں مصائب جھیلتے ہیں ، شہزادیاں اپنے پیار کے لئے سونے کے محلوں میں تڑپتی نظر آتی ہیں، فقیر اور ولی لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں ، ان کی مرادیں پوری کرتے ہیں ، درباروں میں حق کا اعلان کرتے ہیں ، ایک بھائی دوسرے بھائی کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے ، امیر بھائی غریب بھائی سے اجتناب برتتا دکھائی دیتا ہے ، بہنیں اپنے بھائیوں کے لئے سسکتی ہیں ، عورتیں اولاد کے لئے تڑپتی ہیں ، چور چوریاں کرتے ہیں ، ٹھگ ٹھگی میں مصروف ہیں ، دوست دوستوں کے لئے تن من دھن قربان کرتے ہیں ۔، پرندے ، درندے اور چرندے انسانوں سے پیار کرتے ہیں ۔ نیکی ، شرافت ، عزت ، لالچ ، ہوس ، حرص ، تمنائیں ، خواہشات ، ناکامیاں ، کامیابیاں ، محرومیاں ، مجبوریاں ، دکھ ، سکھ ۔ وہ کون سی چیز ہے جو ان کہانیوں میں ہمیں نہیں ملتی ؟ تو کیا یہ زندگی نہیں ہے ؟ کیا یہ سب ہزاروں سال سے انسانی زندگی کا حصہ نہیں اور کیا آج بھی انسان کی زندگی ان رنگوں سے عبارت نہیں ہے ؟ کیا معاشرے کے دامن میں زندگی کے یہ سارے انگ نہیں چھپے ہوئے ؟ کیا ان کا سماج ، تاریخ اور تہذیب سے کوئی تعلق نہیں ؟ بات صرف اتنی ہے کہ لوک کہانیوں میں یہ مسائل ، یہ واقعات اور یہ حالات اس شعوری رشتے کے ساتھ پیش نہیں آتے جس کا تقاضا آج کا ترقی یافتہ ذہن کرتا ہے ۔ اس کا سبب صرف یہی ہے کہ یہ تمام کہانیاں اس انسان کی تخلیق ہیں جو فکر و ادراک کی ابتدائی منزلوں میں تھا اور تہذیبی شعور کے برگ و بار ابھی پوری طرح نہ پھوٹے تھے ۔ اس کے باوجود میں تو یہ تک کہوں گا کہ آج جو ہم جیٹ ہوائی جہاز دیکھ رہے ہیں ، اور گھنٹوں میں ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا پہنچتے ہیں اس کا تصور بھی علامتی طور پر ہزاروں سال

پہلے کی ان لوک کہانیوں میں موجود تھا ۔ اڑنے والی کھڑاؤں، اڑن کھٹولے، اڑنے والے غالیچے، پل بھر میں ایک دیس سے دوسرے دیس میں پہنچادینے والی پریاں اور سات سمندر پار لے جانے والے دیو—یہ اس کی علامتیں نہیں تو اور کیا ہے؟

یہی وہ حقیقتیں اور سچائیاں ہیں جن کو دیکھتے ہوئے مسٹر گومے نے "فوک لور جرنل" (Folklore Journal) میں لکھا تھا "لوک کہانیوں کو سائنس تصور کیا جائے"، اور پنجابی زبان کے نامور محقق سر رچرڈ ٹمپل نے بھی مسٹر گومے کے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"ان کا مطالعہ بطور سائنس کرنا چاہیے ۔ میں یہ کہوں گا کہ لوک کہانیوں کا مطالعہ سوائے بطور سائنس کسی اور توجہ کا مستحق نہیں ۔ کم از کم لوک کہانیوں اور حکایات کی نوعیت ایسی ہے کہ ان سے بہت حد تک ادب کا سا سلوک روا رکھا جاسکتا ہے ۔"

یہ بات بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہے کہ اکثر لوک کہانیاں ایسی ہیں جن کے محض نام سے اس بات کا اندازہ کرلیا جاتا ہے کہ اس میں کس قسم کے کردار آئیں گے اور ان کرداروں کی سماجی حیثیت کیا ہے؟ اسی طرح بیشتر کہانیاں جب شروع کی جاتی ہیں تو ان کے پہلے جملے ہی سے سننے والا یہ جان جاتا ہے کہ اس میں معاشرے کی کون سی برائی یا اچھائی بیان کی گئی ہے اور زندگی کے کس پہلو سے اس کا رشتہ ہے؟ اس میں کون سا سماجی یا اخلاقی انگ پیش کیا گیا ہے اور ایک عام آدمی کے رہن سہن میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ مثال کے طور پر چند لوک کہانیوں کے عنوان دیکھئے جس سے کہانی کے موضوع کی خود بخود وضاحت ہوجاتی ہے ۔

دو ٹھگ ۔ سوتیلا بھائی ۔ عقل مند کبوتر ۔ تدبیر اور تقدیر ۔ بیوقوف مگر مچھ ۔ ڈرپوک شیر ۔ چغل خور ۔ حقیقی ماں دوستی کا پھل ۔ عقل مند عورت ۔ بہن کا پیار ۔ وغیرہ ۔

اسی طرح اب وہ چند جملے دیکھئے جن سے عام طور پر ان کہانیوں کی ابتدا ہوتی ہے ۔

ایک تھا مسافر اور ایک تھا چور۔

کسی جگہ دو بھائی رہتے تھے۔ ایک بھائی امیر تھا اور ایک غریب تھا۔

ایک عورت کی ایک سوتیلی بیٹی تھی۔

ایک تھا راجہ جو بہت ظالم تھا۔

ملک میں ایک نیک دل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔

ایک جاٹ تھا جسے چغلی کھانے کی عادت تھی۔

ایک آدمی قسمت آزمائی کے لئے کسی دوسرے شہر گیا۔

عام طور پر لوک کہانیاں سنانے والے اسی قسم کے جملوں سے ان کی ابتدا کرتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ محض ایک جملہ ہی سن کر اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان کہانیوں کا معاشرے اور زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

یہ بات طے ہوجانے کے بعد کہ لوک کہانیاں صرف غیر عقلی اور ناقابل یقین داستانیں ہی نہیں بلکہ ان کا انسانی زندگی سے بہت زیادہ تعلق ہے اور ان میں معاشرے کی کوئی نہ کوئی اچھائی یا برائی بیان کی جاتی ہے، اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ آج جو ہم ناول، افسانہ، کہانی، ناولٹ، داستان، مثنوی دیکھ رہے ہیں ادب کی یہ تمام اصناف کسی نہ کسی صورت میں لوک کہانیوں کی مرہون منت ہیں۔ صرف ہمارے ہاں کی بات نہیں بلکہ ساری دنیا کا ابتدائی داستانوی ادب لوک کہانیوں کی بنیاد پر تحریر کیا گیا ہے۔ ان کے لئے خام مواد لوک کہانیوں ہی نے فراہم کیا جن پر آگے چل کر عظیم ادب کی عمارت تعمیر ہوئی۔ اس ضمن میں تمام نقاد اور محقق متفق نظر آتے ہیں کہ رامائین مہا بھارت، ہومر سے منسوب ایلیڈ اور اوڈیسی اپنے وقت کے رائج گیتوں اور قصوں ہی سے ترتیب دئے گئے ہیں۔ ہیروڈوٹس کی تاریخ اور فردوسی کے شاہنامے کے ماخذ بھی اس وقت کی مروج لوک کہانیاں تھیں۔ ایسپ کی کہانیاں اور مہاتما بدھ سے منسوب گاتھا کی بنیاد بھی لوک کہانیاں تھیں یہی نہیں بلکہ پنج تنتر، کلیلہ دمنہ، جین شاستر، عیار دانش، بوستان خیال، کتھا سرت ساگر،

ھتو پدیش ، برھت کتھا ، تک شک ستپتی ، بیتال بتیسی ، سنگھاسن بتیسی ، اور اس قسم کے سینکڑوں داستانوی مجموعے سب کے سب لوک کہانیوں کو سامنے رکھ کر مرتب کئے گئے ھیں۔ اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ھوجاتی ھے کہ ساری دنیا کے ادب کی بنیاد اور ماخذ لوک ادب ھے۔ لوک گیت اور لوک کہانیاں جو ھزاروں سال سے سینہ بہ سینہ چلی آرھی ھیں۔ داستانوں کے ان تمام مجموعوں اور ان جیسی بےشمار دوسری کتابوں میں لوک کہانیوں کا وجود واضح طور پر آج بھی موجود ھے۔ صرف یہی نہیں کہ ان کی بنیاد لوک کہانیوں پر استوار ھوئی ، اس کے ساتھ ھی ساتھ یہ بات بھی ھے کہ ان میں اکثر داستانیں ایسی ھیں جو ایک دوسری سے بالکل ملتی جلتی ھیں - وھی کہانیاں سنسکرت میں ھیں اور وھی یونانی میں ، وھی فارسی میں اور وھی عربی زبان میں - اس طرح مختلف زبانوں کے ابتدائی داستانوی ادب میں بڑی حد تک ایک ھی طرح کی کہانیاں نظر آتی ھیں جو ان لوک کہانیوں کی یکسانیت کی وجہ سے ایک دوسری سے مماثلت رکھتی ھیں - انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا میں اس کا اعتراف ان الفاظ میں کیا گیا ھے:

''یورپ میں بہت سے ایسے مقبول تصورات ، رسوم اور رواج موجود ھیں جن کی جھلک قدیم کلاسیکی ادب میں بھی نظر آتی ھے - بہت سی لوک کہانیوں ، روایات اور رسوم کا سرمایہ ایسا ھے جو تمام یورپی ممالک میں مشترک ھے -''

اس سلسلے میں پروفیسر ونجارا بیدی کہتے ھیں :

''کسی ملک کی لوک کہانیوں کی کوئی کتاب اٹھاکر دیکھ لیں اس میں سے کوئی نہ کوئی (اگرچہ اکثر نہیں) ایسی کہانی مل جائے گی جو پنجاب کی کسی نہ کسی لوک کہانی سے ھو بہو ملتی ھوگی -''

دنیا کی تمام زبانوں کا ابتدائی ادب داستانوں پر مشتمل ھے اور اس داستانوی ادب کی بنیاد لوک کہانیوں پر پڑی ھے - اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ھے کہ لوک کہانیاں وہ قدیم ادبی ورثہ ھے جس پر آگے چل کر عظیم ادب کی

عمارت تعمیر ہوئی اور فکر و خیال کی نئی نئی شاہراہیں کھلیں۔ اس لئے مسٹر گومے کی یہ بات ایک بار پھر دہرئی جاسکتی ہے کہ "لوک کہانیوں کو سائنس تصور کیا جائے"۔

آج کی دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ علم و ادب ترقی کی ان گنت منازل طے کرچکے ہیں۔ انسانی شعور و ادراک کمال حاصل کرچکا ہے اور تہذیب و تمدن کا عروج انتہائی بلندیوں پر نظر آتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ بات اب بھی پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ لوک کہانیاں آج کے دور میں بھی اسی طرح مقبول و محبوب ہیں جیسے اب سے ہزاروں سال پہلے ذوق و شوق سے سنی اور کہی جاتی تھیں۔ شہروں سے لیکر دیہاتوں تک ، عالی شان بنگلوں سے لیکر گھاس پھونس کی جھونپڑیوں تک ، غریب سے لیکر امیر تک اور بچوں سے لیکر عورتوں اور بوڑھوں تک لوک کہانیاں ایک سی دل چسپی سے سنی سنائی جاتی ہیں۔ ان پڑھ سے ان پڑھ اور تعلیم یافتہ سے تعلیم یافتہ کوئی شخص یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ اس نے کبھی کوئی لوک کہانی سنی یا پڑھی نہیں۔ آج بھی جب ہم اپنی کسی نانی اماں یا دادی اماں کا ذکر کرتے ہیں تو یہی کہتے ہیں:

"وہ ہمیں مزیدار کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔"

لوک کہانیوں کی یہ مقبولیت ان کی سچائی کی دلیل ہے۔ بقول ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ:

"یہ کہانیاں سب لوگوں کے لئے اور ہر زمانے کے لئے ہیں۔ کیا ترقی پسند اور کیا رجعت پسند ، کیا قسمت پر قناعت کرنے والا اور کیا جد و جہد کے لئے بیقرار، کیا اکیلے بیٹھ کے کھانے والا اور کیا دوسروں میں تقسیم کرکے کھانے والا ، کیا حسن کا پجاری اور کیا بیوقوفی میں زندگی گذارنے والا ، یہ سب کے دلوں میں اتر جانے والی باتیں ہیں۔"

سر رچرڈ ٹمپل (Sir Richard Tample) نے ان لوک کہانیوں کی مقصدیت کے بارے میں ایک بڑی اچھی بات لکھی ہے۔ وہ کہانیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''سب سے زیادہ عام مقصد قسمت آزمائی ہے۔ کئی ایک مختلف وجوہ کی بنا پر جن کا اصل کہانی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور جو محض تمہیدی واقعات ہوتے ہیں، دنیا بھر کی لوک کہانیوں میں ہیرو یا ہیروئن گھر سے قسمت آزمائی کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں - بعض جگہ اکیلے اور بعض جگہ ساتھیوں کے ساتھ -''

رچرڈ ٹمپل نے ان کہانیوں کے ایک بہت خوب صورت اور مقصدی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واقعی اگر ہم دنیا بھر کی لوک کہانیوں کا بغور مطالعہ کریں تو ان میں جد و جہد اور کوشش کا پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کہانیوں میں شہزادے اور شہزادیاں، دیو اور پریاں، راکھشس اور کٹنیاں، سب کے سب اپنے اپنے مقصد کے حصول کے لئے سرگرم عمل نظر آتے ہیں - خود زیر نظر مجموعے کی کہانیوں پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس میں بھی جد و جہد اور زندگی کی تگ و دو کا ایک جال پھیلا ہوا ملے گا۔ ''دوستی کے پھل'' میں کبوتر اور کبوتری اپنی جان بچانے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے؟ ''حقیقی ماں'' اپنی اولاد کے لئے اور اولاد اپنی ماں سے ملنے کے لئے وہ کون سا دکھ ہے جو نہیں اٹھاتی؟ ''بہن کا پیار'' میں ایک بہن اپنے بھائیوں کی محبت میں کیا کیا ظلم برداشت کرلیتی ہے؟ ''سورج مکھی کا پھول'' میں بہن اور بھائی ایک دوسرے سے ملنے کے لئے کن کن مصائب سے گذرتے ہیں؟ ''چڑیا اور کوا'' میں ایک ننھی منی چڑیا اپنے مقصد حصول کے لئے کس کس در کی خاک نہیں چھانتی؟ ''عقلمند عورت'' اپنے شوہر کی جان اور اپنی عزت بچانے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلتی ہے؟ ''بارہ سال بعد'' میں شہزادہ اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے کن کن آزمائشوں سے گذرتا ہے؟ غرض کوئی کہانی ایسی نہیں جس کے کردار مسلسل جد و جہد میں مصروف نظر نہ آتے ہوں - یہ الگ بات ہے کہ ان کی جد و جہد اور کوشش نیک مقصد کے لئے ہے، اپنی ذات کے لئے ہے، یا کسی برے ارادے کی تکمیل کے لئے - برائی اور

اچھائی زندگی ہی کے دو رخ ہیں۔ اس لئے ان کہانیوں کے اچھے اور برے کردار دونوں اپنے اپنے مقصد کے حصول کے لئے حالات سے برسر پیکار نظر آتے ہیں۔

لوک ادب کے بارے میں یہ بات ادب کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ یہ تحریری ادب نہیں ہوتا بلکہ سینہ بہ سینہ چلتا ہے۔ اسی طرح یہ تہذیبی، ادبی اور روایتی سرمایہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ہزاروں سال سے یہی عمل جاری ہے۔ اس کا براہ راست نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں چھوٹی موٹی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔ خاص طور پر مختلف قوموں کے میل جول سے اس میں تبدیلی رونما ہوجاتی ہے۔ ایک قوم کی روایات دوسری قوم کی کہانیوں میں جگہ پالیتی ہیں اور پھر لوک کہانی جہاں جہاں کا سفر کرتی ہیں، وہاں کی بعض تہذیبی اور روائتی نشانیاں بھی اپنے اندر سمیٹتی چلی جاتی ہے۔ چوں کہ یہ ادب سارے انسانوں کا مشترکہ ورثہ ہے، اس کی تخلیق میں لوگوں نے اجتماعی طور پر حصہ لیا ہے اس لئے اس میں مختلف قوموں کی روایات کا داخل ہوجانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ مذہبی اختلافات اور قوموں کی جدا جدا رسوم اور رواج سے بھی لوک کہانیوں میں جزوی طور پر تبدیلی آجاتی ہے۔ نام بدل جاتے ہیں، مقامات میں تبدیلی ہوجاتی ہے اور مقامی روایات کی وجہ سے ان میں ایسی رسوم شامل ہوجاتی ہیں جو صرف اسی خطے کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ہندو کہانی سنائے گا تو وہ راجہ کہے گا اور مسلمان سنائے گا تو بادشاہ بتائے گا۔ وہ راجکمار کہے گا تو یہاں شہزادہ بن جائے گا۔ اور اگر مسلمان کہانی سنانے والا ولی یا فقیر کا قصہ سنائے گا تو ہندو اس کی جگہ جوگی یا سادھو کردے گا۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض کہانیاں سنانے والے اپنی مرضی اور پسند سے کہانی کے واقعات میں رد و بدل کرلیتے ہیں۔ کہیں کہانی نے طوالت اختیار کرلی تو سنانے والے نے کسی دوسری کہانی کا کوئی دل چسپ واقعہ اس میں ڈال دیا یا پھر خود ہی گھڑ کے اس میں اضافہ

کرلیا ۔ کبھی کبھار ایسا بھی کیا جاتا ہے کہ کوئی داستان سنانے والا مختلف کہانیوں کے کئی حصے ملاکر ان سے ایک نئی کہانی ترتیب دے لیتا ہے ۔ یہی وجہ ہے لوک کہانیوں کی تہذیب و ترتیب ایک خاصا مشکل مرحلہ ہے ۔ اس بارے میں سر رچرڈ ٹمپل (Sir Richard Tample) ایک جگہ لکھتے ہیں :

" یوں تو نہ لوک کہانیاں تحریر میں آتی ہیں اور نہ لوک گیت ۔ بوڑھی عورتیں ہوں یا بھاٹ، دونوں صرف اپنی یاداشت پر بھروسہ کرتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی اپنی شخصیت کا اثر ان گیتوں یا کہانیوں میں ضرور داخل ہوجاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص سے سنی ہوئی کہانی یا گیت دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ہوتے ہیں ۔ "

یہ معمولی تبدیلی اور اختلاف ہی مرتب کے لئے مشکلات کا باعث بنتے ہیں ۔ پنجاب کی ان لوک داستانوں کو جمع کرنے کے سلسلے میں مجھے بہت سی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا ۔ میں نے پنجاب کے مختلف علاقوں کے رہنے والے بڑے بوڑھوں سے بھی کہانیاں سنیں اور ایک علاقے سے تعلق رکھنے والوں سے بھی سنتا رہا ۔ دقت یہ تھی کہ ہر مرکزی خیال اور کرداروں کے باوجود ہر شخص کی سنائی ہوئی کہانی کافی حد تک ایک دوسرے سے مختلف تھی ۔ ایک ہی کہانی کے کئی کئی روپ تھے اور ایک ہی روپ کئی کئی ڈھنگ سے سنایا جاتا تھا ۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ کسی ایک کہانی میں کئی دوسری کہانیوں کے انگ شامل ہوگئے تھے ۔ ابتدا کسی اور کہانی سے ہوتی اور انتہا میں کوئی اور کہانی نکل آتی ۔ پھر یہ بھی تھا کہ مختلف علاقوں کے لوگوں سے سننے کی وجہ سے ان علاقوں کی بعض مخصوص مقامی روایات ان میں شامل ہوگئی تھیں ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ اکثر لوک کہانیوں میں الف لیلہ اور اسی قسم کی دوسری داستانوی کتابوں کے حصے کے حصے در آئے تھے ۔ ان سب دشواریوں سے بچنے اور انہیں حل کرنے کے لئے میں کہانیاں سنتا بھی رہا اور پڑھتا بھی رہا ۔ اس کے بعد میں نے ہر کہانی کے انگ ملائے ، پلاٹ کا

تانا بانا درست کیا اور واقعات کی کڑیاں ملائیں۔ اس کے بعد میری اپنی دانست میں کہانی کا جو صحیح اور جچتا ہوا روپ سامنے آیا، میں نے اسے قلمبند کیا۔ اور اس طرح اس میں میرے کئی برس صرف ہوگئے۔

پنجاب کی ان لوک داستانوں کی تلاش اور جمع کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے دوسرے ملکوں اور خطوں کی لوک کہانیوں کا مطالعہ بھی کیا۔ اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ لوک کہانیاں خواہ پنجاب کی ہوں یا سندھ کی، سرحد کی ہوں یا بلوچستان کی، کشمیر کی ہوں یا بنگلہ دیش کی، وہ پاکستان کی ہوں یا چین کی، امریکہ کی ہوں یا برطانیہ کی، روس کی ہوں یا افریقہ کی، بھارت کی ہوں یا انڈونیشیا کی، برما کی ہوں یا ملایا کی، ایران کی ہوں یا ترکی کی، ان سب میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ وہی چندے آفتاب چندے ماہتاب پری پیکر شہزادیاں ہیں، اور وہی مصائب میں گرفتار ہونے والے نازک بدن حسین و جمیل شہزادے۔ وہی خوفناک دیو اور وہی آندھی طوفان بن جانے والے جن۔ وہی باتیں کرنے والے جانور اور وہی انسانوں کی طرح بولنے والے پرندے۔ وہی اڑن کھٹولے، وہی سات سمندر پار لے جانے والی کھڑاؤں اور وہی آسمان میں تھگی لگانے والی کشتیاں۔ وہی انسان دوستی اور وہی پیار محبت کے اٹوٹ رشتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی ایک ملک کی سنہری پریاں اڑ کر کسی دوسرے ملک میں پہنچ جاتی ہیں اور کسی کالے دیو کی قید سے شہزادی کو چھڑانے والے دھن کے پکے اور پیار کے سچے شہزادے ملک ملک کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ انہیں کسی ہمالیہ کی چوٹیاں نہیں روک سکتیں اور کوئی سمندر ان کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ان لوک کہانیوں میں ہر ملک اور خطے کی روایات داخل ہوجاتی ہیں لیکن جہاں تک مرکزی خیال کا تعلق ہے وہ تقریباً ایک سا ہی ہوتا ہے۔ گر دنیا بھر کی لوک کہانیاں اکٹھی کی جائیں تو ان میں سے بیشتر کہانیاں ایک ہی سی ہوں گی۔ صرف رنگ روپ بدلا ہوگا ورنہ بنیادی تصور وہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

مختلف ملکوں کی لوک کہانیوں میں بے انتہا مماثلت پائی جاتی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا میں اس کی وجہ یہ تحریر کی گئی ہے کہ

"دنیا بھر میں پھیلی ہوئی یکساں قسم کی روایات، رسوم اور رواج کی وضاحت اس منطقی دلیل سے کی جاتی ہے کہ ترقی کے مختلف مرحلوں اور یکساں ماحول میں انسانی ذہن کا رد عمل یکساں ہوگا اور ہر جگہ یکساں نتیجہ برآمد ہوگا۔"

پروفیسر ونجارا بیدی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جس ادب کی بنیاد میں اٹل سچائیاں ہوں اس کے خدو خال حدوں، ملکوں، نسلوں اور زبانوں کی رکاوٹیں توڑ کے ایک جیسے ہوجاتے ہیں کیوں کہ سچ کا روپ ساری دنیا میں ایک ہی سا ہوتا ہے۔"

یہ بات ایک بار پھر ذہن نشیں کرلینی چاہیے کہ یہ لوک داستانیں ہزاروں سالوں کا طویل سفر طے کرکے ہم تک پہنچی ہیں اور جب یہ تخلیق ہوئی ہوں گی اس وقت یقیناً ان کی یہ شکل و صورت نہیں ہوگی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ شروع شروع میں کسی شخص نے ایک دو واقعات ملا کر کوئی قصہ جوڑا ہوگا۔ پھر سینہ بہ سینہ چلتے ہوئے اس کے ساتھ مختلف واقعات جڑتے چلے گئے ہوں گے۔ کہیں کسی دوسری کہانی کا کوئی حصہ در آیا ہوگا، کہیں کسی نے اپنے دل سے کوئی قصہ گھڑلیا ہوگا، اور کسی سنانے والے نے اس میں کوئی اور کردار داخل کردیا ہوگا۔ اس طرح آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں پھیلاؤ آتا گیا۔ کرداروں کے کارنامے بڑھتے گئے، واقعات میں رنگ بھرتے گئے۔ اور پھر کہیں جاکر یہ اس روپ تک پہنچی ہوں گی جس روپ میں ہم تک آئی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے، لوک داستانوں کی تعداد ہزاروں تک ہو لیکن ان میں سے اکثر زمانے اور وقت کا ساتھ نہ دے سکی ہوں یا اپنی دل چسپی کھو بیٹھی ہوں اس لئے سمے کے ساتھ دفن ہوگئی ہوں گی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ہم تک صرف وہی کہانیاں پہنچی ہیں جن میں سننے سنانے والوں

کے لئے کچھ نہ کچھ دل چسپی کا سامان موجود ہے اور جو لوگوں کے دلوں کی دھڑکنوں کا ساتھ دے سکتی ہیں - ان میں سے بیشتر میں اخلاق درس چاہے نہ ہو لیکن اس قدر دلچسپی کا سواد ضرور موجود ہے کہ وہ مر نہ سکیں اور آج بھی زندہ ہمارے پاس محفوظ ہیں -

لوک داستانوں کے سلسلے میں ایک اور ضروری بات یاد رکھنے کی ہے اور وہ یہ کہ ان کے کرداروں کے لئے مرد یا عورت ہونا ضروری نہیں ہوتا- جس طرح ان میں جن ، دیو، پریاں ، راکھشس ، کرداروں کے روپ میں آتے ہیں اسی طرح مویشی ، پرندے ، درندے اور دوسرے جانور بھی کرداروں کی شکل میں ہمارے سامنے آکر باقاعدہ کام ہی نہیں کرتے بلکہ انسانی کرداروں کی طرح گفتگو بھی کرتے ہیں- یہی نہیں ، بعض اوقات تو بے جان چیزیں بھی کرداروں ہی کی طرح ان کہانیوں میں آتی ہیں - سورج ، چاند ، ہوا ، پانی ، درخت ، آگ ، زمین ، بادل ، آسمان- یہ سب ہماری طرح باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں - انسانوں ہی کی طرح بولتے چالتے ہیں اور انسانوں ہی کی طرح محسوسات و جذبات کے مالک ہوتے ہیں - رچرڈ ٹمپل نے لکھا ہے:

"تمام لوک کہانیوں میں انسانوں سے جانوروں کا ساتھ اس مفروضے پر ہوتا ہے کہ جانور بات کرسکتے ہیں چنانچہ ان تمام حکایات میں جہاں کہیں جانور بطور ساتھی آئے ہیں ، وہ ہمیشہ انسانوں کی طرح باتیں کرتے نظر آتے ہیں -"

ایسی لوک کہانیاں جن میں جانور اور پرندے وغیرہ انسانوں کی طرح بولتے اور باتیں کرتے ہیں ان کہانیوں کے لئے ڈاکٹر جانسن (D. Jhonson) نے فیبل (Fable) کا لفظ استعمال کیا ہے - گویا اس طرح انہوں نے ایسی لوک کہانیوں کی تخصیص کرکے ان کی ایک الگ حیثیت متعین کردی ہے -

پنجابی لوک کہانیوں میں بہت سی ایسی کہانیاں ملتی ہیں جن کے کچھ حصے منظوم ہیں اور کچھ منثور- اس قبیل کی کہانیوں میں چڑیا کوے کی کہانی ، طوطے طوطی کی کہانی ، تین چوہوں کی

کہانی ، جوں کی کہانی ، سر چڑھی اور بھاگ بھری کی کہانی ، رتا سالو اور تین تیتروں کی کہانیاں شامل ہیں - ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک ایسی کہانیاں موجود ہیں جن میں کچھ حصے منظوم آتے ہیں - میں نے ان میں سے صرف چڑیا کی کہانی اور رتا سالو ، دو کہانیاں شامل کی ہیں تاکہ داستانوں کا یہ انداز بھی آجائے -

" پنجابی لوک داستانیں " میں بیس لوک کہانیاں شامل ہیں اور یہ سب کی سب وہ ہیں جو سر زمین پنجاب کے علاقے میں کہی سنی جاتی ہیں - ان میں ایک کہانی " دو بھائی " کے نام سے ہے جو اپنے مزاج کے لحاظ سے قدرے مختلف نظر آتی ہے - یہ کہانی میں نے جن صاحب سے سنی تھی وہ پٹھان کوٹ کے رہنے والے تھے اور ان سے یہ کہانی قیام پاکستان سے قبل سنی گئی تھی - اس مجموعے میں " نہ گھر کے نہ گھاٹ کے " " دو دوست " " بیوقوف " اور " چغلخور " چار کہانیاں ایسی ہیں جن کے پلاٹ میں نے پروفیسر ونجارا بیدی کی گورمکھی کتابوں سے لئے ہیں اور ایک کہانی " مایا ناگن " کا پلاٹ سنتوکھ سنگھ دھیر کی گورمکھی کتاب سے مستعار ہے - لیکن یہ سب پلاٹ کی حد تک مستعار ہیں - ان کی تہذیب کے لئے مجھے انہیں باقاعدہ تحریر کرنا پڑا - یہی نہیں بلکہ میں نے جو کہانیاں مختلف لوگوں سے سن کر جمع کی تھیں وہ بھی بڑی حد تک پلاٹ تک ہی محدود تھیں بعد میں ، میں نے ان کی تہذیب و ترتیب کی اور واقعات کی کڑیاں ملاکر انہیں از سر نو لکھا رچرڈ ٹمپل (Richard Tample) نے لوک کہانیوں کے بارے میں لکھا ہے :

" کوئی وجہ نہیں کہ انہیں ادبی لحاظ سے تاحد امکان دل چسپ نہ بنایا جائے بشرطیکہ ان کی صحت میں فرق نہ آنے پائے - "

میں نے بھی اپنی کتاب میں یہی اصول پیش نظر رکھا ہے تاکہ کہانی کے اصل رنگ روپ کے ساتھ ساتھ اس کی دل چسپی بھی برقرار رکھی جاسکے - البتہ جہاں تک زبان کا

تعلق ہے اس میں میں نے آسان سے آسان اور سہل سے سہل انداز اپنایا ہے۔ اس سلسلے میں میری ذاتی رائے یہی ہے کہ ان سیدھی سادی لوک کہانیوں کی سچائی، صداقت اور خوب صورتی پر بھاری بھر کم الفاظ کا بوجھ کم سے کم پڑنا چاہئیے۔ یہ ان کہانیوں کی سچائی اور انسان دوستی ہی ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے جاہ و حشم والے شہنشاہ آج سب کے سب کتابوں کے اوراق میں بند ہیں، اندھی تاریخ کی گود میں سوئے پڑے ہیں مگر ان کہانیوں کے بادشاہ آج بھی ان گنت دلوں میں زندہ ہیں۔ آج بھی جب کوئی یہ کہتا ہے۔ ”ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمہارا خدا بادشاہ“ تو ہم آنکھ کے ایک پلکارے میں ان رحم دل اور سخی بادشاہوں کے سجے لگے درباروں میں پہنچ جاتے ہیں جہاں ہر اسیر غریب بلا روک ٹوک پہنچ سکتا ہے اور جن کے محلوں میں شہزادیاں اور کنیزیں ایک ساتھ رہتی ہیں۔

آخر میں ایک ضروری بات رہی جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس کتاب میں، میں نے بیشتر کہانیوں کے اصل نام بدل دیئے ہیں۔ یہ ناموں کی تبدیلی کچھ اس لئے ضروری تھی کہ پنجابی اور اردو کا مزاج بعض حالتوں میں خاصا مختلف ہوجاتا ہے اور وہاں محض ترجمے سے بات نہیں بنتی۔ اسی لئے بعض کہانیوں کے نام ان کے مرکزی خیال کے پیش نظر بدل دیئے ہیں تاہم ان کے ساتھ میں نے وہ پنجابی نام بھی تحریر کردیئے ہیں جن سے یہ لوک داستانیں جانی پہچانی اور کہی سنی جاتی ہیں۔

اس طویل دیباچے میں جن محققوں، نقادوں اور کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں ان کے نام شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج ہیں:

(۱) ڈاکٹر گیان چند — ”اردو کی نثری داستانیں“ سنہ۱۹۶۹ء
ناشر: انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی۔

(۲) سر رچرڈ ٹمپل — لیجنڈس آف دی پنجاب ”حکایات پنجاب“
ترجمہ: میاں عبدالرشید۔ سنہ ۱۹۶۲ء
حصہ اول، دوم ناشر مجلس ترقی ادب، لاھور۔

(۳) پروفیسر ونجارا بیدی ”پنجابی دیاں لوک کہانیاں“ سنہ ۱۹۵۴ء
ناشر : لوک پرکاش ، اقبال گنج روڈ ،
انبالہ چھاؤنی ۔

(۴) ڈاکٹر سوہن سنگھ دیوانہ دیباچہ ”پنجابی دیاں لوک کہانیاں“
از ونجارا بیدی ۔

(۵) سنتوکھ سنگھ دھیر ”پنجابی لوک کہانیاں“
ناشر : لاہور بک شاپ ، گھنٹہ گھر ، لدھیانہ ۔

(۶) انسائیکلوپیڈیا برٹنیکا سنہ ۱۹۶۰ء جلد نمبر ۹ ۔
ناشر : ولیم بینٹین پبلشرز ، شکاگو ، لندن ۔

(۷) ڈاکٹر جانسن حوالہ : انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا

(۸) چیمبرز ٹونٹیتھ سنچری ڈکشنری ۔ ایڈیٹر ولیم گڈی ۔
ایڈیشن سنہ ۱۹۶۶ء ۔ ڈبلیو اینڈ آر
چیمبرز لمیٹڈ لندن

(۹) مسٹر گوبے حوالہ : لیجنڈس آف دی پنجاب ۔

”پنجابی لوک کہانیاں“ اور ”پنجابی لوک داستانیں“ کی تکمیل کے بعد بھی میرے پاس ابھی اتنی لوک کہانیاں موجود ہیں جن سے ایک اور مجموعہ ترتیب دیا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے وقت درکار ہے اور وقت اس قدر بے رحم ہے کہ چند قدم ساتھ دینے کے بعد ساتھ چھوڑ جاتا ہے ۔ اگر حالات نے کبھی فرصت کی چھاؤں میں بیٹھنے دیا تو میں یہ باقی کہانیاں بھی پیش کروں گا ۔ یہ کہانیاں وقت کی امانت اور سب کا مشترک ورثہ ہیں اس لئے انہیں سب تک پہنچنا چاہیے ۔ سچائی کی خوشبو ہمیشہ پھیلتی ہے ۔ اسے پھیلنے دینا چاہیے ۔

شفیع عقیل

۷ . ۴ . ۷۴

کراچی

سورج مکھی کا پھول

آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے - کسی ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا - اس بادشاہ کے تین بیٹے تھے اور اب پھر ملکہ امید سے تھی - ایک دن بادشاہ نے ملکہ سے کہا -

" اس دفعہ بھی لڑکا پیدا ہونا چاہیے - "

پھر اس نے غصہ بھری نظروں سے ملکہ کی طرف دیکھا اور بولا - " اگر تمہارے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تو میں تینوں بیٹوں کو قتل کرادوں گا - "

بادشاہ کی یہ عجیب و غریب بات سن کر ملکہ بہت پریشان ہوئی - یہ اس کے اپنے بس کی بات تو تھی نہیں جو وہ اپنی مرضی سے لڑکا جن دیتی - لیکن وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ بادشاہ بہت ضدی ہے - وہ اپنی کہی ہوئی بات ضرور کر گذرے گا - وہ بیچاری سوچ میں پڑگئی -

اگر لڑکا پیدا نہ ہوا تو؟ "

" اگر اس دفعہ لڑکی پیدا ہوئی تو پھر کیا ہوگا ؟"

جوں جوں دن بیت رہے تھے ملکہ کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا مگر وہ کرتی بھی تو کیا کرتی آخر جب ولادت کے دن قریب آگئے تو اس نے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں اپنی پریشانی کی وجہ بتادی - بیٹوں نے یہ بات سنی تو وہ بھی بہت گھبرائے - ان کو بھی معلوم تھا کہ بادشاہ کا کہا پورا ہوتا ہے - وہ جو کہتا ہے اسے کر کے دکھاتا ہے - لیکن اس سلسلے میں وہ بھی کیا کرسکتے تھے ؟ ان کی ماں نے کافی دیر سوچ بچار کرنے کے بعد بیٹوں سے کہا -

" اب صرف ایک ہی صورت ہے ! "

" وہ صورت کیا ہے ماں ؟ ہمیں بھی بتاؤ ؟ "

تینوں بیٹے ایک زبان ہو کر پوچھنے لگے۔ اس پر ملکہ نے بتایا۔

"اب صرف ایک ہی صورت ہے کہ تم تینوں شہر سے نکل کر جنگل میں چلے جاؤ اور وہاں کسی ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ جاؤ جہاں سے میرا محل نظر آتا رہے۔ اگر میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو میں محل پر سیاہ کپڑا لہرادوں گی۔ تم اسے دیکھ کر سمجھ جانا کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے اور یہاں بھولے سے بھی لوٹ کر نہ آنا۔ اور اگر لڑکا پیدا ہوا تو میں سرخ رنگ کا کپڑا لہرادوں گی۔ تم اسے دیکھ کر سمجھ لینا کہ تمھارا بھائی پیدا ہوا ہے اور واپس چلے آنا۔"

ماں کی یہ تجویز انہیں پسند آئی۔ جان بچانے کا اب یہی ایک راستہ تھا۔ وہ بولے۔

"ہاں ماں! تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

اس کے بعد ان تینوں نے کچھ ضروری سامان لیا، اپنی گذر بسر کے لیے جس قدر مال و متاع لے جا سکتے تھے، اسے باندھا اور جب رات ہوگئی تو اپنی ماں سے رخصت ہو کر چپکے سے جنگل کی طرف روانہ ہوگئے۔

رات کے اندھیرے میں لوگوں کی نظروں سے چھپتے چھپاتے وہ شہر سے باہر آگئے اور چلتے چلاتے جنگل میں پہنچ گئے۔ جنگل میں انہوں نے ایک ایسی جگہ تلاش کی جہاں سے ان کی ماں کا محل دکھائی دیتا تھا۔ وہاں انہوں نے ادھر ادھر سے لکڑیاں کاٹ کر اور گھاس پھونس اکٹھا کر کے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنالی اور جوں توں کرکے اس میں رہنے لگے۔ تینوں بھائی روزانہ صبح اٹھ کر دور اپنی ماں کے محل کی طرف نظریں گاڑ دیتے کہ دیکھیں کون سے رنگ کا کپڑا لہراتا ہے مگر جب وہاں انھیں کوئی کپڑا دکھائی نہ دیتا تو وہ مایوس ہوجاتے۔ اس طرح وہ تینوں یاس اور آس کی زندگی گذار رہے تھے۔ لیکن ایک روز اچانک انہوں نے دیکھا تو محل کی چھت پر سیاہ رنگ کا کپڑا لہرا رہا تھا۔ یہ دیکھتے ہی وہ سمجھ گئے کہ ان کی بہن پیدا ہوئی ہے اور اب وہ واپس گھر نہیں جاسکتے، اگر گئے تو قتل کردیئے جائیں گے۔ اب انہیں اسی طرح ادھر ادھر زندگی بسر کرنا پڑے گی۔ وہ تینوں جنگل میں اور

دور تک اندر چلے گئے تاکہ ان تک کوئی نہ پہنچ سکے — اور اس طرح اب وہ گھنے جنگل میں ایک کٹیا بناکر رہنے لگے تھے۔

دن گذرتے گئے اور وقت بادشاہ کی بیٹی کی طرح آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ شہزادی بچپن کے کھلونے چھوڑکر جوانی کے خوابوں سے کھیلنے لگی۔ ایک روز اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا۔

"ماں! میں نے سنا ہے میرے بھائی بھی تھے۔ کیا یہ سچ ہے ؟"

اس کی بڑی تمنا تھی کہ اس کا بھی کوئی بھائی ہو اور اس کی ماں بھی اس کی اس خواہش سے اچھی طرح واقف تھی لیکن وہ اس کی پیدائش پر ہی بادشاہ سے کہہ چکی تھی کہ تینوں شہزادے نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں۔ اب اگر وہ ان کے متعلق کچھ بتائے تو بیٹوں کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی جان کی بھی خیر نہیں تھی، اس لئے اس نے بیٹی سے بھی جھوٹ کہہ دیا۔

"نہیں بیٹی! تمھارا کوئی بھائی نہیں ہے۔"

ماں کا جواب سن کر شہزادی خاموش ہوگئی اور اپنے باغ میں سیر کرنے چلی گئی۔ اس کا باغ خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔ ہزاروں قسم کے پھول ہر طرف جھوم رہے تھے۔ دراصل اسے پھولوں سے بہت پیار تھا اس لئے طرح طرح کے پھول اس کے باغ میں لگوائے گئے تھے۔ مگر اس وقت بھائی کا خیال آنے سے وہ اداس ہوگئی تھی۔ وہ اسی سوچ میں کھوئی ہوئی اداس سی بیٹھی تھی کہ اتنے میں وہاں ایک بڑھیا آئی۔ اس نے شہزادی سے پوچھا۔

"اے شہزادی! تمھارا باغ اس قدر خوبصورت اور ہرا بھرا ہے۔ پھر تم اداس کیوں ہو ؟"

شہزادی نے جواب دیا۔

"نہیں! میں اداس تو نہیں ہوں۔"

لیکن بڑھیا کہنے لگی۔

"تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔ تم اداس ہو اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اداس کیوں ہو ؟"

پھر اس نے شہزادی کی نظروں سے نظریں ملاتے ہوئے کہا۔

"تمھارے باغ میں ہر قسم کے پھول ہیں لیکن سورج مکھی

کا پھول نہیں ہے — اور اسی لئے اس وقت تم اداس ہو۔"
واقعی شہزادی کے باغ میں سورج مکھی کا پھول نہیں تھا۔ اس نے دل میں سوچا۔ خدا جانے سورج مکھی کا پھول کس قدر خوبصورت ہوگا؟ معلوم نہیں وہ کیسا ہوتا ہوگا؟ وہ بڑھیا سے پوچھنے لگی۔

"سورج مکھی کے پھول میں کیا خاص بات ہوتی ہے؟"
جواب میں بڑھیا نے بتایا۔

"سورج مکھی کا پھول سورج کی طرح چمکتا ہے اور اس کی چمک دور دور تک جاتی ہے۔"
بڑھیا نے اسے یہ بھی بتایا کہ۔

"کوئی مرد سورج مکھی کے پھول کی چمک برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی مرد غلطی سے اسے ہاتھ لگا دے تو وہ ہنس بن جاتا ہے۔ لیکن عورت اسے ہاتھ لگالے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔"

بڑھیا کی یہ عجیب و غریب بات سن کر شہزادی بہت حیران ہوئی۔ اس کے لئے یہ بات جس قدر نئی تھی اس سے کہیں زیادہ دلچسپ بھی تھی۔ وہ بڑھیا سے کہنے لگی۔

"میں اپنے باغ میں سورج مکھی کا پھول ضرور لگاؤں گی۔ مجھے بتاؤ یہ پھول کہاں سے ملے گا؟"
بڑھیا نے اسے سورج مکھی کے پھول کا پتہ بتایا اور ساتھ ھی یہ تاکید بھی کی۔

"ایک بات یاد رکھنا۔ اگر کسی مرد نے اس پھول کو ھاتھ لگادیا تو وہ ہنس بن جائے گا۔ اور پھر جب تک اس کی بہن بارہ برس تک چپ برت نہ رکھے گی وہ پھر سے آدمی کے روپ میں نہیں آئے گا۔ ان بارہ برس میں اگر وہ ایک لفظ بھی منہ سے بولے گی تو اس کا برت ٹوٹ جائے گا۔"

بڑھیا یہ بات کہہ کر چلی گئی اور شہزادی سورج مکھی کے پھول کے بارے میں سوچنے لگی — پھر چند ھی روز بعد اس نے بڑھیا کے بتائے ہوئے پتے پر خادم بھیج کر سورج مکھی کا پودا منگوالیا اور اسے اپنے باغ میں لگادیا۔ جب اس پودے پر

خوبصورت پھول کھلے تو اس کے باغ کی رونق اور بھی بڑھ گئی - شہزادی خوش تھی کہ اب کوئی پھول ایسا نہیں جو اس کے باغ میں نہ ہو -

ایک روز شہزادی نے پھر اپنی ماں سے دریافت کیا -

" ماں ! مجھے سچ سچ بتاؤ میرا کوئی بھائی ہے یا نہیں ؟"

اس کی ماں نے پھر اسے باتوں میں ٹالنا چاہا لیکن شہزادی اپنی ضد پر اڑ گئی - اس نے کہا -

" اگر تم مجھے سچ سچ نہیں بتاؤ گی تو میں زہر کھالوں گی - "

یہ سن کر ملکہ نے کہا -

" اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ یہ بات بادشاہ سلامت کو نہیں بتاؤ گی تو میں تمھیں بتادیتی ہوں -؟ "

شہزادی نے اس سے وعدہ کیا -

" ماں ! میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس بات کا کسی سے بھی ذکر نہیں کروں گی - "

عہد لینے کے بعد ملکہ نے اسے پوری بات بتادی کہ کس طرح اس کی پیدائش کے موقع پر باد شاہ نے بیٹا پیدا ہونے کی شرط لگائی تھی، کس طرح اس نے تینوں بیٹوں کی جان بچانے کی خاطر انہیں جنگل میں بھیج دیا اور پھر جب وہ پیدا ہوئی تو کس طرح محل پر سیاہ کپڑا لہرا دیا تاکہ وہ واپس نہ آئیں - یہ سب کچھ بتانے کے بعد اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا -

" خدا جانے - اب تمھارے بھائی بیچارے کس حال میں ہیں ؟"

پوری کہانی سن کر شہزادی کے دل میں بھائیوں کی محبت اور بھی جاگ اٹھی - اس نے سوچا - جن بھائیوں نے محض میرے لئے اتنی مصیبتیں جھیلی ہیں میں انہیں ضرور تلاش کروں گی - اگر میں پیدا نہ ہوتی تو ان بیچاروں کو یہ دکھ نہ جھیلنا پڑتے - اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا -

" ماں ! اب میرے بھائی کہاں ہوں گے ؟ "

ماں نے جواب دیا -

" بیٹی ! اس وقت تو وہ اس سامنے والے جنگل میں گئے تھے لیکن اس بات کو عرصہ بیت چکا ہے۔ اب وہ نہ جانے کہاں ہوں گے ؟ "

شہزادی نے اپنے دل میں عہد کیا کہ خواہ کچھ بھی ہوجائے وہ اپنے بھائیوں کو ضرور ڈھونڈے گی۔ وہ اکیلی ان کی تلاش میں جائے گی چاہے اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے — وہ کئی دن تک اسی ادھیڑ بن میں رہی۔ آخر ایک روز صبح سویرے جب کہ محل میں ابھی چاروں طرف خاموشی اور سناٹا تھا، وہ چپکے سے اٹھی اور اسی جنگل کی طرف چلدی جدھر اس کے بھائی گئے تھے۔ چلتے وقت اس نے اپنے باغ میں سے ایک سورج مکھی کا پھول بھی توڑ لیا جو اسے بہت زیادہ پسند تھا۔

شہزادی شہر سے نکل کر جنگل کی طرف چلنے لگی۔ وہ دن بھر ایک ان جانے راستے پر چلتی رہی یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ چلتے چلتے اس کے پاؤں دکھنے لگے اور وہ تھکن سے چور ہوگئی مگر اس نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور آگے بڑھتی رہی۔ آہستہ آہستہ اندھیرا بڑھنے لگا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سورج مکھی کے پھول میں سے روشنی نکل نکل کر چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ چنانچہ وہ اس کی روشنی میں چلتی رہی کیوں کہ اب وہ روشنی میں آسانی سے راستہ دیکھ سکتی تھی۔ خوف سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی کہ اتنے میں اسے ایک کٹیا دکھائی دی۔ اس نے دل میں سوچا۔

" کیوں نہ یہاں رات بسر کرلوں۔ صبح پھر اپنا سفر شروع کروں گی۔ "

یہ سوچ کر وہ کٹیا کے قریب چلی گئی۔ اسے اس بات پر تعجب بھی ہو رہا تھا کہ اس گھنے جنگل میں کٹیا بنا کر کون رہتا ہے ؟ جب وہ اس کٹیا کے پاس پہنچی تو اس نے دیکھا، اس کا دروازہ بند تھا اور اندر سے روشنی چھن چھن کر باہر آرہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک نوجوان باہر نکلا اور دروازے پر ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اس نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟ اور اس وقت جنگل میں کیا لینے آئی ہو؟"
جواب میں شہزادی بولی۔
"میں ایک شہزادی ہوں۔"
یہ سن کر نوجوان نے اور بھی تعجب سے پوچھا۔
"اے شہزادی! تم پر کیا مصیبت آ پڑی ہے جو اس خوفناک جنگل میں ماری ماری پھر رہی ہو؟"
شہزادی نے جواب دیا۔
"میں اپنے بھائیوں کی تلاش میں نکلی ہوں۔"
پھر اس نے وہ پوری کہانی سنائی جو اس کی ماں نے اسے بتائی تھی۔ نوجوان اس کی روداد سن کر کہنے لگا۔
"میں ہی تمھارا بھائی ہوں۔ اور دوسرے دونوں بڑے بھائی ابھی جنگل سے واپس آنے والے ہیں۔"
بھائی کا نام سن کر شہزادی خوشی میں بے تاب ہو کر آگے بڑھی ہی تھی کہ نوجوان بولا۔
"مگر ہم تینوں بھائیوں نے آپس میں یہ طے کر رکھا ہے کہ جس لڑکی کو بھی دیکھیں گے اسے فوراً قتل کردیں گے کیوں کہ ایک لڑکی ہی کی وجہ سے ہم پر یہ مصیبت آئی ہے۔ نہ تم پیدا ہوتیں اور نہ ہم محلوں سے نکالے جاتے۔"
یہ کہہ کر اس نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن بہن کی محبت نے اس کا ہاتھ روک لیا۔ دل میں خون کا رشتہ جاگ پڑا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ پاؤں شل ہوگئے ہوں۔ اس نے اپنی تلوار ایک طرف پھینک دی اور شہزادی سے بولا۔
"بہن! میں تو تمھیں کچھ نہیں کہتا لیکن بڑے بھائی آئیں گے تو وہ نہیں مانیں گے۔ وہ تمھیں دیکھتے ہی قتل کردیں گے۔"
اس کے بعد اس نے دو تین لمحے سوچ کر کہا۔
"آؤ میں تمھیں کٹیا کے اس کونے میں چھپا دیتا ہوں تاکہ وہ تمھیں دیکھ نہ سکیں۔"
اتنا کہہ کر اس نے شہزادی کو کٹیا کے ایک کونے میں

گھاس پھونس کے نیچے چھپادیا اور خود یوں بیٹھ گیا جیسے وہاں کوئی آیا ہی نہ ہو — چند ہی لمحوں بعد اس کے دونوں بھائی بھی آگئے جو کھانے کے لئے پھل پھلیری لینے گئے تھے۔ جب وہ دونوں آرام سے بیٹھ گئے تو چھوٹا بھائی ڈرتے ڈرتے بولا۔

"میں تم دونوں کا چھوٹا بھائی ہوں۔ میں نے آج تک تم دونوں سے کوئی بات نہیں کہی لیکن آج میں ایک بات کہوں گا جو تمھیں ہر صورت میں ماننا ہوگی۔"

دونوں بھائیوں نے جواب دیا۔

"ایسی کون سی بات ہے؟ ہم تمھاری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہیں۔"

اس پر چھوٹے بھائی نے کہا۔

"مگر پہلے مجھے اس بات کا عہد دو کہ جو میں کہوں گا وہ کروگے۔؟"

دونوں بھائیوں نے اسے عہد دیا اور پھر بولے۔

"اچھا — اب بتاؤ وہ کیا بات ہے؟"

چھوٹا بھائی بولا۔

"آج یہاں ایک لڑکی آئی ہے۔ اور وہ ہم تینوں کی سگی بہن ہے۔"

یہ سنتے ہی دونوں بڑے بھائی غصے میں کہنے لگے۔

"بہن ہو یا کوئی اور — وہ لڑکی ہے! اور ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔"

جواب میں چھوٹے بھائی نے انہیں ان کا عہد یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھو! تم دونوں نے مجھے قول دیا ہے۔"

واقعی انہوں نے قول دیا تھا۔ وہ دونوں خاموش ہوگئے۔ اور پھر کہنے لگے۔

"اچھا۔ ہماری بہن کو بلاؤ۔ ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسے کچھ نہیں کہیں گے۔"

ادھر گھاس پھونس میں چھپی ہوئی شہزادی یہ سب باتیں سن رہی تھی۔ جوں ہی اس نے دیکھا کہ دونوں بھائیوں

نے اسے قتل نہ کرنے کا عہد دیا ہے تو وہ جھٹ سے نکل کر سامنے آگئی - اس کا سامنے آنا تھا کہ بھائیوں کے دل میں بہن کی محبت جاگ پڑی اور وہ اس سے لپٹ گئے - اس کے بعد انہوں نے اپنی بہن سے کہا -

" اب تم ہمارے ہی پاس رہو ! ہم جنگل سے کھانے پینے کا سامان لے آیا کریں گے اور تم اسے پکانا -"

شہزادی تو پہلے ہی یہی چاہتی تھی کہ اپنے بھائیوں کے پاس رہے - وہ خوش ہوگئی اور خوشی میں شاہی محلوں کا سارا عیش و آرام بھی بھول گئی - پھر اس نے جلدی سے گھاس پھونس میں چھپایا ہوا سورج مکھی کا پھول نکال کر بھائیوں سے کہا -

"دیکھو — میں تمہارے لئے کیا لائی ہوں ؟ "

پھول کی روشنی ساری کٹیا میں پھیل رہی تھی - جب بھائیوں نے یہ عجیب و غریب پھول دیکھا تو وہ تینوں جلدی سے آگے بڑھے اور انہوں نے اسے چھولیا — پھول کا چھونا تھا کہ آن کی آن میں وہ تینوں ہنس بن گئے - اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے اڑ گئے -

شہزادی بہت پچھتائی - وہ خوشی میں بڑھیا کی یہ بات بھول گئی تھی کہ اسے چھونے سے مرد ہنس بن جائے گا - مگر اب کیا کرسکتی تھی ؟ ہونی ہو کے رہتی ہے - اس نے بھائی پا کر اپنی غلطی سے دوبارہ کھودیئے تھے - اب نہ تو وہ اپنے گھر واپس جاسکتی تھی اور نہ اکیلی وہاں رہ سکتی تھی - گھر جائے تو کس منہ سے ؟ اور تنہا جنگل میں رہے تو کیسے ؟ اچانک اسے اس بڑھیا کی بات یاد آگئی جس نے اسے سورج مکھی کے پھول کا پتہ دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر کوئی مرد پھول چھونے سے ہنس بن جائے تو اس کی بہن بارہ برس تک چپ برت رکھے - اس طرح وہ دوبارہ ہنس سے انسان کے روپ میں آجائے گا - یہ بات یاد آتے ہی اس نے بارہ برس کا چپ برت رکھ لیا اور اسی کٹیا میں رہنے لگی -

شہزادی روزانہ جنگل میں گھوم گھام کر اپنے لئے تھوڑی بہت پھل پھلیری لے آتی اور اسے کھا کر پیٹ بھر لیتی - اس کے تینوں بھائی ہر روز ہنسوں کی صورت میں وہاں آتے -

کچھ دیر ادھر ادھر بیٹھتے اور اپنی بہن کو دیکھ کر دوبارہ اڑجاتے۔ اس طرح وقت اور شہزادی کی عمر ، دونوں دبے پاؤں گذر رہے تھے۔

اب شہزادی کو چپ برت رکھے ہوئے کئی برس گذر چکے تھے اور بارہ برس پورے ہونے میں چند ہی ماہ باقی تھے۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ ایک روز کسی دوسرے ملک کا بادشاہ شکار کھیلتے ہوئے بھٹک گیا اور راستہ بھول کر چلتا چلاتا ادھر آنکلا۔ شام کا وقت تھا اور وہ تھکا ہوا بھی تھا۔ اس نے جب وہاں ایک کٹیا دیکھی تو دل میں سوچا۔

"کیوں نہ رات یہاں بسر کرلوں۔ صبح راستہ تلاش کرلوں گا۔"

وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر کٹیا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کوئی اندر ہے تو دروازہ کھولے ؟"

ادھر شہزادی بیچاری آواز کا جواب نہیں دے سکتی تھی۔ اگر وہ بول پڑتی تو اس کا بارہ سال کا برت ٹوٹ جاتا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا بادشاہ اپنے سامنے ایک حسین لڑکی دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ جنگل میں بنی ہوئی کٹیا میں اس قدر حسین و جمیل لڑکی رہ رہی ہوگی۔ چند لمحوں کے لئے تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ پھر اس نے شہزادی سے پوچھا۔

"تم کون ہو اور اس جنگل میں کیا کرتی ہو ؟"

لیکن شہزادی نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش کھڑی تھی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ اور بھی زیادہ حیران ہوا اور بولا۔

"میں راستہ بھٹک گیا ہوں۔ کیا میں یہاں رات گذار سکتا ہوں ؟"

شہزادی پہلے کی طرح اس دفعہ بھی خاموش رہی۔ وہ بولے تو کیسے

بولے؟ ادھر بادشاہ نے اپنے دل میں سوچا شاید مجھ سے شرما رھی ہے اس لئے کہنے لگا۔

"مجھ سے ڈرو نہیں — میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔؟"

جب اس بار بھی شہزادی نے کوئی جواب نہ دیا تو بادشاہ نے اپنے آپ سے کہا رات تو کاٹ لوں۔— صبح دیکھا جائے گا۔

اس نے اپنا گھوڑا ایک طرف باندھ دیا اور خود کٹیا کے ایک کونے میں پڑ کے لیٹ گیا۔ وہ تھکا ھارا تو تھا ھی، جوں ھی لیٹا اسے نیند نے آلیا۔

بادشاہ کا خیال تھا۔ ھوسکتا ہے اس لڑکی کے ساتھ کوئی مرد بھی رھتا ھو کیوں کہ اس طرح جنگل میں کسی لڑکی کا تنہا رھنا ایک ناممکن سی بات تھی۔ لیکن جب صبح ھوگئی اور اس نے دیکھا، وھاں کوئی مرد نہیں آیا تو وہ اور بھی حیران ھوا۔ اس نے شہزادی سے کہا۔

"تم میرے ساتھ چلو۔ یہاں اس کٹیا میں اپنی جوانی کیوں ختم کر رھی ھو؟"

شہزادی نے اب بھی اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن وہ بادشاہ کی بات سن کر بہت گھبرائی۔ اگر بولتی ہے تو بھائی ھنس کے ھنس ھی رہ جائیں گے۔ اور اگر نہیں بولتی تو بادشاہ اسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اس نے دل سے کہا۔

"اگر میرے بھائی پھر سے انسان کے روپ میں آجائیں تو میں سمجھوں گی مجھے سب کچھ مل گیا۔"

چنانچہ وہ خاموش رھی — اسے اس طرح چپ دیکھ کر بادشاہ بولا۔

"میں بادشاہ ھوں۔ میں تمھیں شاندار محلوں میں رکھوں گا۔؟"

مگر جواب میں تو ایک ھی چپ تھی — جب وہ اس بار بھی نہ بولی تو بادشاہ نے اسے زبردستی اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھالیا۔ شہزادی مجبور تھی۔ نہ کچھ کہہ سکتی تھی اور نہ کچھ کرسکتی تھی۔ لیکن اس نے ایک کام کیا اور وہ یہ کہ چلتے وقت ایک کپڑے میں بہت سا سوکھا دھنیا لے لیا اور جب بادشاہ اسے اپنے ساتھ لے کر چل دیا تو وہ اس سے آنکھ

بچا کر راستے میں جگہ جگہ ، تھوڑا تھوڑا دھنیا گراتی گئی۔ بادشاہ کے خیال میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی راستے میں دھنیا گراتی جارہی ہے اور یہ کہ دھنیا گرانے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے ؟

ادھر جب دوسرے روز حسب معمول شہزادی کے تینوں بھائی ہنسوں کی صورت میں آئے تو انہوں نے دیکھا ، آج ان کی بہن وہاں موجود نہیں تھی۔ پہلے تو وہ ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر کٹیا میں جاکر جھانکا مگر وہ بھی خالی تھی - تینوں سوچنے لگے -

" شاید جنگل میں کچھ کھانے پینے کے لئے لینے گئی ہو۔"

اور یہ سوچ کر وہ اس کا انتظار کرنے لگے - لیکن جب وہ انتظار کرتے کرتے تھک گئے اور صبح سے شام ہونے کو آئی تو وہ بہت پریشان ہوئے - انہوں نے اڑکر جنگل میں اسے تلاش کیا اور جب اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو مایوس ہو کر لوٹ گئے -

وہ دوسرے روز آئے اور انہیں آج بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا - اس طرح اب وہ روزانہ آتے اور اپنی بہن کا انتظار کرتے - اسے جنگل میں ڈھونڈتے ، دور دور تک تلاش کرتے لیکن جب ان کی بہن انہیں کہیں دکھائی نہ دیتی تو ان کی مایوسی میں اور اضافہ ہوجاتا - وہ سوچتے -

" اب کیا کریں ؟ "

" بہن کو کہاں تلاش کریں ؟ "

" خدا جانے وہ کہاں چلی گئی ؟ "

ایک روز وہ مایوس ہوکر واپس جانے کے لئے اڑنے ہی والے تھے کہ انہوں نے دیکھا - ایک طرف ہرا دھنیا قطار کی صورت میں اگا ہوا تھا۔ اگا ہوا یہ دھنیا کٹیا سے شروع ہو کر جنگل کی طرف چلا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک بھائی بولا۔

" کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری بہن نے یہ اپنی نشانی بتانے کے لئے اگایا ہو ؟ "

اس پر دوسرے بھائی بھی بولے -

”ہمارا بھی یہی خیال ہے—ورنہ اس جنگل میں دھنیا اگنے کا کیا مقصد؟“

چنانچہ وہ تینوں اگے ہوئے دھنیے کی سیدھ میں اڑنے لگے۔ جس راستے سے شہزادی گئی تھی اس راستے کے ساتھ ساتھ دھنیا اگا ہوا تھا اور اسی دھنیے کو دیکھ دیکھ کر تینوں بھائی اڑتے جارہے تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ دھنیا باقاعدہ ایک راستے کے ساتھ اگا ہوا ہے اور کہیں ختم نہیں ہوتا تو انہیں یقین ہوگیا کہ یہ ان کی بہن اپنی نشانی چھوڑتی گئی ہے تاکہ بھائی اس کا پتہ چلا سکیں۔ وہ تینوں اڑتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک شہر میں پہنچ گئے۔ شہر کے باہر ایک محل سے تھوڑی دور سامنے جاکر اگا ہوا دھنیا ختم ہوگیا تھا۔ انہوں نے سوچا۔

”ہو نہ ہو ہماری بہن اسی محل میں ہے۔ یقیناً اسے کوئی زبردستی لے آیا ہے۔“

اس محل کے بالکل سامنے ایک بہت بڑا درخت تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ اگر ہماری بہن اس محل میں ہوگی تو کبھی نہ کبھی تو ضرور دکھائی دے گی۔

ادھر شہزادی کے دل میں خیال آیا کہ۔

”ہوسکتا ہے میرے بھائی میری تلاش میں اڑتے اڑتے ادھر آنکلیں!“

وہ اسی خیال میں محل کی چھت پر گھوم رہی تھی کہ اچانک اس نے دیکھا سامنے والے بڑے درخت پر تین ہنس بیٹھے ہوئے تھے۔

”یہ تو میرے بھائی معلوم ہوتے ہیں؟“

اس کے دل نے گواہی دی۔ اس نے جلدی سے اپنا دوپٹہ سر سے اتار کر فضا میں اس طرح لہرایا جیسے انہیں بلا رہی ہو۔ جونہی ہنسوں کی نظر اپنی بہن پر پڑی وہ اڑکر محل کی چھت پر آگئے اور اپنی بہن کے قدموں میں لوٹنے لگے۔ شہزادی نے تینوں بھائیوں کو گلے سے لگایا اور جی بھر کے پیار کیا۔ پھر وہ محل میں نیچے جاکر سچے موتیوں سے بھری ہوئی طشتری

لائی اور وہ موتی اپنے بھائیوں کے آگے رکھ دیئے۔ تینوں ہنسوں کو بھوک تو لگ ہی رہی تھی - انہوں نے جی بھر کے موتی کھائے - تھوڑی دیر اپنی بہن کے پاس بیٹھے اور پھر اڑ گئے -

اب یہ ان کا روز کا معمول بن گیا تھا - وہ روزانہ محل کی چھت پر آتے جہاں ان کی بہن بہت پہلے ہی سے سچے موتیوں سے بھری ہوئی طشتری لئے ہوتی - تینوں موتی کھاتے ، تھوڑی دیر ٹھہرتے اور پھر اڑجاتے -

دن گذرتے گئے - اس دوران بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح شہزادی بولے ، کوئی بات کرے مگر اس نے زبان سے ایک لفظ ادا نہ کیا - وہ سارا دن خاموش اور چپ چاپ پڑی رہتی تھی - بادشاہ بڑا پریشان تھا - کیا کرے؟ اسے کیسے بلوائے ؟ اس کے نہ بولنے کی کیا وجہ ہے ؟ گونگی ہے تو کچھ آواز تو نکال ہی سکتی ہے؟ اس نے شہزادی کو بلوانے کے لئے طرح طرح کے جتن کر دیکھے لیکن سب بیکار- شہزادی کو نہ بولنا تھا اور نہ بولی - بھلا وہ اپنی خوشی کے لئے اپنے بھائیوں کی زندگی کیسے برباد کرسکتی تھی جو محض اسی کی غلطی سے ہنس بن گئے تھے ؟ اور پھر اب تو بارہ سال کے چپ برت کی مدت پوری ہونے میں بھی چند ہی روز باقی رہ گئے تھے -

ایک روز ایک کنیز کو اس بات کی کھوج ہوئی کہ شہزادی روزانہ سچے موتیوں سے بھری ہوئی طشتری محل کی چھت پر لے جاتی ہے ، آخر وہ ان کا کیا کرتی ہے؟ ضرور اس میں کوئی راز ہے - یہی دیکھنے کے لئے وہ دبے پاؤں شہزادی کے پیچھے پیچھے ہولی اور محل کی چھت پر پہنچ کر ایک طرف چھپ گئی - اس نے دیکھا کہ محل کی چھت پر جانے کے بعد شہزادی نے اپنا دوپٹہ فضا میں لہرایا اور اس کے ساتھ ہی سامنے والے درخت پر بیٹھے ہوئے تین ہنس اڑ کر اس کے پاس آگئے - اس نے ہنسوں کو پیار کیا - پھر موتیوں سے بھری ہوئی طشتری ان کے آگے رکھدی - اور ہنس موتی چگنے کے بعد اڑ گئے -

کنیز کے لئے یہ بات انوکھی بھی تھی اور حیرت انگیز بھی۔

وہ اسی وقت بھاگی بھاگی بادشاہ کے پاس گئی اور جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ سب کہہ سنایا ۔ اس کے بعد وہ ھاتھ باندھ کر بولی ۔

” جہاں پناہ ! اگر اس کنیز کی گستاخی معاف کی جائے تو ایک بات عرض کرے ۔ ؟ “

بادشاہ بولا ۔

” ہاں — ضرور کہو وہ بات ! “

اس پر کنیز کہنے لگی ۔

” عالی جاہ ! اس کنیز کا خیال تو یہ ھے کہ شہزادی عورت نہیں کوئی راکھشش ھے جس نے عورت کا روپ بدلا ھوا ھے ۔ اسی لئے اس کے اشارے پر پرندے بھی آجاتے ھیں ۔ “

بادشاہ خود اپنی جگہ بہت متعجب تھا ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرھا تھا کہ یہ بات کیوں کر ممکن ھے ۔ تو کیا پھر کنیز جھوٹ بول رھی ھے ؟ یہ بھی ناممکن تھا ۔ ایک کنیز کی یہ مجال کیسے ھوسکتی ھے کہ وہ بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولے ۔ اس نے کنیز سے کہا ۔

” مابدولت جب تک یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ، یقین نہیں کرسکتے ! “

کنیز نے ھاتھ باندھ کر عرض کیا ۔

” حضور ! کل اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ھیں ۔ “

دوسرے روز کنیز شہزادی کی تاک میں رھی ۔ اور جوں ھی وہ سچے موتیوں سے بھری ھوئی طشتری لے کر محل کی چھت پر جانے لگی اس نے بادشاہ کو خبر کردی ۔ چنانچہ بادشاہ کنیز کے ساتھ دبے پاؤں محل کی چھت پر پہنچ گیا اور وھاں چھپ کر ایک طرف بیٹھ گیا ۔ شہزادی نے معمول کے مطابق اپنا دوپٹہ سر سے اتار کر فضا میں لہرایا ۔ اس کے ساتھ ھی سامنے درخت پر بیٹھے ھوئے تین ھنس اڑ کر اس کے پاس آگئے ۔ اس نے پہلے انہیں گود میں لیکر پیار کیا اور پھر موتیوں سے بھری ھوئی طشتری ان کے آگے رکھ دی ۔ ھنسوں نے موتی کھائے اور اس کے بعد اڑ گئے ۔

بادشاہ یہ سارا ماجرا دیکھ دیکھ کر حیران تھا۔ کنیز نے اسے جو کچھ بتایا تھا وہ لفظ بہ لفظ صحیح تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں اس قدر عجیب و غریب اور حیرتناک واقعہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ۔

" ہو نہ ہو یہ لڑکی ضرور کوئی راکھشش ہے جس نے عورت کا بہروپ بھرا ہوا ہے اسی لئے یہ جنگل میں اکیلی رہتی تھی اور یہ تینوں ہنس بھی یقیناً راکھشش ہیں جو ہنسوں کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔"

اس روز بادشاہ نے شہزادی سے اس بارے میں پوچھنے کی بہت کوشش کی۔ وہ اس راز کو جاننا چاہتا تھا لیکن شہزادی کو تو بولنا ہی نہیں تھا اس لئے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر جب بادشاہ تنگ آگیا تو اس نے کہا۔

" اگر تم نے زبان نہ کھولی تو تمھیں قتل کردیا جائے گا؟"

مگر شہزادی پر اس دھمکی کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور چپ سادھے رہی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کو اور بھی غصہ آیا۔ وہ کچھ گھبرایا ہوا بھی تھا۔ اس نے سوچا۔

" اس لڑکی کو قتل کردینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو یہ میرے لئے یا میری بادشاہی کے لئے کسی مصیبت کا سبب بن جائے۔"

چنانچہ اب وہ اس کے قتل کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے وزیر کو حکم دیا۔

" ایک بھوکا شیر لایا جائے۔ اور کل شہزادی کو کھلے میدان میں اس کے آگے ڈال دیا جائے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے وزیر سے یہ بھی کہا۔

" اس سلسلے میں شہر بھر میں ڈونڈی پٹوادی جائے کہ ہرشخص آکر یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مابدولت خود بھی یہ تماشا دیکھیں گے۔"

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی، اسی وقت شہر میں ڈونڈی پٹوادی گئی۔ اور پھر دوسرے روز مقررہ وقت پر لوگ جوق در جوق

میدان میں جمع ہونے لگے۔ کھلے میدان میں شہزادی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ اس وقت وہاں تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔

دوسری طرف تینوں ہنس روز کی طرح آکر درخت پر بیٹھ گئے اور اپنی بہن کا انتظار کرنے لگے تاکہ وہ چھت پر آئے اور انہیں موتی کھلائے۔ لیکن جب انہیں انتظار کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی اور ان کی بہن چھت پر نہ آئی تو وہ کچھ پریشان ہوکر سوچنے لگے۔

”پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا؟ کہیں ایسا نہ ہو ہماری بہن پر کوئی مصیبت آگئی ہو؟ چلو چل کے دیکھتے ہیں۔“

وہ تینوں درخت سے اڑکر محل کے اوپر چکر لگانے لگے کہ شاید کہیں شہزادی نظر آجائے مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی۔ جب وہ وہاں سے مایوس ہوگئے تو اڑتے اڑتے شہر کا چکر لگانے لگے۔ اچانک انہوں نے دیکھا تو ایک میدان میں بےشمار لوگ جمع تھے۔ ایک طرف بادشاہ اور وزیر بیٹھے تھے اور میدان کے درمیان ان کی بہن تھی جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ اس کے قریب ہی ایک بڑا سا پنجرہ تھا جس میں بند ایک شیر دھاڑ رہا تھا۔ صرف پنجرہ کھلنے کی دیر تھی۔ چھوٹا بھائی بولا۔

”ہماری بہن شیر کے آگے ڈالی جارہی ہے۔ اسے بچانے کی کوئی ترکیب سوچو۔“

”ہمیں جلد کچھ کرنا چاہیے۔“

دوسرے دونوں نے کہا۔ اور وہ اوپر اڑتے ہوئے ترکیبیں سوچنے لگے۔

ادھر جوں ہی اس کنیز کی ہنسوں پر نظر پڑی تو اس نے بادشاہ سے کہا۔

”بادشاہ سلامت! دیکھئے وہی راکھشش اسے بچانے کے لئے آگئے ہیں۔“

اس پر بادشاہ ایک قہقہہ لگاکر بولا۔

" گھبراؤ نہیں - اب اسے کوئی نہیں بچاسکتا - "

اس کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا -

" شیر کا پنجرہ کھول دیا جائے - "

اسی وقت شیر کا پنجرہ کھول دیا گیا - اور پنجرہ کھلتے ہی شیر دھاڑتا ہوا شہزادی کی طرف لپکا - لیکن ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ تینوں ہنس بجلی کی سی تیزی سے شیر پر جھپٹے اور آناً فاناً میں اس کی دونوں آنکھیں نکال کر اسے اندھا کردیا - شیر درد کے مارے دھاڑنے لگا اور کچھ نہ دکھنے کے سبب ادھر ادھر بھاگنے لگا جس سے لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی - بادشاہ نے جب یہ منظر دیکھا تو اسے پکا یقین ہوگیا کہ -

" یقیناً شہزادی اور یہ تینوں ہنس راکھشش ہیں - "

شیر کو دوبارہ پنجرے میں بند کرکے شہزادی کو محل میں پہنچادیا گیا - بادشاہ نے ایک بار پھر کوشش کی کہ کسی طرح شہزادی کوئی بات کرے لیکن اس نے ایک لفظ تک زبان سے نہ نکالا - جب وہ کسی طرح بات کرنے پر آمادہ نہ ہوئی تو بادشاہ غصے میں بولا -

" اچھا — میں کل دیکھوں گا تجھے راکھشش موت سے کیسے بچاتے ہیں ؟ "

دوسرے روز بادشاہ کے حکم سے ایک نہایت زہریلا ناگ منگوایا گیا اور خادموں سے کہا گیا -

" شہزادی کو کھلے میدان میں ستون سے باندھ کر ناگ چھوڑ دیا جائے - "

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے یہ بھی حکم دیا -

" آج بھی شہر میں ڈونڈی پٹوادی جائے کہ ہرشخص یہ منظر دیکھنے کے لئے آئے - "

بادشاہ کے حکم کے مطابق پھر شہر میں ڈونڈی پٹوادی گئی اور لوگ مقررہ وقت پر کھلے میدان میں جمع ہونے لگے - دوسری طرف اس روز بھی تینوں ہنس محل کے سامنے والے درخت

پر آکر بیٹھ گئے - ان کا خیال تھا کہ ان کی بہن کی مصیبت ختم ہوچکی ہے - لیکن جب وہ انتظار کے باوجود چھت پر نہ آئی تو انہیں فکر لاحق ہوئی - انہوں نے دل میں سوچا -

" کہیں ایسا نہ ہو کہ آج بھی ہماری بہن کسی مصیبت میں گرفتار ہو؟ "

یہ سوچ کر وہ تینوں درخت سے اڑ کر شہر کا چکر لگاتے ہوئے اسی میدان کے اوپر پہنچے تو انہوں نے دیکھا - کل کی طرح آج بھی بے شمار لوگ میدان میں اکٹھے تھے - درمیان میں ایک ستون کے ساتھ ان کی بہن بندھی ہوئی تھی اور اس کے پاس ہی ایک ٹوکرا رکھا ہوا تھا - ان کا اندیشہ درست نکلا تھا - ان کی بہن آج پھر مصیبت میں تھی - وہ تینوں وہیں فضا میں چکر کاٹنے لگے -

جب سب لوگ میدان میں جمع ہوگئے تو بادشاہ نے حکم دیا -

" ٹوکرے پر سے ڈھکنا اٹھادیا جائے ! "

جوں ہی ٹوکرے پر سے ڈھکنا اٹھایا گیا ، ایک نہایت زہریلا ناگ پھنکارتا ہوا باہر نکل آیا اور آہستہ آہستہ شہزادی کی طرف بڑھنے لگا - ادھر ہنسوں نے جب اسے آگے بڑھتے دیکھا تو انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اس پر ٹوٹ پڑے - کسی نے اس کی آنکھ پر چونچ ماری ، کسی نے دم کو چھلنی کردیا اور کسی نے سر پر حملہ کردیا - اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ناگ لہو لہان ہوکر تڑپنے لگا - اور پھر تڑپ تڑپ کر وہیں جان دیدی -

بادشاہ ، امیر ، وزیر اور دوسرے تمام لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے - ہر شخص اپنی جگہ حیران تھا کہ یہ قصہ کیا ہے ؟ یہ تین ہنس کون ہیں ؟ اس لڑکی سے ان کا کیا تعلق ہے ؟ یہ عجیب و غریب واقعہ تھا جو کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا - آخر بادشاہ کے حکم سے شہزادی کو پھر محل میں پہنچادیا گیا اور اس کی موت کا نیا سامان تیار کیا جانے لگا - اس رات بادشاہ دیر تک یہ سوچتا رہا کہ اب کس طرح اس لڑکی کو ختم کیا جائے ؟ آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی - اس نے حکم دیا -

''ایک لوہے کا ستون بنا کر اسے آگ میں سرخ کیا جائے اور پھر اس کے ساتھ شہزادی کو باندھ دیا جائے ۔ اس طرح وہ خود بخود ہلاک ہوجائے گی ۔''

اس حکم کے ساتھ ہی اس نے پھر کہا ۔

'' آج پھر شہر بھر میں ڈونڈی پٹوادی جائے کہ ہر شخص میدان میں آکر یہ تماشا دیکھے ۔''

بادشاہ یہ حکم دیکر اپنی جگہ خوش بھی تھا اور مطمئن بھی کہ اس دفعہ اس کی ترکیب ضرور کامیاب ہوگی اور شہزادی موت کے منہ میں پہنچ جائے گی ۔

دوسری طرف اس روز بھی تینوں ہنس معمول کے مطابق محل کے سامنے درخت پر آکر بیٹھ گئے اور اپنی بہن کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگے تاکہ وہ محل کی چھت پر آکر اپنا دوپٹہ لہرائے اور وہ اڑکر اس کے پاس پہنچ جائیں ۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی بہن آج پھر چھت پر نہیں آئی تو وہ سمجھ گئے کہ ۔

'' ابھی ہماری بہن کی مصیبتیں ختم نہیں ہوئیں۔ یقیناً وہ آج کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہے ۔''

وہ تینوں درخت سے اڑے اور شہر کا چکر لگاتے ہوئے اسی میدان کے اوپر پہنچ گئے جہاں آج پھر انگنت لوگ موجود تھے ۔ انہوں نے ذرا نیچی اڑان سے قریب جاکر دیکھا تو وہاں ایک لوہے کا ستون تھا جو اس وقت آگ کی طرح دہک رہا تھا اور اس سے کچھ ہی فاصلے پر چند سپاہی ان کی بہن کو پکڑے کھڑے تھے ۔ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ غم سے نڈھال دکھائی دے رہی تھی ۔ ادھر بہن نے بھی دیکھ لیا تھا ۔ اس کے بھائی آگئے ہیں ۔ اور بادشاہ بھی تینوں ہنسوں کو میدان پر چکر لگاتے ہوئے دیکھ رہا تھا ۔ اس نے قہقہہ لگاکر بڑے غرور سے کہا ۔

'' اب دیکھتا ہوں ۔ یہ اسے کیسے بچاتے ہیں ؟ ''

اس کے بعد اس نے خادموں کو حکم دیا ۔

'' شہزادی کو دہکتے ہوئے ستون کے ساتھ باندھ دیا جائے

تاکہ یہ تڑپ تڑپ کر جان دیدے۔"

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی۔ خادم شہزادی کو لئے ہوئے دھکتے ہوئے ستون کی طرف بڑھنے لگے۔ ہر شخص یہ سمجھ چکا تھا کہ اب شہزادی کا زندہ بچنا ناممکن ہے۔ آج موت ہی اس کا مقدر ہے۔ تمام تماشائی اس کی موت کے منتظر تھے اور اوپر تینوں ہنس بے بسی سے چکر لگارہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے۔

" اب کیا کریں ؟ "

" اپنی بہن کو کیسے بچائیں ؟ "

ان کی بہن موت کے منہ میں جارہی تھی اور وہ کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ انہوں نے جب یہ جان لیا کہ اب بہن کو بچانے کی کوئی سبیل نہیں تو آپس میں کہنے لگے۔

" آج ہماری بہن کی موت یقینی ہے۔ کیوں نہ ایک بار اس کو قریب جاکر دیکھ لیں ! "

یہ ارادہ کر کے انہوں نے اپنی پرواز نیچی سے نیچی کردی پھر اڑتے اڑتے اپنی بہن کے قدموں میں جاگرے اور پیار سے اس کے پاؤں سے لپٹ گئے۔ کرنا خدا کا دیکھئے کہ عین اس وقت شہزادی کو چپ برت رکھے ہوئے بارہ سال پورے ہوچکے تھے۔ اس نے سورج مکھی کے پھول کو چھوکر ہنس بننے اور ہنس سے انسانی روپ میں واپس آنے کی شرط پوری کردی تھی۔ لہذا جوں ہی تینوں ہنس شہزادی کے پاؤں سے لپٹے، وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں نے دیکھا کہ وہاں تین ہنسوں کی جگہ تین حسین و جمیل شہزادے کھڑے مسکرا رہے تھے اور ان کے چاروں طرف سورج مکھی کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔

خادموں نے جب یہ کبھی نہ ہوئے والا منظر دیکھا تو اس قدر گھبرائے کہ شہزادی کو وہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ بھی حیران تھا۔ وزیر امیر اپنی جگہ ہکا بکا دیکھ رہے تھے۔ اور دوسرے لوگ بھی دم بخود تھے۔ شاید ان سب کی حیرانی میں ابھی اور اضافہ ہوتا کہ تینوں

شہزادے اپنی بہن کو ساتھ لیکر آگے بڑھے اور بادشاہ کے سامنے پیش ہوکر اسے جھک کر سلام کیا۔ اس پر بادشاہ نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ عجیب و غریب واقعہ ہم سب کے لئے تعجب کا باعث ہے۔ کیا تم اس کے متعلق کچھ بتا سکتے ہو کہ یہ سب کیا ہے؟ اس میں کیا راز ہے؟"

"جہاں پناہ!"

بڑے شہزادے نے کہنا شروع کیا۔

"ہم تینوں ایک ملک کے شہزادے ہیں۔ اور یہ لڑکی ہماری بہن ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے ابتدا سے لیکر آخر تک اپنی کہانی سنائی کہ کس طرح ان کے باپ نے ملکہ سے بیٹا پیدا ہونے کے لئے کہا اور کس طرح ان کی ماں نے انہیں جنگل میں بھیج کر ان کی جان بچائی۔ پھر کس طرح ان کی بہن انہیں تلاش کرتی ہوئی جنگل میں آئی اور سورج مکھی کے پھول کو چھونے کی وجہ سے وہ تینوں ہنس بن گئے۔ اور کس طرح انہیں انسانی روپ میں واپس لانے کے لئے ان کی بہن نے بارہ برس کا چپ برت رکھا۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد انہوں نے کہا۔

"اور آج ––– اس وقت ہماری بہن کے چپ برت کو بارہ برس پورے ہوگئے تھے اس لئے وہ بول پڑی اور ہم سب ایک بار پھر انسان کے روپ میں آپ کے سامنے کھڑے ہیں!"

ان کی کہانی سن کر ساری بات بادشاہ کی سمجھ میں آگئی۔ اسے اب پتہ چلا کہ شہزادی بات کیوں نہیں کرتی تھی

اور کیوں روزانہ ہنسوں کو موتی کھلاتی تھی۔ وہ بہت خوش ہوا اور تینوں شہزادوں اور شہزادی کو اپنے ساتھ لیکر محل میں آگیا۔ پھر اس نے شہزادی سے شادی کرکے اسے اپنی ملکہ بنالیا اور تینوں شہزادوں کو شاہی اعزاز کے ساتھ دربار میں بٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے اپنے ایلچی

بھیج کر شہزادوں کے ماں باپ کو بھی اطلاع دیدی کہ تینوں شہزادے اور شہزادی زندہ اور صحیح سلامت ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس وقت سے لوگ ہنسوں سے اس لئے پیار کرتے ہیں اور انہیں اس لئے سچے موتی کھلاتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو، یہ بھی کسی ملک کے شہزادے ہوں اور ان کی بہن نے بارہ برس کا چپ برت رکھا ہو۔

حقیقی ماں

پرانے زمانے کی بات ہے کسی جگہ ایک بادشاہ راج کرتا تھا۔ اس بادشاہ کی سات ملکائیں تھیں جن میں سے چھ تو بہت امیر تھیں اور شان دار محلوں میں رہتی تھیں مگر ساتویں ملکہ بہت غریب تھی اور وہ بیچاری گھاس پھونس کی ایک جھونپڑی میں رہتی تھی، جس کی دیواریں مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ بادشاہ اس غریب ملکہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دیتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ دوسری ملکائیں اس سے بہت جلتی تھیں۔

یوں تو بادشاہ کی سات بیویاں تھیں لیکن وہ ابھی تک اولاد سے محروم تھا۔ ساتوں بیویوں کی گود خالی تھی اور بادشاہ اسی غم میں ہر وقت اداس رہتا تھا۔ وہ دن رات خدا سے دعائیں مانگتا۔

"اے خدا! مجھے بھی ایک بیٹا عطا کر۔"

"اے خدا! تیرے گھر میں کس چیز کی کمی ہے۔"

اس کی بیویاں بھی اپنی قسمت پر کڑھتی تھیں لیکن قدرت کے آگے وہ سب بے بس اور مجبور تھیں۔ صرف آنسو بہا کر رہ جاتیں اور دل ہی دل میں اپنی گود ہری ہونے کی دعائیں مانگتیں۔ اسی طرح دن گذر رہے تھے۔

ایک روز بادشاہ شکار کھیلنے کے لئے شہر سے باہر گیا اور شکار کھیلتے کھیلتے جنگل میں اپنے خادموں سے دور نکل گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں جنگل میں ایک بوڑھا فقیر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ بادشاہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ وہ فقیر بارہ سال تک سوتا تھا اور پھر بارہ برس تک ہی جاگتا تھا۔ جب بادشاہ اس کے پاس پہنچا اس وقت اس کو سوئے ہوئے بارہ سال کا عرصہ پورا ہوچکا تھا۔ وہ فقیر کو دیکھ کر گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور اس نے دل میں سوچا۔

" شاید اس فقیر کی دعا ہی سے میرے دل کی مراد پوری ہوجائے ۔ "

یہ سوچ کر وہ فقیر کے پاس بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ اس کے پاؤں دبانے لگا ۔ فقیر کو سوئے ہوئے چونکہ بارہ سال پورے ہوچکے تھے اس لئے جوں ہی بادشاہ نے اس کے پاؤں دبانے شروع کئے وہ نیند سے بیدار ہوگیا ۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک بادشاہ بیٹھا اس کے پاؤں داب رہا تھا ۔ فقیر سوچنے لگا ۔

" نہ جانے یہ بیچارہ کب سے اس طرح بیٹھا میرے پاؤں داب رہا ہے اور میری خدمت کررہا ہے ۔ "

وہ اس کی خدمت سے بہت خوش ہوا اور اس سے پوچھا ۔

" اے بیٹے ! تمہاری کیا تمنا ہے ؟ "

جواب میں بادشاہ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا ۔

" باباجی ! میرے گھر میں کوئی اولاد نہیں — میرے لئے دعا کیجئے ۔ "

بوڑھے فقیر نے غور سے اسے دیکھا اور اس کے زرق برق لباس اور شان و شوکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔

" اللہ نے تجھے راج پاٹ دیا ہے ۔ دولت دی ہے ۔ اب تمہیں کس چیز کی تمنا ہے ؟ "

یہ سن کر بادشاہ نے فقیر کے پاؤں پکڑ لئے اور روتے ہوئے بولا ۔

" مجھے نہ یہ دولت چاہئے نہ عزت اور نہ یہ راج پاٹ ۔ مجھے صرف ایک بیٹا چاہیے ۔ بس یہی میری تمنا ہے ۔ "

بوڑھے فقیر کا دل پسیج گیا ۔ اس نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔

" اس طرف کو جاؤ ۔ وہاں دور تمہیں ایک آم کا پیڑ ملے گا ۔ اس کو دو بار ہلانا اور اس پر سے جتنے آم گریں وہ لے آؤ ۔ "

بادشاہ اسی وقت اٹھا اور فقیر کے کہنے کے مطابق اس سمت کو چل دیا جدھر اس نے اشارہ کیا تھا ۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اس نے دیکھا وہاں ایک آم کا پیڑ تھا جس پر بہت سے آم لگے ہوئے تھے ۔ اس نے آم کی ایک شاخ پکڑ کر اسے زور سے ہلایا تو درخت سے چھ آم نیچے گر پڑے ۔ اسے یاد آیا کہ فقیر نے دوبار پیڑ ہلانے کے لئے کہا تھا ۔

چنانچہ اس نے دوبارہ ایک شاخ کو پکڑ کر اسے زور زور سے ہلایا لیکن اس بار صرف ایک ہی آم زمین پر گرا۔ اس نے وہ ساتوں آم بڑی احتیاط سے ایک کپڑے میں باندھ لئے اور انہیں لیکر فقیر کے پاس آگیا۔ پھر ساتوں آم فقیر کے آگے رکھتے ہوئے بولا۔

"پہلی بار ہلانے سے چھ آم گرے تھے اور دوسری بار صرف ایک گرا۔ یہ ساتوں آم حاضر ہیں۔"

فقیر نے وہ ساتوں آم دوبارہ بادشاہ کو دیتے ہوئے کہا۔

"جاؤ یہ سب آم اپنے گھر لے جاؤ۔"

جب بادشاہ چلنے لگا تو فقیر نے اس سے کہا۔

"ہر بیوی کو ایک ایک آم کھلا دینا۔ اللہ نے چاہا تو ان سب کے ہاں ایک ایک بچہ پیدا ہوگا۔"

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور فقیر سے رخصت ہو کر جلدی جلدی واپس اپنے محل میں آگیا۔

بادشاہ جب اپنی بیویوں کے پاس پہنچا تو اس وقت وہ خوشی میں پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس نے اپنی چھ امیر ملکاؤں کو اکٹھا کر کے کہا۔

"خدا نے ہماری سن لی ہے۔ اب ہم اولاد سے محروم نہیں رہیں گے۔"

اس کے بعد اس نے ہر ملکہ کو ایک ایک آم دیکر کہا۔

"تم سب یہ کھالو۔ مجھے ایک فقیر نے بتایا ہے کہ اس سے تم سب کی گود ہری ہوجائے گی۔"

اپنی اس بے پناہ خوشی میں بادشاہ یہ تک بھول گیا کہ فقیر نے اسے سات آم دیئے تھے اور یہ کہا تھا کہ۔

"ساتوں بیویوں کو ایک ایک آم کھلادینا۔"

اس نے چھ بیویوں کو آم دے دیئے اور ایک وہیں رکھ دیا۔ غریب ملکہ کا اسے خیال تک نہ آیا کہ آم اسے بھی دینا ہے جو بیچاری جھونپڑی میں رہتی ہے۔

بادشاہ تو آم دیکر واپس دربار چلا گیا اور پیچھے ملکاؤں نے سوچا۔

" بھلا آم کھانے سے بھی کہیں بچہ پیدا ہوا ہے ؟ یقیناً فقیر نے بادشاہ کو بیوقوف بنایا ہے۔"

انہیں اس کی بات کا قطعاً یقین نہیں آیا تھا، لہذا انہوں نے آم کھائے نہیں بلکہ یوں ہی جھٹلا کر ساتوں کے ساتوں محلوں کے پچھواڑے پھینک دیئے۔ کسی طرح اڑتے اڑتے یہ خبر غریب ملکہ تک بھی پہنچ گئی کہ اس طرح بادشاہ کسی فقیر سے سات آم لایا ہے جو دوسری ملکاؤں نے کھائے بغیر محلوں کے پیچھے پھینک دیئے ہیں۔ جوں ہی اس نے یہ سنا اپنے نوکر کو بلا کر کہا۔

" جاؤ اور محل کے پچھواڑے جا کر دیکھو۔ وہاں جس قدر آم پڑے ہوں وہ سب اٹھا لاؤ۔"

نوکر اسی وقت گیا اور اس نے دیکھا، محل کی پچھلی طرف ادھر ادھر زمین پر سات آم پڑے ہوئے تھے۔ وہ سب آم اٹھا کر غریب ملکہ کے پاس لے آیا اور کہا۔

" ملکہ عالیہ! وہاں یہ سات ہی آم پڑے تھے۔ وہی میں لے آیا ہوں۔"

ملکہ نے نوکر سے آم لے کر رکھ لئے اور جب وہ چلا گیا تو اس نے ایک ایک کر کے سارے آم کھا لئے۔ اور اس کے بعد وہ معمول کے مطابق اپنی جھونپڑی میں رہنے لگی۔

اس واقعہ کو تین ماہ گذر چکے تھے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک روز ملکہ کو اچانک اپنے جسم میں کسی تبدیلی کا احساس ہوا۔ اس نے اسی وقت نوکر بھیج کر ایک دائی کو بلوایا۔ دائی آئی اور اس نے ملکہ کا اچھی طرح معائنہ کر کے بتایا کہ —

" آپ ماں بننے والی ہیں۔"

ملکہ کے لئے یہ بہت بڑی خوشی خبری تھی۔ اس نے دھرا کر دائی سے پوچھا۔

" کیا تم سچ کہہ رہی ہو ؟"

" ہاں ملکہ عالیہ! میرا تجربہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا۔"

دائی کا یہ جواب سن کر غریب ملکہ کا سر خدا کے حضور میں جھک گیا۔

اتفاق کی بات یہ کہ جب دائی غریب ملکہ کا معائنہ کرکے اس کی جھونپڑی میں سے باہر آرہی تھی عین اس وقت بادشاہ کا بھی ادھر سے گذر ہوا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ ملکہ کی جھونپڑی سے ایک دائی باہر آئی ہے تو وہ بھی رک گیا اور ملازموں کو حکم دیا۔

"وہ جاکر معلوم کریں کہ کیا بات ہے؟"

اور جب خادموں نے واپس آکر یہ بتایا کہ۔

"حضور! ملکہ امید سے ہے۔"

تو بادشاہ کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ اس نے اسی وقت حکم دیا کہ دائی کو مستقل ملکہ کی دیکھ بھال پر مقرر کردیا جائے۔ پھر وہ خوشی خوشی واپس محل میں آیا اور اس نے سب کو یہ خوش خبری سنائی۔ اس طرح اب وہ روزانہ غریب ملکہ کے پاس جاتا تھا۔ اس نے اس کے لئے اور نوکر بھی مقرر کردیئے تھے تاکہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔

دوسری طرف بادشاہ کی امیر ملکاؤں نے جب یہ سنا کہ غریب ملکہ امید سے ہے تو وہ چھ کی چھ حسد میں جل بھن گئیں۔

انہوں نے ایک دوسری سے کہا۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔"

ایک بولی۔

"اگر اس کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا تو ہماری عزت خاک میں مل جائے گی۔"

دوسری نے کہا۔

"بادشاہ ہم سب کو بھول کر اسی کا ہورہے گا۔"

تیسری کہنے لگی۔

"اور پھر راج پاٹ کا مالک بھی اسی کا بیٹا بن جائے گا۔"

چوتھی بولی۔

"سارے محلوں میں اسی کا حکم چلنے لگے گا۔"

پانچویں نے کہا ۔

" ہم سے ساری دولت چھن جائے گی ۔ "

چھٹی کہنے لگی ۔

" ہم بادشاہ کی نظروں میں ایک کوڑی کی بھی نہ رہیں گی ۔ "

وہ سب مل کر سوچنے لگیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ کون سی ایسی ترکیب ہو جس سے غریب ملکہ کے ہاں بچہ پیدا نہ ہو؟ انہوں نے آپس میں طے کیا ۔

" کچھ بھی ہوجائے ۔ اس کے ہاں بچہ پیدا نہیں ہونا چاہیے ! "

ایک دوسری سے مشورہ کرنے کے بعد آخر میں ان کی سمجھ میں ایک ترکیب آگئی ۔ انہوں نے ملازم بھیج کر دائی کو اپنے پاس بلایا اور کہا ۔

" تم ھمارا ایک کام کردو ۔ اس کے بدلے جو مانگو گی ہم دیں گی ۔ "

دائی نے عرض کیا ۔

" حضور کام بتائیں ۔ میں ضرور کروں گی ۔ "

اس پر سب کی سب کہنے لگیں ۔

" ہم یہ چاھتی ھیں کہ جوں ھی غریب ملکہ کے ھاں بچہ پیدا ھو تم اسے فوراً قتل کردو مگر اس طرح کے کسی کو کانوں کان خبر نہ ھو ۔ اگر تم نے یہ سب کچھ کردیا تو ہم تمہیں مالا مال کردیں گی ۔ "

دائی ایک لمحہ کے لئے تو جھجھکی مگر لالچ نے اسے بھی ظلم پر آمادہ کردیا ۔ وہ بولی ۔

" جیسا آپ کا حکم ! میں ایسے ھی کروں گی ۔ "

سب نے دائی کو بہت سا انعام دیا اور ساتھ یہ بھی کہا ۔

" ہم تمھیں اور انعام دیں گی ۔ "

ادھر غریب ملکہ دوسری ملکاؤں اور دائی کی سازش سے بے خبر اپنی مسرتوں کے دن گن رھی تھی ۔ بادشاہ بھی اس لمحے کا منتظر تھا جب وہ باپ کہلائے اور اس کی برسوں کی تمنا پوری ھو ۔ اور پھر آخر وہ دن بھی آھی گیا جس کا سب کو انتظار تھا ۔

جب چالاک دائی زچگی کے لئے غریب ملکہ کے پاس گئی تو اس نے کہا۔

" اے ملکہ! آپ کے ہاں چوں کہ پہلی بار بچہ پیدا ہو رہا ہے اس لئے نیک شگون کے لئے میں آپکی آنکھوں پر پٹی باندھ دوں گی۔ یہ بچے کے حق میں اچھا ہوگا۔"

ملکہ بیچاری کو اس کی چال کا کچھ علم نہ تھا اس لئے اس نے کوئی عذر نہ کیا اور کہا۔

" تم مجھ سے بہتر سمجھتی ہو۔ جیسا چاہو کرو۔"

دائی نے بڑی چالاکی سے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور بچے کی پیدائش کے ضروری انتظامات میں لگ گئی۔ ملکہ کے ہاں چھ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ چالاک دائی نے بڑی ہوشیاری اور پھرتی سے ساتوں بچوں کو ایک بڑے سے کپڑے میں باندھا اور پھر آن کی آن میں انہیں قریب کے ایک کھیت میں پھینک آئی تاکہ وہ زندہ نہ بچ سکیں۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد دائی جلدی جلدی ملکہ کے پاس آکر بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر بعد اس نے اس کی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی۔ پٹی کھلتے ہی ملکہ نے خوش ہوکر اپنے پاس ادھر ادھر دیکھا مگر اسے وہاں کوئی بچہ نظر نہ آیا۔ اس نے دائی سے دریافت کیا۔

" میرا بچہ کہاں ہے؟"

جواب میں دائی نے اسے لوہے کا ایک ٹکڑا دکھاتے ہوئے کہا۔

" ملکہ آپ بہت بد قسمت ہیں۔ آپکے ہاں بچے کی بجائے یہ لوہے کا ٹکڑا پیدا ہوا ہے۔"

غریب ملکہ نے یہ بات سنی تو دھک سے رہ گئی۔ کہاں وہ بیٹے کے خواب دیکھ رہی تھی اور کہاں اب اس کے سامنے لوہے کا ایک ٹکڑا پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اسے سخت مایوسی ہوئی مگر کیا کرسکتی تھی؟ ناچار آنسو بہاکر خاموش ہو رہی۔

دوسری طرف جب بادشاہ کو یہ خبر دی گئی کہ ملکہ کے ہاں بچے کی جگہ لوہے کا ٹکڑا پیدا ہوا ہے تو وہ مایوسی اور تعجب کے

ساتھ ساتھ غصے میں جھلا گیا - اس نے کہا -

" میں نے آج تک یہ عجیب و غریب بات نہیں سنی کہ کسی عورت نے لوہے کے ٹکڑے کو جنم دیا ہو؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے ؟"

لیکن دائی نے ہاتھ جوڑ کر کہا -

" حضور ! یہ کنیز صحیح کہہ رہی ہے -"

اور اس کے ساتھ ہی اس نے وہ لوہے کا ٹکڑا بادشاہ کے سامنے رکھ کر عرض کیا -

" حضور ! اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں -"

بادشاہ سخت مایوس ہوا - اس نے دل میں خیال کیا -

" یہ ملکہ یقیناً میرے لئے منحوس ہے - آج سے میں اس سے نہیں ملوں گا -"

دائی یہاں سے رخصت ہوکر محلوں میں گئی اور امیر ملکاؤں کو ساری بات بتائی - وہ سب یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے دائی کو بہت سا انعام دیکر بھیج دیا - اب وہ سب اپنی جگہ مطمئن بھی تھیں اور خوش بھی - لیکن شاید انہیں معلوم نہ تھا کہ خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا -

جس کھیت میں دائی ساتوں بچے پھینک آئی تھی ، وہ کھیت ایک غریب کسان کی ملکیت تھا - اس کسان کی بیوی جب کھیت میں آئی تو اس نے دیکھا ، وہاں سات نوزائدہ بچے پڑے ہوئے تھے جو ابھی تک سب کے سب زندہ تھے - اتفاق کی بات کہ اس کسان کا اپنا کوئی بچہ نہ تھا اور ان کی بڑی تمنا تھی کہ ان کا بھی کوئی بچہ ہو - چنانچہ جب کسان کی بیوی نے چھ لڑکے اور لڑکی کو اس طرح پڑے دیکھا تو اس نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا -

" خدا نے ہمیں بھی بچے دیدیئے - اس نے ہماری بھی سن لی -"

وہ سب بچے اٹھا کر اپنے گھر لے آئی اور جب کسان اپنے کام کاج سے فارغ ہوکر گھر آیا تو بیوی نے اسے ساری بات بتائی - وہ بیچارہ بھی برسوں سے اولاد کو ترس رہا تھا ، اب جو اس نے

ایک ساتھ سات بچے دیکھے تو خوشی سے دیوانہ ہونے لگا۔ وہ دونوں ان کی دیکھ بھال میں لگ گئے ۔ اس طرح غریب ملکہ کے چھ لڑکے اور ایک لڑکی غریب کسان کے گھر میں پلنے لگے۔

وقت گذرتا گیا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ چھ شہزادے اور ایک شہزادی بھی بڑے ہوتے گئے۔ وہ سب اب کھیلنے کودنے کے قابل ہوگئے تھے اور کسان اور اس کی بیوی کو ہی ماں باپ سمجھتے تھے۔ سب کے سب بہت حسین تھے اور انہیں پہلی نظر دیکھنے ہی سے اندازہ ہوجاتا تھا کہ وہ کسی بادشاہ کے بیٹے اور بیٹی ہیں۔ ہوتے ہوتے یہ بات کسی طرح بادشاہ کی دوسری چھ بیویوں کے کان میں پڑگئی کہ غریب ملکہ کے ہاں جو بچے پیدا ہوئے تھے اور جنھیں دائی کھیت میں پھینک آئی تھی، وہ ابھی تک زندہ ہیں ۔ انہوں نے دائی کو بلوا کر پوچھا۔

"کیا تم نے بچوں کو قتل نہیں کیا تھا؟"

پہلے تو دائی نے یہی کہا کہ۔

"میں نے انہیں قتل کردیا تھا۔"

لیکن جب انہوں نے اسے یہ بتایا ۔

"وہ بچے فلاں کسان کے گھر میں ہیں اور اب بڑے بھی ہوگئے ہیں۔"

تو اس پر دائی نے سب کچھ بتا دیا کہ اس طرح میں نے بچوں کو قتل کرنے کی بجائے ایک کھیت میں پھینک دیا تھا ۔ یہ سن کر سب نے اس سے کہا ۔

"اچھا جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے ان ساتوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرادو۔"

پھر انہوں نے دائی کو مزید لالچ دیتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے ان سب کو قتل کرا دیا تو ہم تمہیں وہ تمام ہیرے جواہرات دیدیں گی جو ہم چھ کے پاس ہیں۔"

دائی نے ہیرے جواہرات کی بات سنی تو جھٹ سے بولی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میں انہیں ضرور قتل کرادوں گی۔"

اس کے بعد دائی اپنے گھر چلی گئی گھر پہنچ کر اس نے چند میٹھی روٹیاں پکائیں اور ان میں زہر ملادیا - پھر وہ روٹیاں لے کر کھیت کے پاس اس جگہ گئی جہاں ساتوں بچے روزانہ کھیلا کرتے تھے - جب وہ وہاں پہنچی تو اس نے دیکھا ساتوں بچے کنویں کے پاس کھیلنے میں مصروف تھے - اس وقت وہ مٹی کے ان کھلونوں سے کھیل رہے تھے جو غریب کسان نے انہیں بناکر دیئے تھے - دائی بھی ان کے پاس پہنچ گئی اور بڑے پیار سے انہیں اپنے پاس بلاکر کہا -

" دیکھو بچو ! میں تمہارے لئے مٹھائی لائی ہوں - "

معصوم بچوں نے جب سنا تو سب کے سب دائی کے پاس آگئے - دائی انہیں میٹھی روٹیاں دیکر کہنے لگی -

" لو ! یہ میں تمہارے ہی لئے لائی ہوں — انہیں کھالو - "

میٹھی روٹیاں دیکھ کر بچوں کا جی للچا گیا اور وہ سب کھانے لگے - لیکن جوں ہی انہوں نے روٹیاں کھائیں دیکھتے ہی دیکھتے سب کے سب وہیں گرکر مر گئے - دائی نے جب دیکھا کہ سب ختم ہوچکے ہیں تو وہ الٹے پاؤں وہاں سے بھاگ آئی اور واپس آکر ملکاؤں کو خبر دی -

" میں نے اس طرح سب کو ختم کردیا ہے - "

جواب میں سب نے انعام کے طور پر اُسے بہت سے ہیرے جواہرات دیئے اور اپنے دل میں مطمئن ہوگئیں کہ اب ان کے لئے کوئی خطرہ نہیں رہا -

ادھر تو یہ ہوا اور دوسری طرف جب کسان اور اس کی بیوی نے دیکھا کہ بچے ابھی تک کھیل کر گھر واپس نہیں آئے تو وہ انہیں تلاش کرنے کے لئے کنویں پر گئے - مگر یہ دیکھ کران کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ وہ ساتوں کے ساتوں وہاں مردہ پڑے تھے - لاشوں کے قریب دو تین میٹھی روٹیاں بھی پڑی تھیں جن سے وہ سمجھ گئے کہ انہیں کسی نے زہر دیکر ہلاک کیا ہے - کسان کی بیوی تو وہاں بیٹھ کر رونے پیٹنے لگی لیکن کسان جنگل میں اس بوڑھے فقیر کی تلاش میں چلاگیا جس کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ وہ

بہت پہنچا ہوا ہے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ جلد ہی اسے وہ بوڑھا فقیر مل گیا۔ کسان نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس سے عرض کیا۔

" باباجی! اس اس طرح میرے ساتوں بچوں کو کسی نے زہر دیدیا ہے۔ خدا کے لئے میری مدد کیجئے۔"

فقیر نے اس کی بات سنتے ہی جلدی سے اپنے ہاتھ کی ایک انگلی کو کاٹا اور اس میں سے نکلنے والے خون کے چند قطرے ایک شیشی میں ڈال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

" جلدی جاؤ۔ اور یہ خون کے قطرے ان پر چھڑک دو۔"
فقیر نے پھر کہا۔

" جس قدر جلدی ہو واپس پہنچ جاؤ — اس میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

کسان اسی وقت بھاگا بھاگا واپس کنویں کے پاس آیا اور اس نے فقیر کے کہنے کے مطابق ساتوں بچوں پر خون کا ایک ایک قطرہ چھڑک دیا۔ خون کا چھڑکنا تھا کہ ساتوں بچے پھر سے زندہ ہوگئے۔ کسان اور اس کی بیوی نے خوشی میں سب کو گلے لگا لیا اور پھر انہیں ساتھ لیکر اپنے گھر آگئے جہاں ایک بار پھر سے وہ سب ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

اس واقعہ کے چند روز بعد یہ بات پھر کسی نہ کسی ذریعے سے ملکاؤں تک پہنچ گئی کہ ساتوں بچے ابھی تک زندہ ہیں اور اسی کسان کے گھر میں رہ رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ بہت پریشان ہوئیں۔ وہ تو دل میں سوچے بیٹھی تھیں کہ سب مرچکے ہیں۔ انہوں نے پھر دائی کو بلا کر کہا۔

" کیا تم نے ابھی تک بچوں کو قتل نہیں کیا؟"

دائی نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔

" حضور! میں نے تو سب کو زہر دیکر ختم کردیا تھا۔"

اس پر ملکائیں ناراض ہوتے ہوئے بولیں۔

" وہ تو سب کے سب زندہ ہیں اور اسی کسان کے گھر میں رہ رہے ہیں۔"

دائی یہ سن کر بڑی حیران ہوئی - اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے ؟ اس نے تو سب کو زہر دیکر ہلاک کردیا تھا ، پھر وہ زندہ کیسے ہوگئے ؟ ساتوں ملکاؤں نے اسے پھر لالچ دیا اور کہا -

''جس طرح بھی ہو سکے انہیں ایک بار پھر قتل کردو - ہم تمھیں منہ مانگا انعام دیں گی - ''

دائی بولی -

'' اچھا میں پھر کوشش کرتی ہوں - ''

لیکن دائی کے لئے مصیبت یہ آپڑی کہ اب وہ بچوں کو میٹھی روٹیاں نہیں کھلا سکتی تھی کیوں کہ بچے ایک بار دھوکہ کھا چکے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ وہ میٹھی روٹیاں کھاکر مر گئے تھے - اس لئے دوبارہ انہیں دھوکہ دینا مشکل تھا - دائی بڑی مشکل میں پڑگئی - لیکن آخر کار ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آہی گئی - اس نے اس بار لڈو بنائے اور ان میں زہر ملا دیا - پھر وہ لڈو لیکر اسی کنویں پر گئی جہاں بچے کھیلا کرتے تھے اور آج بھی کھیل رہے تھے - اس نے بچوں کو اپنی باتوں میں بہلا پھسلا کر کہا -

'' بیٹا دیکھو! میں تم لوگوں کے لئے کیا لائی ہوں ؟ ''

اور یہ کہہ کر اس نے لڈو ان کے آگے رکھ دیئے - بچے پہلے تو کچھ جھجھکے کیوں کہ انہیں معلوم تھا اسی بڑھیا نے انہیں میٹھی روٹیاں کھلائی تھیں - لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ تو لڈو ہیں روٹیاں نہیں ، تو وہ معصوم پھر اس کے جھانسے میں آگئے - انہوں نے وہ لڈو کھا لئے - جوں ہی انہوں نے لڈو کھائے اس کے ساتھ ہی ساتوں کے ساتوں نے پھر دم توڑ دیا - دائی نے انہیں مردہ دیکھا تو چپکے سے چلی آئی اور واپس آکر ملکاؤں سے کہا -

''میں اس دفعہ انہیں بالکل ختم کر آئی ہوں - اب وہ کبھی زندہ نہیں ہو سکتے - ''

ملکائیں اس سے بہت خوش ہوئیں - انہوں نے دائی کو بہت سا انعام دیکر رخصت کردیا - اب ایک بار پھر سے وہ مطمئن تھیں کہ ان کے راستے کا کانٹا ہمیشہ کے لئے نکل گیا ہے -

ادھر آج بھی جب غریب کسان اور اس کی بیوی نے دیکھا کہ بچے ابھی تک گھر واپس نہیں آئے تو وہ دونوں دھڑکتے دل کے ساتھ انہیں تلاش کرنے کنویں پر گئے - دیکھا تو آج پھر وہاں ساتوں بچوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں - کسان کی بیوی تو انہیں دیکھتے ہی غش کھا کر گر پڑی لیکن کسان کو پھر اس بوڑھے فقیر کا خیال آگیا - اس نے سوچا -

" ہوسکتا ہے اس بار پھر وہ ہماری مدد کرے - "

چنانچہ وہ پھر بھاگا بھاگا جنگل میں بوڑھے فقیر کے پاس گیا اور سارا قصہ سنا کر عرض کیا -

" آپ ہی مجھ غریب کی مدد کرسکتے ہیں - خدا کے لئے کچھ کیجئے - "

بوڑھے فقیر نے اس کی تمام بات سن کر جواب دیا -

" بیٹے ! مجھے تم سے ہمدردی ہے مگر اب میں کچھ نہیں کرسکتا - "

کسان نے گڑگڑاتے ہوئے بوڑھے فقیر کے پاؤں پکڑ لئے اور روتے ہوئے کہا -

" باباجی ! خدا کے لئے کچھ کیجئے - مجھ غریب کی تو وہی زندگی ہیں - "

بوڑھے فقیر کو اس پر رحم آگیا لیکن اس نے کہا -

" میں دوبارہ بچوں کو زندہ نہیں کر سکتا - اب تم اس طرح کرو کہ ساتوں کی لاشیں میرے پاس لے آؤ - "

کسان بیچارہ کیا کر سکتا تھا؟ وہ بھاگا بھاگا واپس گیا اور جوں توں کر کے ساتوں لاشیں اٹھا کر فقیر کے پاس لے آیا اور کہا -

" میں ساتوں لاشیں لے آیا ہوں - "

فقیر نے اسے اپنے قریب بلایا اور زمین کی طرف اشارہ کرکے کہا -

" اب یہاں سات قبریں کھود دو - اور ان ساتوں قبروں کے درمیان ایک آٹھویں قبر بھی کھود دو - "

کسان نے اسی وقت قبریں کھودنا شروع کردیں - اور جب وہ آٹھوں قبریں کھود چکا تو اس نے بوڑھے فقیر سے عرض کیا -

بابا جی! میں نے آٹھوں قبریں تیار کردی ہیں۔''
اس پر فقیر نے کہا۔

''اب سات قبروں میں ساتوں بچوں کی لاشیں دفن کردو۔ درمیان والی قبر میں مجھے دبا دو۔ اور اس کے بعد تم واپس اپنے گھر چلے جاؤ۔''

کسان نے ایسے ہی کیا۔ درمیان والی قبر میں فقیر کو اور باقی سات قبروں میں بچوں کی لاشیں دفن کردیں اور خود واپس اپنے گھر چلا گیا۔

وقت گزرتا گیا۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ کچھ عرصہ بعد لڑکوں کی چھ قبروں پر ایک ایک آم کا درخت اگ آیا اور لڑکی کی قبر پر ایک گلاب کا پودا اگا جس میں نہایت حسین پھول کھلے ہوئے تھے۔ اور جس قبر میں بوڑھا فقیر دفن تھا اس پر چنبیلی کا پودا لہلہانے لگا۔ یہ سب پودے اپنی اپنی جگہ بہت خوبصورت تھے لیکن گلاب کے پھول خاص طور پر اتنے حسین تھے کہ کسی نے آج تک ایسے پھول نہیں دیکھے تھے۔ وہ انتہائی دل کش اور بڑے بڑے تھے۔

ایک روز بادشاہ کے چند ملازموں کا ادھر سے گذر ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ چھ قبروں پر آم کے درخت اگے ہوئے تھے، ایک پر چنبیلی کا پودا نظر آرہا تھا اور ایک پر گلاب کا پودا تھا جس میں بہت سے گلاب کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ ملازموں نے آج تک اس قدر خوبصورت اور اتنے بڑے بڑے گلاب کے پھول نہ دیکھے تھے۔ وہ سب ان کے پاس گئے اور ان میں سے دو ایک نے ہاتھ بڑھا کر پھول توڑنے کی کوشش کی مگر گلاب کے پھول اتنے بلند ہوگئے کہ وہاں تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس قبر میں سے آواز آئی۔

''اے میرے پیارے بھائی! کیا میں انہیں پھول توڑنے دوں؟''

اس کے جواب میں ان چھ قبروں میں سے جن پر آم کے درخت اگے ہوئے تھے، ایک ساتھ آواز آئی۔

''پیاری بہن! بوڑھے فقیر سے پوچھو''۔

گلاب والی قبر میں سے پھر ایک آواز آئی ۔

" بابا ! کیا میں انہیں پھول توڑنے دوں ؟ "

جواب میں فقیر کی قبر میں سے آواز آئی ۔

" نہیں! صرف حقیقی ماں ھی ان پھولوں کو توڑ سکتی ھے ۔ "

بادشاہ کے ملازموں نے جب قبروں میں سے آنے والی یہ آوازیں سنیں اور پھولوں کو اس طرح بلند ہوتے ہوئے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے ۔ اس قسم کا عجیب و غریب واقعہ انہوں نے آج تک نہ دیکھا تھا ، نہ سنا تھا ۔ وہ سب بھاگے بھاگے بادشاہ کے پاس گئے اور کہا ۔

" حضور! ہم نے آج ایک عجیب بات دیکھی ھے ۔ "

" وہ کیا ؟ ہمیں بھی بتائی جائے ؟ "

بادشاہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا ۔ جواب میں ملازموں نے شروع سے آخر تک ساری بات بتائی ۔ بادشاہ بھی ان کی باتیں سن کر حیران تھا ۔ اس نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔

" مگر یہ کیسے ہو سکتا ھے ؟ "

" حضور! خود تشریف لے جا کر دیکھ سکتے ھیں — یہ خادم سچ عرض کر رہے ھیں ۔ "

ملازموں کے اس جواب پر بادشاہ بولا ۔

" ھاں ، چلو ۔ ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے ۔ "

چنانچہ بادشاہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ اس جگہ پہنچ گیا جہاں کے بارے میں ملازموں نے اسے بتایا تھا ۔ وھاں پہنچ کر اس نے دیکھا واقعی چھ قبروں پر آم کے درخت اگے ہوئے تھے ، ایک قبر پر چنبیلی کا پودا تھا اور ایک پر گلاب کے پودے میں بہت سے نہایت حسین پھول کھلے ہوئے تھے ۔ اس نے بھی آج تک گلاب کے اس قدر خوبصورت اور بڑے بڑے پھول نہ دیکھے تھے ۔ یہ دیکھ کر بادشاہ آگے بڑھا اور اس نے پھول توڑنے کے لئے اپنا ھاتھ بڑھایا لیکن تمام پھول اس قدر اونچے ھو گئے کہ وھاں تک اس کا ھاتھ نہ پہنچ سکتا تھا ۔ اس کے ساتھ ھی پھولوں والی قبر میں سے آواز آئی ۔

" اے میرے بھائیو! کیا میں بادشاہ کو پھول توڑنے دوں ؟ "

جواب میں ان چھ قبروں میں سے جن پر آم کے پیڑ تھے، بیک وقت آواز بلند ہوئی ۔

" پیاری بہن! بوڑھے فقیر سے پوچھو ۔"

پھر پہلے والی آواز آئی ۔

" بابا! کیا میں بادشاہ کو پھول توڑنے دوں ؟"

جواب میں فقیر کی قبر میں سے آواز آئی ۔

" نہیں! صرف حقیقی ماں ہی ان پھولوں کو توڑ سکتی ہے ۔"

اس موقع پر اچانک بادشاہ کو اس بوڑھے فقیر کی یاد آگئی جس نے اسے بیویوں کو کھلانے کے لئے سات آم دیئے تھے۔

اس خیال کے آتے ہی اس نے فوراً ملازموں کو حکم دیا۔

" ابھی جاکر ہماری چھ کی چھ ملکاؤں کو یہاں لایا جائے۔"

حکم کی دیر تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ امیر ملکائیں وہاں پہنچ گئیں جنہوں نے دائی سے بچوں کو ہلاک کرایا تھا۔ بادشاہ نے ان میں سے ایک ملکہ سے کہا ۔

" تم آگے بڑھ کر ایک پھول توڑو۔"

لیکن جوں ہی وہ ملکہ گلاب کا پھول توڑنے کے لئے آگے بڑھی سارے پھول اتنے اونچے ہوگئے کہ وہاں تک اس کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس قبر میں سے آواز آئی ۔

" اے میرے پیارے بھائی! کیا میں اپنی ماں کو پھول توڑنے دوں؟"

جواب میں پہلے کی طرح چھ قبروں میں سے ایک ساتھ آواز آئی ۔

" پیاری بہن! بوڑھے فقیر سے پوچھو ۔"

پھر پہلے والی آواز نے کہا۔

" بابا! کیا میں اپنی ماں کو پھول توڑنے دوں؟"

اس کے جواب میں فقیر کی قبر سے آواز بلند ہوئی ۔

" نہیں! یہ تمہاری حقیقی ماں نہیں ہے ۔ صرف حقیقی ماں ہی ان پھولوں کو توڑ سکتی ہے۔"

اس کے بعد بادشاہ نے باری باری باقی پانچ ملکاؤں کو بھی پھول توڑنے کے لئے کہا اور وہ سب کی سب ایک دوسری

کے بعد پھول توڑنے کے لئے آگے بڑھیں مگر ہر بار پھول اوپر اٹھ جاتے اور قبر میں سے وہی آوازیں آتیں - اور آخر میں فقیر کی قبر میں سے جواب ملتا -

"نہیں! صرف حقیقی ماں ہی یہ پھول توڑسکتی ہے -"

جب بادشاہ نے یہ سب کچھ دیکھا تو اسے خیال آیا -

"کیوں نہ اس ملکہ کو بھی بلایا جائے جو جھونپڑی میں رہتی ہے؟"

اس نے اسی وقت اپنے ملازموں کو بھیج کر غریب ملکہ کو بھی بلایا جسے وہ عرصہ سے فراموش کرچکا تھا - جب وہ آئی تو بادشاہ نے کہا -

"تم آگے بڑھ کر یہ پھول توڑو -"

یہ سن کر غریب ملکہ ڈرتے ڈرتے پھول توڑنے کے لئے آگے بڑھی اور جوں ہی اس نے اپنا ھاتھ آگے بڑھایا، گلاب کے سارے کے سارے پھول اوپر اٹھ جانے کی بجائے اس کی طرف جھک گئے اور اس کے سر پر اس طرح پھیل گئے کہ وہ ان میں چھپ گئی - اس کے ساتھ ہی بوڑھے فقیر کی قبر پھٹ گئی اور اس میں سے فقیر کلمہ پڑھتا ہوا زندہ باھر نکل آیا -

بوڑھے فقیر کا باھر آنا تھا کہ دوسری ساتوں قبریں بھی شق ہوگئیں اور ان میں سے چھ حسین نوجوان اور ایک خوبصورت جوان لڑکی باھر نکل آئی - بادشاہ، اس کے ملازم اور ملکائیں ابھی حیرانی میں کچھ سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ بوڑھے فقیر نے بادشاہ کو شروع سے لیکر آخر تک تمام کہانی سنائی اور بتایا کہ اس کے بے گناہ بیٹوں اور بیٹی کے ساتھ کیا کیا بیتی ہے -

یہ سب کچھ سن کر بادشاہ بہت شرمندہ ہوا - اس نے اپنی غریب ملکہ سے معافی مانگی اور بیٹے اور بیٹی اپنی حقیقی ماں سے لپٹ گئے - بادشاہ نے اسی وقت اپنے ملازموں کو حکم دیا -

"چھ کی چھ ظالم ملکاؤں کو اسی وقت قتل کردیا جائے اور ان کے ساتھ ہی اس دائی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جس نے بچوں کو زہر دیا تھا -"

اس کے بعد بوڑھے نے بچوں کے سر پر پیار کیا اور رخصت ہوکر

جنگل کی طرف چلا گیا - اور بادشاہ اپنے بچوں اور ملکہ کے ساتھ خوشیاں مناتا ہوا واپس محل کی طرف لوٹ آیا جہاں وہ سب ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے - لیکن اب ان کے ساتھ ایک بوڑھا اور بوڑھی عورت بھی محلوں میں رہ رہے تھے - یہ وہ غریب کسان اور اس کی بیوی تھی جنہوں نے ساتوں بچوں کو پالا تھا -

تین سوال

اگلے وقتوں کی بات ہے۔ کسی جگہ دو جاٹ رہتے تھے جو ایک دوسرے کے سگے بھائی تھے۔ چھوٹا بھائی بہت غریب تھا اور بڑی مشکل سے گزر بسر کرتا تھا لیکن بڑا بھائی امیر تھا اور بڑی خوش حالی کی زندگی گزار رہا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ سگا بھائی تھا لیکن اس نے کبھی اپنے غریب بھائی کی مدد نہ کی تھی۔ بلکہ ہمیشہ اسے یہی کہتا رہتا۔

" مفلسی تمہارے مقدر میں لکھی ہوئی ہے۔ تم ہمیشہ غریب رہو گے۔ "

چھوٹا بھائی اس کی باتیں سن کر خاموش ہوجاتا۔ وہ بیچارہ محنت مزدوری کرکے اپنا پیٹ پال رہا تھا اور جوں توں کرکے وقت گزار رہا تھا ایک بار اس کے جی میں آئی۔

" کیوں نہ کسی دوسرے شہر میں چل کر قسمت آزمائی کروں ؟ ہوسکتا ہے خدا میرے دن پھیر دے اور میں بھی چار پیسے کمانے لگوں ؟ "

کئی دنوں کے سوچ بچار کے بعد آخر ایک روز وہ اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور جدھر کو منہ اٹھا چل دیا۔ اس نے اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کرلیا تھا کہ۔

" جب تک میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاؤں گا، واپس نہیں آؤں گا۔ "

اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کدھر جارہا ہے اور اسے کدھر جانا چاہیے۔ وہ کئی راتیں اور دن چلتا رہا۔ جہاں زیادہ تھک جاتا وہاں کچھ دیر سستا لیتا اور جس جگہ رات پڑتی کچھ وقت کے لئے سوجاتا۔ اور اس کے بعد پھر اپنے سفر پر روانہ ہوجاتا۔ چلتے چلاتے آخر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں کسی بادشاہ کا محل تعمیر ہو رہا تھا۔ بہت سے

معمار ، بڑھئی اور کاریگر محل تعمیر کر رہے تھے لیکن ہوتا یہ تھا کہ جب محل ایک طرف سے مکمل ہوجاتا اور کاریگر دوسری طرف سے بھی اسے مکمل کرنے لگتے تو پہلی طرف کا حصہ خود بخود گر جاتا۔ کاریگر پھر اسے تعمیر کرتے تو دوسرا حصہ زمین پر آرھتا ۔ اس طرح کئی ماہ سے مسلسل محل کی تعمیر ہو رہی تھی مگر وہ ابھی تک آدھا ہی مکمل ہوا تھا ۔ اسے بار بار بنایا جاتا اور وہ ہر بار ایک طرف سے گرجاتا ۔ تمام کاریگر حیران تھے اور خود بادشاہ بھی پریشان تھا کہ۔

"آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ اس میں کیا راز ہے ؟"

جب جاٹ وہاں پہنچا تو اس نے بھی یہ منظر دیکھا کہ ایک طرف سے دیوار مکمل ہوتی تو دوسری گرجاتی ، اور اگر اسے دوبارہ اٹھاتے تو پہلے والی خود بخود ٹوٹ جاتی ۔ وہ یہ عجیب و غریب بات دیکھ کر کچھ دیر کے لئے وہیں کھڑا ہوگیا اور بنتے گرتے محل کو دیکھنے لگا۔ اتنے میں وہاں بادشاہ آیا اور اس نے اس سے دریافت کیا ۔

"اے اجنبی ! تم کون ہو اور کہاں جارہے ہو ؟"

اس نے عرض کیا۔

"بادشاہ سلامت میں ایک غریب جاٹ ہوں اور قسمت آزمائی کے لئے کسی دوسرے شہر جارہا ہوں۔"

اس پر بادشاہ نے اس سے کہا ۔

"اے نیک دل مسافر ! جب تم اپنی مراد کو پہنچ جاؤ تو مجھ کو ضرور یاد رکھنا۔"

پھر اس نے ذرا نرم لہجے میں کہا ۔

"جب تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ تو کسی سے اس کی وجہ معلوم کرکے مجھے بتانا کہ میرا محل اس طرح بننے کے بعد آدھا کیوں گرجاتا ہے ؟"

"بہتر حضور ! میں کوشش کروں گا ۔"

اس نے بادشاہ سے وعدہ کیا اور وہاں سے آگے اپنے سفر پر روانہ ہوگیا ۔

جاٹ اپنے سفر پر رواں دواں تھا کہ راستے میں ایک دریا آگیا۔ وہ مسلسل سفر سے تھک چکا تھا اس لئے کنارے پر بیٹھ کر سستانے لگا اور ساتھ ھی ساتھ سوچنے لگا کہ دریا کیسے پار کیا جائے؟ ابھی وہ کوئی ترکیب سوچ ھی رھا تھا کہ دریا میں سے ایک بڑا سا کچھوا باھر نکلا اور اس سے پوچھنے لگا۔

"اے مسافر! تم کون ھو اور کہاں جارھے ھو؟"

جاٹ نے جواب دیا۔

"میں ایک غریب جاٹ ھوں اور قسمت آزمائی کے لئے کسی دوسرے شہر جارھا ھوں۔"

یہ بات سن کر کچھوا کہنے لگا۔

"اے دوست! جب تم اپنے مقصد میں کامیاب ھوجاؤ تو اس مجبور کچھوے کو ضرور یاد رکھنا۔"

اتنا کہہ کر وہ اور قریب آگیا اور بڑی عاجزی سے بولا۔

"میں دریا کے ٹھنڈے پانی میں رھتا ھوں لیکن اس کے باوجود میں اندرونی طور پر جلتا رھتا ھوں۔ میرے سینے میں ھروقت آگ سی لگی رھتی ھے۔ مہربانی کرکے کسی سے یہ دریافت کرنا کہ آخر اس کا سبب کیا ھے؟"

اس نے کچھوے سے وعدہ کیا۔

"تم فکر نہ کرو—میں ضرور معلوم کروں گا۔"

کچھوے نے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر دریا پار کرادیا اور وہ پھر سے اپنے سفر پر روانہ ھوگیا۔

وہ اپنے سفر پر جارھا تھا کہ چلتے چلتے اسے شدید بھوک لگی۔ اس نے راستے میں ایک آلوچے کا پیڑ دیکھا جس پر بے شمار آلوچے پکے ھوئے تھے۔ اس نے بھوک مٹانے کی خاطر کچھ پکے پکے آلوچے توڑے اور بیٹھ کر کھانے لگا لیکن جوں ھی اس نے پہلا آلوچہ منہ میں ڈالا تو وہ زھر کی طرح کڑوا نکلا۔ اس نے جلدی سے اسے پھینک کر دوسرا آلوچہ منہ میں ڈالا لیکن وہ بھی انتہائی کڑوا نکلا تھا۔ اس طرح وہ جو بھی آلوچہ منہ میں لیتا وہ کڑوا نکلتا۔ یہاں تک کہ تنگ آکر اس نے

سارے آلوچے پھینک دئیے اور غصے میں پیڑ کی طرف لپکا کہ اسے توڑ دے - وہ کہنے لگا -

" اس قدر کڑوے آلوچوں والے درخت کا نہ ہونا بہتر ہے - اسے توڑ یا کاٹ دیا جائے تاکہ میری طرح دوسرا کوئی دھوکہ نہ کھائے - "

مگر جب وہ اس کی شاخیں توڑنے لگا تو آلوچے کا درخت فریاد کرتے ہوئے بولا -

" افسوس ! جو بھی میرا پھل کھاتا ہے وہ مجھے یہی کہتا ہے - میں خود پریشان ہوں کہ میرا پھل اتنا کڑوا کیوں ہوتا ہے؟ "

پھر اس نے جاٹ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا -

" اے نیک دل مسافر ! تم کون ہو اور کہاں جارہے ہو ؟ "

اس نے جواب دیا -

" میں ایک غریب جاٹ ہوں اور قسمت آزمائی کے لئے کسی دوسرے شہر جارہا ہوں - "

یہ سن کر درخت بولا -

" اے دوست ! جب تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ تو مجھ غریب کو ضرور یاد رکھنا اور کسی سے یہ ضرور معلوم کرنا کہ میرا پھل کڑوا کیوں ہوتا ہے ؟ "

اس نے درخت سے وعدہ کیا -

"میں ضرور معلوم کرکے تمہیں بتاؤں گا - "

اس طرح وہ درخت سے وعدہ کرکے پھر اپنے سفر پر روانہ ہوگیا -

جاٹ کئی روز تک چلتا رہا - ایک روز وہ ایک جنگل میں سے گذر رہا تھا کہ اس نے سوچا ، دیکھا ، ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں ایک گھاس پھونس کی جھونپڑی بنی ہوئی تھی - اس نے سوچا ، چلو کچھ دیر یہاں سستا لیتا ہوں - یہ سوچ کر وہ جھونپڑی میں چلا گیا - وہاں جاکر دیکھا تو ایک بوڑھا فقیر گہری نیند سویا ہوا تھا - وہ فقیر بارہ سال تک مسلسل سوتا تھا اور بارہ سال ہی تک متواتر جاگتا تھا - جس وقت جاٹ وہاں پہنچا تھا اس وقت اس کو سوئے ہوئے بارہ سال کا عرصہ پورا ہوچکا تھا اور وہ بیدار ہونے ہی والا تھا - اسے وہاں

پہنچے چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ فقیر نیند سے جاگ پڑا اور جب اس نے ایک اجنبی کو اپنے پاس کھڑا دیکھا تو بولا۔

" اے بیٹے! تم نیند کے دوران میری حفاظت کرتے رہے ہو۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔"

اس کے بعد اس نے اسے دعائیں دیتے ہوئے دریافت کیا۔

"بتاؤ تم کون ہو اور کہاں جارہے ہو؟"

جاٹ نے اس بوڑھے فقیر کو بھی وہی جواب دیا۔ کہنے لگا۔

" باباجی! میں ایک غریب جاٹ ہوں اور قسمت آزمائی کے لئے کسی دوسرے شہر جارہا ہوں۔"

فقیر نے اسے بڑے غور سے دیکھا اور پھر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

" بس اور آگے مت جاؤ اور جس راستے سے آئے ہو اسی راستے سے واپس چلے جاؤ۔"

جواب میں جاٹ بڑی عاجزی سے کہنے لگا۔

" بابا جی! میں جس راستے سے آیا ہوں، میں نے اس راستے میں، تین وعدے کئے ہیں۔ جب تک مجھے ان تین سوالوں کے جواب نہ ملیں، میں ادھر سے واپس نہیں جاسکتا؟"

بوڑھا فقیر پوچھنے لگا۔

" وہ سوال کیا ہیں؟ مجھے بتاؤ۔"

جاٹ نے اپنے سفر کی پوری تفصیل بتائی اور کہا۔

" پہلے مجھے یہ بتائیے کہ اس بادشاہ کا محل پورا تعمیر ہونے سے پہلے کیوں گرجاتا ہے؟ وہ ایک عرصہ سے اسے بنوارہا ہے لیکن اس کی صرف ایک طرف مکمل ہوتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

بوڑھے فقیر نے بتایا۔

" اس بادشاہ کی ایک جوان بیٹی ہے جو شادی کے قابل ہوچکی ہے مگر بادشاہ نے ابھی تک اس کی شادی نہیں کی۔ جب تک وہ اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرے گا اس کا محل اسی طرح گرتا رہے گا۔ اور جب وہ اس کی شادی کردے گا محل گرنا بند ہوجائے گا۔"

جاٹ نے پھر پوچھا ۔

" وہ کچھوا دریا کے ٹھنڈے پانی کی تہہ میں رہتا ہے ۔ پھر اس کے سینے میں ہر وقت آگ سی کیوں لگی رہتی ہے ۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ "

فقیر نے جواب دیا ۔

" اس کچھوے کو اللہ نے دانشمندی کی دولت دی ہے مگر وہ خود غرض ہے " اسے اپنے سینے میں دبائے بیٹھا ہے ۔ اس سے کہو کہ وہ اپنی آدھی دانشمندی دوسروں میں تقسیم کردے۔ اس کے بعد اس کا سینہ نہیں جلے گا ۔ "

جاٹ نے تیسرا سوال پوچھا ۔

" اب مجھے یہ بتائیے کہ اس آلوچے کے درخت کا پھل کڑوا کیوں ہوتا ہے ۔ اس کا کیا سبب ہے ؟ "

بوڑھے فقیر نے اس تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ۔

" اس آلوچے کے پیڑ کی جڑوں میں خزانہ دفن ہے ۔ جب تک وہ خزانہ وہاں دبا رہے گا اس کا پھل کڑوا ہی پیدا ہوگا لیکن اگر وہ خزانہ نکال لیا جائے تو اسے میٹھے آلوچے لگنے لگیں گے ۔ "

جاٹ کو جب تینوں سوالوں کے جواب مل گئے تو اس نے بوڑھے فقیر کا شکریہ ادا کیا اور سلام کرکے اسی راستے سے واپس چل دیا جدھر سے وہ آیا تھا ۔

سب سے پہلے وہ اس آلوچے کے درخت کے پاس پہنچا جس کا پھل کڑوا ہوتا تھا ۔ جوں ہی وہ درخت کے قریب گیا درخت جلدی سے پوچھنے لگا۔

" اے نیک دل مسافر! کیا تونے میرے سوال کا جواب دریافت کیا ہے ؟ "

اس نے جواب دیا ۔

" ہاں! میں نے اس کی وجہ معلوم کرلی ہے ۔ "

پھر اس نے بتایا۔

"تمھاری جڑوں میں خزانہ دفن ہے۔ جب تک وہ خزانہ نکالا نہیں جائے گا تمھیں میٹھا پھل نہیں لگ سکتا ۔ "

یہ بات سنتے ہی درخت اس سے منت کرتے ہوئے بولا۔

"اے دوست! خدا کے لئے جتنی جلدی ہوسکے یہ خزانہ کھود کر نکال دو اور اسے میری طرف سے تم اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں تمہارا زندگی بھر ممنون رہوں گا۔"

جاٹ نے اسی وقت درخت کی جڑوں میں کھدائی شروع کردی۔ ابھی تھوڑا سا گڑھا کھودا تھا کہ اسے ایک بکس دکھائی دیا۔ اس نے اور زمین کھود کر اسے باہر نکالا تو وہ ہیرے جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے وہ تمام خزانہ ایک کپڑے میں باندھ لیا اور درخت سے رخصت ہوکر چل دیا۔

جب وہ دریا کے کنارے پہنچا تو اس نے دیکھا، جس کچھوے نے اسے دریا پار کرایا تھا وہ پہلے ہی سے منتظر بیٹھا تھا۔ جوں ہی اس نے جاٹ کو دیکھا جلدی سے بولا۔

"اے دوست! کیا تم نے کسی سے معلوم کیا کہ میں اندر ہی اندر کیوں جلتا رہتا ہوں؟"

"ہاں! میں نے اس کا سبب دریافت کرلیا ہے۔"

جاٹ کی یہ بات سن کر کچھوا بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"خدا کے لئے مجھے جلدی بتاؤ تاکہ میں اس عذاب سے چھوٹ جاؤں۔"

جواب میں جاٹ نے اسے بتایا۔

"تمہیں اللہ نے دانشمندی کی دولت دی ہے مگر تم نے خود غرضی سے کام لے کر اسے اپنے سینے میں دبا رکھا ہے۔ جب تک تم اپنی آدھی عقل مندی دوسروں میں تقسیم نہیں کروگے اس وقت تک اسی طرح اندر ہی اندر جلتے رہوگے۔"

اس کی بات سن کر کچھوے نے کہا۔

"ذرا میرے قریب آکر جھک جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔"

پھر وہ زیر لب بڑ بڑایا اور بولا۔

"جاؤ! میں انعام کے طور پر اپنی آدھی دانشمندی تمہیں دیتا ہوں۔"

جاٹ وہاں سے رخصت ہوکر پھر چل دیا ۔ اور آخر میں اسی جگہ پہنچ گیا جہاں بادشاہ کا محل تعمیر ہو رہا تھا ۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کاریگر ابھی تک اسی طرح محل کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے ۔ محل کی اب بھی وہی حالت تھی کہ ایک طرف سے مکمل ہونے کے بعد دوسری طرف سے گر پڑتا تھا ۔ بادشاہ نے جاٹ کو دیکھا تو جلدی سے پوچھنے لگا ۔

" اے نیک دل مسافر ! کیا تم نے میرے محل کے گرنے کی وجہ معلوم کی ؟ "

" ہاں ! میں نے اس کی وجہ معلوم کرلی ہے ۔ "

بادشاہ بے تاب ہوکر کہنے لگا ۔

" مجھے جلدی بتاؤ—اس کی کیا وجہ ہے ؟ "

جواب میں جاٹ نے اسے بتایا ۔

" بادشاہ سلامت ! آپ کی ایک جوان بیٹی ہے جو شادی کے قابل ہوچکی ہے ۔ آپ نے ابھی تک اس کی شادی نہیں کی ۔ جب تک اس کی شادی نہیں ہوگی آپ کا محل اسی طرح گرتا رہے گا اور کبھی مکمل نہ ہوسکے گا ۔ "

بادشاہ نے سنا تو اس سے پوچھنے لگا ۔

" کیا تم میری بیٹی سے شادی کروگے ؟ "

اس نے جواب دیا ۔

" بادشاہ سلامت ! اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو میں اس سے ضرور شادی کرلوں گا ۔ "

چنانچہ اسی وقت بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی کی تیاریاں شروع کردیں ۔ اور پھر چند ہی روز میں جاٹ کی شہزادی سے شادی ہوگئی ۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنے بڑے بھائی کو اپنے پاس بلایا ۔ جوں ہی وہ دربار میں آیا اپنے چھوٹے اور غریب بھائی کو شاہی تخت پر بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گیا ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے ؟ اتنے میں اس کا چھوٹا بھائی بولا ۔

" تم کہتے تھے کہ مفلسی میرا مقدر ہے۔ یہ کبھی دور نہیں ہوسکتی۔ لیکن دیکھو میں نے اپنی کوشش اور جد و جہد سے اپنی قسمت بنالی ہے۔"

بڑا بھائی بہت شرمندہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میں نے غریبی میں اس کی کبھی مدد نہ کی اور خود غرض بنا رہا، اب نہ جانے یہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے؟ مگر چھوٹے بھائی نے اسے معاف کردیا اور اسے بھی اپنے محل میں بلالیا۔ اس طرح وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

بارہ سال بعد

اگلے وقتوں کی بات ہے۔ کسی ملک میں ایک نیک دل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی سلطنت بہت بڑی تھی اور رعایا خوشحالی کی زندگی بسر کررھی تھی۔ اللہ نے اسے سب کچھ دیا تھا لیکن ایک نعمت سے وہ ابھی تک محروم تھا اور وہ تھی اولاد—یہی وجہ تھی کہ بادشاہ ھوتے ھوئے بھی وہ ھر وقت غمگین رھتا تھا۔ وہ اور اس کی ملکہ دونوں ھر وقت اولاد کے لئے تڑپتے رھتے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ ان کا بھی کوئی بیٹی بیٹا ھو جو ان کے محلوں کی رونق بڑھائے اور ان کے دلوں کو تسکین دے لیکن یہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ قدرت نے انہیں سب کچھ دے کر بھی کچھ نہیں دیا تھا۔ وہ بادشاہ ھوکر بھی غریبوں کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔ میاں بیوی دن رات خدا کے حضور دعائیں مانگتے کہ

”اے خدا! ھماری گود بھی ھری کردے۔ تیرے ھاں کس چیز کی کمی ھے؟“

بادشاہ نے فقیروں محتاجوں کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دئے۔ جو آتا خالی ھاتھ نہ جاتا۔ ھر شخص کی حاجت پوری کی جاتی۔ بادشاہ خود بھی بزرگوں کے پاس جاتا اور ان کی خدمت میں نذر نیاز پیش کرکے عرض کرتا۔

” آپ میرے لئے دعا کریں۔ شاید آپ کی دعا ھی سے میری زندگی بدل جائے۔“

اسے جہاں بھی معلوم ھوتا کہ وھاں کوئی بزرگ یا مست الست فقیر رھتا ھے، وہ پا پیادہ اس کی خدمت میں حاضری دیتا اور اپنی تمنا کا اظہار کرتا۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اس کی امید نہ بر آئی۔ اس طرح دن گذرتے گئے اور بادشاہ روز بروز بوڑھا ھوتا گیا۔

وقت بیت رہا تھا ، عمر بڑھ رہی تھی اور بادشاہ ان سب باتوں کا خیال کر کر کے اور بھی پریشان تھا کہ میرے بعد میری سلطنت کا بوجھ کون اٹھائے گا ؟ میرا نام زندہ کون رکھے گا ؟ ایک روز بادشاہ اسی فکر میں اداس بیٹھا تھا کہ اتنے میں وزیر نے عرض کیا ۔

” جہاں پناہ ! اس غلام کو معلوم ہوا ہے کہ شہر کے قریب ہی ایک بزرگ آ کر ٹھہرا ہے ۔ سنا ہے وہ بہت پہنچا ہوا ہے۔ “

” تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ بہت پہنچا ہوا بزرگ ہے ؟ “

بادشاہ نے دریافت کیا جس کے جواب میں وزیر نے دست بستہ عرض کیا ۔

” عالی جاہ ! شہر کے لوگوں میں عام چرچا ہے کہ وہ جس کے لئے دعا کردے اس کی مراد پوری ہوجاتی ہے ۔ “

وزیر کی یہ بات سن کر بادشاہ کو جیسے زندگی کے اندھیروں میں امید کی کرن نظر آگئی ہو ۔ دل میں کہا ، ہوسکتا ہے میری مراد بھی پوری ہوجائے ! چنانچہ اس نے وزیر سے کہا ۔

” اگر یہ بات ہے تو ہم بھی اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں ۔ “

حکم کی دیر تھی ۔ اسی وقت انتظامات ہوگئے اور وزیر بادشاہ کو اس بزرگ کے پاس لے گیا ۔ بادشاہ نے بڑی عاجزی سے بزرگ کو سلام عرض کیا او پھر التجا کرتے ہوئے بولا ۔

” آپ اللہ والے ہیں ۔ اس عاجز کے لئے بھی دعا کریں ۔ “

بزرگ نے آنکھیں اٹھاکر ایک نظر بادشاہ پر ڈالی ۔ اور اس کی عاجزی ، مجبوری اور انکساری پر اس کا دل پسیج سا گیا ۔ اس نے بادشاہ سے کہا ۔

” تمھیں اللہ نے بادشاہی عطا کی ہے ۔ پھر تمھیں اور کیا چاہیے ؟ “

اس پر بادشاہ گڑگڑاتے ہوئے بولا ۔

” حضور ! میں اولاد جیسی نعمت سے محروم ہوں ۔ آپ میرے حق میں دعا کریں تاکہ اللہ میری یہ تمنا پوری کردے ! “

بزرگ کو بادشاہ کی بے بسی پر رحم آگیا ۔ اس نے چند لمحوں

تک سوچا اور پھر اپنے دونوں ھاتھ اٹھا کر اس کے حق میں دعا کی۔ اس کے بعد کہنے لگا۔

"تمھاری قسمت میں صرف ایک بیٹا ہے۔ لیکن!"

"کیا کہا؟ بیٹا؟"

بادشاہ نے بےتاب ھو کر بزرگ کے پاؤں پکڑ لئے اور کہنے لگا۔

"مجھے بتائیے۔ میرے ھاں بیٹا کب ھوگا؟"

بزرگ نے جواب دیا۔

"تمھاری قسمت میں صرف ایک بیٹا ہے۔ لیکن وہ بارہ سال کی عمر کو پہنچ کر مرجائے گا۔"

یہ بات سن کر بادشاہ خوشی اور غم کے ملے جذبات میں بزرگ کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے اس سے مدد طلب کر رھا ھو مگر بزرگ نے کہا۔

"اللہ کی یہی مرضی ہے۔ اس کے کاموں میں کسی کو اختیار نہیں ہے۔"

بادشاہ وزیر کے ساتھ واپس آگیا۔ وہ خوش بھی تھا اور اداس بھی۔ خوش اس لئے تھا کہ بزرگ نے بیٹے کی خوش خبری سنائی تھی اور اداس یہ سوچ کر تھا کہ بارہ سال بعد وہ مرجائے گا۔ اس نے ملکہ کو بھی بزرگ کی یہ بات بتائی اور پھر وہ دونوں اس گھڑی کے لئے دن گننے لگے جب ان کی برسوں کی تمنا کا پھول کھلنا تھا۔

آخر وہ دن بھی آگیا جب ملکہ کی گود ھری ھوگئی اور ان کے ھاں ایک نہایت خوبصورت بچہ پیدا ھوا۔ بچے کی خوشی میں ملکہ اور بادشاہ پھولے نہ سماتے تھے۔ وزیر امیر اور درباری بھی اپنے بادشاہ کی اس خوشی میں برابر کے شریک تھے۔ ملک بھر میں جشن عام منانے کا اعلان کردیا گیا۔ انعام و اکرام اور نذر و نیاز کے لئے شاھی خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے تاکہ ھر شخص اپنے نیک دل بادشاہ کی خوشی میں شامل ھوسکے۔

وقت گذرتے کیا دیر لگتی ہے۔ خوشیوں اور راج دربار کے کاموں میں بادشاہ کو پتہ بھی نہ چلا اور ادھر شہزادہ عمر کے بارھویں سال میں۔ داخل ھوگیا۔ ملکہ کو یہ بات ابھی تک

یاد تھی کہ شہزادہ بارہ برس کی عمر کو پہنچ کر مرجائے گا کیوں کہ اس بزرگ نے انہیں یہی بتایا تھا۔ لہذا جب شہزادہ محل سے باہر جاتا تو ملکہ اسے دیکھ دیکھ کر ہنستی اور جب واپس محل میں آتا تو اسے دیکھ دیکھ کر روتی۔ شہزادہ اپنی ماں کی اس بات سے بڑا پریشان تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر اس طرح ہنستی کیوں ہے اور پھر آنسو کیوں بہاتی ہے؟ ایک دن اس نے اپنی ماں سے پوچھ ہی لیا۔

"ماں! آج مجھے ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں بیٹا! پوچھو، کیا بات ہے؟"

ماں نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ اس پر شہزادہ بولا۔

"جب میں محل سے باہر جاتا ہوں تو تم مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستی ہو اور جب میں واپس محل میں آتا ہوں تو تم مجھے دیکھ کر رونے لگتی ہو۔ آخر تم ایسا کیوں کرتی ہو؟"

ملکہ نے اسے ٹالنے کی غرض سے کہا۔

"نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"نہیں ماں!"

شہزادے نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے۔ کوئی ایسی بات ضرور ہے جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔"

جب ملکہ نے پھر اسے ٹالنا چاہا تو وہ بولا۔

"اگر تم مجھے صحیح صحیح بات نہیں بتاؤگی تو میں خودکشی کرلوں گا۔ تمھیں یہ بات بتانی ہی پڑے گی۔"

ماں بیچاری مجبور ہوگئی اور اس نے اسے ساری بات بتادی کہ اس طرح ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی، ایک بزرگ نے دعا کی تو ان کی یہ تمنا پوری ہوئی مگر اس بزرگ نے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ شہزادہ بارہ برس کی عمر کو پہنچ کر مرجائے گا۔ اتنا بتاکر وہ کہنے لگی۔

"اب میں تمھیں باہر جاتے ہوئے دیکھ کر اس لئے ہنستی ہوں کہ میری مامتا کو سکون ملتا ہے۔ میں سوچتی ہوں میرا بھی

بیٹا ہے۔ لیکن جب تم محل میں واپس آتے ہو تو مجھے یاد آجاتا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں تم مرجاؤگے۔ اور بارھواں برس شروع ہوچکا ہے۔ یہ سوچ کر میرے آنسو نکل آتے ہیں۔"

اب شہزادے کی سمجھ میں آیا کہ اس کی ماں اسے دیکھ دیکھ کر ہنستی کیوں ہے؟ اور پھر رونے کیوں لگتی ہے؟ وہ اپنے دل ہی دل میں سوچنے لگا۔

" اگر مجھے بارہ برس کی عمر پوری کرکے مر ہی جانا ہے تو کیوں نہ یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں۔ ماں باپ کی آنکھوں کے سامنے مروں گا تو انہیں اور زیادہ دکھ ہوگا۔"

شہزادہ کچھ روز تک اپنے دل میں ارادے باندھتا رہا اور آخر ایک رات کو اس نے چپکے سے اپنی کمان سنبھالی اور محل سے نکل آیا اور چھپتا چھپاتا شہر سے باہر آگیا —پھر جس طرف اس کا منہ اٹھا اسی طرف کو چل دیا۔

وہ رات بھر چلتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جارہا ہے، کیوں جارہا ہے؟ جب صبح ہوئی تو وہ ایک جنگل میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے وہاں ایک جگہ دیکھا تو تین آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ وہ تینوں چور تھے جو لوٹے ہوئے سامان کی تقسیم پر آپس میں الجھ رہے تھے۔ ان تینوں کے پاس تین چیزیں تھیں۔ ایک تو لکڑی کی کھڑاؤں کا جوڑا تھا جسے پہن کر کہیں بھی اڑ کے جایا جاسکتا تھا۔ دوسری ایک چادر تھی جو اگر مردے پر ڈال دی جائے تو مرنے والا پھر سے زندہ ہوجاتا تھا۔ اور تیسری ایک چھوٹی سی دیگ تھی جس میں ایک بار چاول پکا دینے سے سارا شہر پیٹ بھر کے کھانا کھا سکتا تھا اور دیگ پھر بھی بھری رہتی تھی۔ اس وقت وہ تینوں چور اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ ہر ایک وہی چیز لینا چاہتا تھا جو دوسرے کو پسند تھی۔ اگر ایک کہتا۔

" میں کھڑاؤں لوں گا۔"

تو دوسرا بھی کہتا۔

" کھڑاؤں میں لوں گا۔"

اور پھر تیسرا بھی یہی مطالبہ کرتا کہ

"کھڑاؤں تو میں لوں گا۔"

اس طرح دوسری دونوں چیزوں کا قضیہ تھا۔ لہذا ان کا جھگڑا ختم ہونے کی کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی۔ وہ تینوں آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ شہزادہ بھی ان کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔ چوروں نے اسے دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"چلو! اس لڑکے سے فیصلہ کرالیتے ہیں۔"

پھر تینوں نے شہزادے کو تینوں چیزوں کے بارے میں بتایا کہ اس طرح کھڑاؤں آدمی کو اڑا کر لے جاسکتی ہے۔ چادر سے مردہ زندہ ہوسکتا ہے اور دیگ سے پورا شہر پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتا ہے۔ اور اب ہم میں ان تینوں کی تقسیم پر جھگڑا ہورہا ہے۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد چور کہنے لگے۔

"اب تم ہمارا فیصلہ کرو کہ کون سی چیز کس کو ملنی چاہیے؟"

شہزادہ ان کی بات سن کر بولا۔

"میں ایک بادشاہ کا بیٹا ہوں اس لئے میں تمھارا فیصلہ کرسکتا ہوں لیکن ایک شرط پر"

"وہ کیا؟"

تینوں چوروں نے دریافت کیا تو شہزادے نے کہا۔

"وہ شرط یہ ہے کہ تم تینوں کو میرا فیصلہ قبول کرنا ہوگا۔"

اس پر چور بیک آواز بولے۔

"ہمیں تمھاری شرط منظور ہے۔ تم جو فیصلہ کروگے ہم اسے تسلیم کرلیں گے۔"

یہ بات طے ہونے کے بعد شہزادے نے ان سے کہا۔

"دیکھو! میں تین اطراف میں تین تیر پھینکتا ہوں، تم تینوں وہ تیر پکڑ کر لاؤ۔ جو سب سے پہلے آئے گا اسے اڑنے والی کھڑاؤں ملے گی۔ جو دوسرے نمبر پر پہنچے گا اسے چادر ملے گی۔ اور جو آخر میں آئے گا اس کے حصے میں دیگ آئے گی۔"

چوروں کو شہزادے کی یہ تجویز پسند آئی۔ وہ کہنے لگے۔

”ہمیں یہ فیصلہ منظور ہے۔ تم ابھی تیر پھینکو۔“

شہزادے نے کاندھے سے کمان اتار کر اس میں تیر چڑھایا۔ اور پھر باری باری تین سمتوں میں تین تیر پھینک کر بولا۔

”اب تم جاؤ اور تیر لاؤ۔“

تینوں چور تیروں کی تلاش میں چلے گئے۔ پیچھے جب شہزادے نے میدان صاف دیکھا تو اس نے جلدی سے دیگ چادر پر رکھی اور اڑنے والی کھڑاؤں پہن کر چادر پکڑ کر بولا۔

”اے کھڑاؤں! مجھے کسی حسین شہزادی کے دیس پہنچا دو۔“

شہزادے کے منہ سے یہ الفاظ نکلنے کی دیر تھی کہ پلک جھپکتے میں وہ شہزادی کوکلاں کے دیس میں پہنچ گیا۔

ادھر جب تینوں چور اپنا اپنا تیر تلاش کرکے واپس آئے تو انہیں پتہ چلا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ لیکن اب وہ کر بھی کیا سکتے تھے؟ رو پیٹ کر خاموش ہوگئے۔

شہزادی کوکلاں کے شہر میں پہنچ کر شہزادہ ایک بھٹیارن کے پاس رہنے لگا۔ وہ بھٹیارن بوڑھی تھی۔ نہ اس کا کوئی بیٹا تھا اور نہ بیٹی۔ شہزادے نے اس سے کہا۔

”آج سے تم میری ماں ہو اور میں تمہارا بیٹا! میں تمہارے لئے ایندھن اکٹھا کرکے لایا کروں گا اور تمہارے کام میں ہاتھ بٹاؤں گا۔“

بڑھیا نے دل میں سوچا، چلو کوئی دکھ سکھ میں ساتھ دینے والا تو ملا—اور اس طرح وہ دونوں ماں بیٹا بن کر رہنے لگے۔

شہزادہ دن بھر بڑھیا کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا جب رات ہوجاتی اور محنت مشقت سے تھکی ہاری بڑھیا سوجاتی تو وہ آہستہ سے اٹھتا اور اڑنے والی کھڑاؤں پہن کر کہتا۔

”اے کھڑاؤں! مجھے شہزادی کوکلاں کے محل میں پہنچادو۔“

اس طرح چند ھی لمحوں میں وہ شہزادی کوکلاں کے محل میں پہنچ جاتا۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ وہ ہولے سے سوئی ہوئی شہزادی کے پاس پہنچ کر کبھی اس کی انگشتری اٹھا لاتا، کبھی ہار لے آتا اور کبھی جوتا اٹھا لاتا۔ اور پھر واپس گھر آ کر سوجاتا۔ اس طرح اس کے جانے کی کسی کو کانوں

کان خبر نہ ہوتی اور خود بڑھیا کو بھی پتہ نہ چلتا۔

ادھر شہزادی بہت پریشان تھی کہ

"یہ قصہ کیا ہے؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا؟"

شہزادہ اسے زیادہ پریشان کرنا چاہتا تو کبھی گذشتہ رات کی اٹھائی ہوئی کوئی چیز واپس رکھ آتا اور اس کی جگہ کوئی دوسری چیز اٹھا لاتا۔ وہ ہر رات اسی طرح کرتا اور ہر صبح کو شہزادی بیدار ہوکر کوئی نئی چیز غائب پاتی اور پریشان ہوتی۔ اس نے اپنے طور پر بہت کوشش کی کہ کسی طرح چور کا پتہ چل جائے لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ آخر جب وہ تنگ آگئی تو اس نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ اس طرح ہر رات کوئی شخص اس کی کوئی نہ کوئی چیز اٹھالے جاتا ہے۔ پتہ نہیں وہ کون ہے؟ بادشاہ نے شہزادی کی یہ بات سنی تو بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس قدر سخت پہرے کے باوجود شہزادی کے محل میں کون آسکتا ہے؟ شہزادی کے محل اور پھر اس کے کمرے تک کسی کا پہنچنا ناممکن سی بات تھی۔ اس نے کہا۔

"محل کے چاروں طرف تو پہرہ ہے، پھر یہاں کون آسکتا ہے؟"

لیکن جب شہزادی کوکلاں نے اپنے باپ کو یقین دلایا کہ ایسا ہوتا ہے اور ہر رات ہوتا ہے تو اسے بھی تشویش ہوئی۔ اس نے حکم دیا۔

"شہزادی کے محل کے پہریداروں کی تعداد بڑھادی جائے اور اس بات پر کڑی نظر رکھی جائے کہ رات کو کوئی شہزادی کے کمرے میں نہ جائے"۔

حکم ملتے ہی پہریداروں میں اضافہ کردیا گیا اور پہرہ دینے والے پہلے سے بھی زیادہ چوکنا ہوگئے۔ انہوں نے اور کڑی نگرانی شروع کردی لیکن یہ تمام تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں۔ اب بھی ہر رات شہزادی کی کوئی نہ کوئی چیز غائب ہوجاتی تھی۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پریشان تھے۔ پہریدار اور کنیزیں

الگ خوف زدہ رہتی تھیں کہ کہیں چوری کے الزام میں ان کی جان نہ چلی جائے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے؟ آخر ایک روز بادشاہ نے اپنے وزیر سے مشورہ کیا اور پوچھا۔

"اے وزیر با تدبیر! تم ہی بتاؤ اس روز روز کی پریشانی سے کیوں کر چھٹکارا حاصل کیا جائے؟"

بادشاہ کا وزیر بہت ذہین تھا۔ اس نے تھوڑی دیر تک غور کیا، سوچا، اور پھر بولا۔

"جہاں پناہ! اس غلام کے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔"

"وہ کیا؟ ہمیں بھی بتائی جائے؟"

بادشاہ نے جلدی سے دریافت کیا جس پر وزیر کہنے لگا۔

"عالی جاہ! بہت سا ایسا عطر منگوایا جائے جس کی خوشبو ختم نہ ہوسکتی ہو۔ یہ عطر کسی بڑے کھلے برتن میں اس طرح شہزادی کی مسہری کے پاس رکھ دیا جائے کہ آنے والے کو پتہ نہ چل سکے اور وہ مسہری تک پہنچنے سے پہلے اس برتن میں گر پڑے۔ اس طرح اس کے کپڑوں میں خوشبو بس جائے گی اور چور کا پکڑنا آسان ہوجائے گا۔"

بادشاہ کو وزیر کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے خوش ہوکر کہا۔

"اچھا! آج یوں ہی کیا جائے۔"

اسی وقت ایسا عطر مہیا کیا گیا جو ایک بار کپڑوں میں لگادینے سے عرصہ تک بسا رہتا تھا۔ اس کے بعد اسے ایک بہت بڑے کھلے برتن میں ڈال کر شہزادی کوکلاں کی مسہری کے قریب اس طرح رکھ دیا گیا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکتا تھا اور آنے والے کا اس میں گرجانا یقینی تھا۔

دوسری طرف شہزادہ ان انتظامات سے بالکل بےخبر تھا۔ جوں ہی رات ہوئی وہ اپنے معمول کے مطابق اٹھا اور کھڑاؤں پہن کر بولا۔

"اے کھڑاؤں! مجھے شہزادی کوکلاں کے محل میں پہنچادو۔"

کہنے کی دیر تھی کہ وہ شہزادی کے محل میں پہنچ گیا۔ روز کی طرح وہ آج بھی دبے دبے پاؤں شہزادی کی مسہری کے

پاس پہنچا - لیکن جوں ہی اس نے قدم آگے بڑھایا دھڑام سے عطر بھرے ہوئے برتن میں جا گرا - اس کے گرنے کی آواز سے شہزادی نیند سے بیدار ہو گئی لیکن پیشتر اس کے کہ وہ شہزادے کو پکڑتی یا شور کرکے پہریداروں کو بلاتی، شہزادے نے جلدی سے کھڑاؤں سے کہا -

"اے کھڑاؤں ! مجھے واپس گھر لے چلو۔"

اور پھر چند ہی لمحوں بعد وہ دوبارہ بھٹیارن کے گھر میں تھا - لیکن اس وقت اس کے تمام کپڑے عطر میں تربتر تھے اور گھر میں چاروں طرف خوشبو ہی خوشبو پھیل رہی تھی - چنانچہ صبح اٹھ کر اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رات والے کپڑے اتار دیئے اور بھٹیارن کو دیکر کہا -

"ماں! انہیں کسی دھوبی کو دے آؤ تاکہ دھل جائیں - "

بڑھیا نے اس سے کپڑوں میں اس قدر خوشبو بسنے کی وجہ پوچھی تو اس نے ادھر ادھر کا کوئی بہانہ کرکے ٹال دیا اور بڑھیا وہ کپڑے دھوبی کو دے آئی - ادھر دھوبی نے جب دیکھا کہ کپڑوں میں سے عطر کی بڑی پیاری خوشبو آرہی ہے تو اس نے سوچا -

"کیوں نہ یہ لباس پہن کر ذرا بازار کی سیر کروں ؟ "

اس بیچارے نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی پیاری اور اچھی خوشبو والا عطر نہیں سونگھا تھا - چنانچہ اس نے شہزادے کے عطر میں بسے ہوئے کپڑے پہن لئے اور گھومنے کے لئے بازار نکل گیا -

دوسری طرف بادشاہ نے شہر بھر میں اپنے ملازم چھوڑ رکھے تھے اور انہیں ہدایت تھی کہ

"اگر وہ کسی ایسے شخص کو دیکھیں جس کے پورے لباس میں سے اس قسم کے عطر کی خوشبو آرہی ہو تو اسے فوراً گرفتار کرکے دربار میں پیش کردیا جائے - "

بھلا دھوبی کو اس کی کیا خبر ہوتی ؟ وہ جوں ہی بازار میں سیر کے لئے نکلا اور ابھی چند قدم ہی گیا ہوگا کہ شاہی ملازموں نے اسے پکڑ لیا اور پوچھا -

"تم نے یہ لباس کہاں سے لیا ہے ؟"

دھوبی ڈر گیا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا ۔

"یہ لباس میرا نہیں ہے ۔ میں تو دھوبی ہوں ۔ یہ میرے پاس دھلنے کے لئے آیا تھا ۔ مجھے اس میں بسی ہوئی خوشبو اچھی لگی اس لئے پہن کر آگیا ہوں ۔"

شاہی خادموں نے پوچھا ۔

"اگر یہ لباس تمہارا نہیں ہے تو پھر بتاؤ کس کا ہے ؟ اگر تم نے سچ سچ نہ بتایا تو تمہیں گرفتار کرکے بادشاہ سلامت کے حضور میں پیش کردیا جائے گا ۔"

دھوبی کو تو اپنی جان پیاری تھی ۔ وہ شاہی ملازموں کو اپنے ساتھ لئے اس بوڑھی بھٹیارن کے پاس لے آیا اور بتایا ۔

"یہ کپڑے مجھے اس بھٹیارن نے دھونے کے لئے دئیے ہیں ۔"

شاہی کارکنوں نے بھٹیارن سے دریافت کیا ۔

"کیوں مائی! یہ لباس تم نے دھونے کے لئے اس دھوبی کو دیا تھا ؟"

جواب میں بڑھیا بولی ۔

"جی ہاں حضور! یہ لباس میں نے ہی اسے دھونے کے لئے دیا ہے لیکن یہ میرا نہیں ہے ۔"

"اگر تمہارا نہیں تو پھر کس کا ہے ؟"

شاہی ملازموں نے اسے ڈانٹ کر پوچھا ۔ اس پر بڑھیا نے بتایا ۔

"یہ لباس میرے بیٹے کا ہے ۔"

اس کے بعد اس نے شہزادے کو ان سے ملادیا اور شاہی ملازموں نے دھوبی اور بھٹیارن کو چھوڑ کر شہزادے کو گرفتار کرلیا ۔ انہوں نے دھوبی سے وہ لباس بھی لے لیا اور شہزادے کو لاکر دربار میں حاضر کردیا ۔

"جہاں پناہ! یہی وہ نوجوان ہے جس کا یہ لباس ہے ۔"

بادشاہ تو پہلے ہی سے منتظر بیٹھا تھا ۔ اس نے جب دیکھا کہ چور گرفتار ہوکر سامنے کھڑا ہے تو شہزادے کو مخاطب کرتے ہوئے شاہی رعب و جلال سے پوچھا ۔

"اے نوجوان! کیا تم ہی ہر رات شہزادی کے محل میں جاتے ہو؟"

شہزادے نے جواب دیا۔

"جی ہاں! میں ہی رات کو محل میں جاتا ہوں۔"

بادشاہ نے غصے میں دریافت کیا۔

"کیا تم ہی شہزادی کی انگشتری لائے تھے؟"

شہزادے نے پھر اسی طرح جواب دیا۔

"جہاں پناہ! میں ہی وہ شخص ہوں جو شہزادی کی انگشتری لایا تھا۔"

اس پر بادشاہ اور بھی غضبناک ہوکر بولا۔

"کیا شہزادی کا ہار بھی تم ہی لائے تھے؟"

شہزادہ بولا۔

"ہاں عالی جاہ! میں ہی لایا تھا۔"

بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ کس دیدہ دلیری سے نوجوان اپنا جرم قبول رہا ہے۔ اس نے گرج کر کہا۔

"اور کیا تم ہی شہزادی کی جوتی چوری کرکے لائے تھے؟"

شہزادہ اسی اطمینان سے بولا۔

"جی ہاں میں نے ہی شہزادی کی جوتی چرائی تھی۔"

بادشاہ کو سارا ثبوت مل چکا تھا۔ مجرم خود قبول رہا تھا کہ یہ سارے کام اسی نے کئے ہیں۔ اس نے ایک بار گرج کر کہا۔

"تمھیں معلوم ہے اس جرم کی سزا موت ہے؟"

شہزادے نے اس بار بھی اسی لہجے میں کہا۔

"جی ہاں! مجھے معلوم ہے۔"

اب بادشاہ نے وزیر کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اس نوجوان کو کل سر عام پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اس کی سزا یہی ہے۔"

پھانسی کا حکم دینے کے بعد بادشاہ نے شہزادے سے دریافت کیا۔

" اے نوجوان! اگر تمہاری کوئی آخری خواهش ہے تو بتاؤ وہ پوری کی جائے گی؟ "

اس پر شہزادے نے عرض کیا۔

" جہاں پناہ! میری دو تمنائیں ہیں۔ "

" کہو! ہم تمہاری دونوں تمنائیں پوری کریں گے۔ "

بادشاہ کے اتنا کہنے پر شہزادہ بولا۔

" عالی جاہ! میری ایک تمنا تو یہ ہے کہ پھانسی سے پہلے مجھ سے میری ماں کو ملادیا جائے۔ اور دوسری تمنا یہ ہے کہ پھانسی دینے کے بعد میری لاش میری ماں کے سپرد کردی جائے۔ "

بھلا بادشاہ کو یہ معمولی قسم کی دو تمنائیں پوری کرنے میں کیا عذر ہوسکتا تھا۔ اس نے شہزادے کی طرف سے دیکھتے ہوئے کہا۔

" مابدولت وعدہ کرتے ہیں کہ تمہاری یہ دونوں خواهشیں پوری کی جائیں گی۔ "

دوسرے روز جب شہزادے کو پھانسی دی جانے لگی تو اس کی تمنا کے مطابق بوڑھی بھٹیارن کو اس سے ملایا گیا۔

شہزادے نے پہریداروں سے ذرا دور ہٹ کر آہستہ سے بڑھیا سے کہا۔

" ماں! مجھے تو اب پھانسی دی جانے والی ہے۔ میں نے بادشاہ سے عہد لے لیا ہے کہ پھانسی کے بعد میری لاش تمھیں دیدی جائے۔ تم میری لاش گھر لے جانا اور کفنانے دفنانے سے پہلے میری لاش پر وہ چادر ڈال دینا جو میں ساتھ لایا تھا۔ "

بڑھیا سے اتنا کہنے کے بعد اس نے پھر اسے تاکید کی۔

" دیکھنا ماں! اس میں غلطی نہ کرنا۔ میری لاش پر وہ چادر ضرور ڈال دینا۔ "

بڑھیا نے روتے ہوئے کہا۔

" بیٹا! جیسے تم نے کہا ہے ایسے ہی کروں گی۔ "

دراصل اس وقت شہزادہ پورے بارہ برس کا ہوچکا تھا اور اس

کے باپ کے لئے دعا کرنے والے بزرگ کے کہنے کے مطابق بارہ سال کی عمر پوری کرنے کے بعد اسے مرجانا تھا - لہذا شہزادے کو پھانسی دیدی گئی اور پھانسی کے بعد بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں اس کی لاش بوڑھی بھٹیارن کے حوالے کردی گئی -

بڑھیا شہزادے کی وصیت کے مطابق اس کی لاش گھر لے آئی - اس نے اس پر وہی چادر ڈال دی جو شہزادہ اپنے ساتھ لایا تھا اور جو اس نے چوروں سے حاصل کی تھی - چادر کا لاش پر ڈالنا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے شہزادہ کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا - بڑھیا نے اُسے دوبارہ زندہ دیکھا تو بڑی حیران ہوئی اور خوفزدہ سی ہو کر دور ہٹ گئی لیکن جب شہزادے نے اس چادر کی ساری بات بتائی، تو وہ خوشی میں اس سے لپٹ گئی اور کہا -

"بیٹا! میری خوشی تو اسی میں ہے کہ اب چاہے کچھ بھی ہو تو شہزادی کلاں کو لیکر ہی آ - "

اس پر شہزادے نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا -

" ماں! تم فکر نہ کرو - میں شہزادی کو ضرور لاؤں گا - "

جب رات ہوگئی تو شہزادہ اسی طرح آهسته سے اٹھا اور کھڑاؤں پہن کر بولا -

" اے کھڑاؤں! مجھے شہزادی کو کلاں کے محل میں پہنچادو - "

اس نے اتنا کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ شہزادی کے محل میں تھا - شہزادی تو اس کی طرف سے بے غم ہوچکی تھی - اسے معلوم تھا کہ اس کی چیزیں چرانے والا نوجوان پھانسی پاچکا ہے - اس لئے وہ گہری نیند سورہی تھی - شہزادے نے آهسته سے اس کی انگشتری اٹھائی اور واپس آکر اپنے گھر میں سو رہا - دوسرے روز صبح شہزادی جب بیدار ہوئی تو اس نے دیکھا، پھر اس کی انگشتری غائب ہے - اب بھلا انگشتری کون لے جاسکتا تھا؟ چور کو تو پھانسی ہوچکی تھی - اس نے دل میں سوچا -

" شاید میں کہیں رکھ کے بھول گئی ہوں - "

وہ اتنا سوچ کر خاموش ہو رہی - لیکن دوسری رات پھر شہزادہ اس کا ہار اٹھا لایا - صبح جب شہزادی نے یہ دیکھا کہ آج اس کا ہار غائب ہے تو اس کا دل دھڑکا - لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جب چور کو پھانسی دیدی گئی ہے تو اب یہ چیزیں کون چرا رہا ہے ؟ کنیزوں باندیوں میں اتنی جراءت نہیں ہوسکتی تھی کہ شہزادی کی بیش قیمت چیزیں چرالیں اور باہر سے کوئی محل میں آ نہیں سکتا تھا - شہزادی اسی شش و پنج میں تھی کہ تیسری رات شہزادہ جب شہزادی کے محل میں گیا تو اپنے ساتھ اپنی چادر اور دیگ بھی لیتا گیا - محل میں پہنچ کر وہ دبے پاؤں شہزادی کی مسہری کے پاس گیا - اس وقت شہزادی کوکلاں گہری نیند سو رہی تھی - شہزادے نے ہولے سے اپنا ایک پاؤں مسہری کے ساتھ باندھ دیا اور کھڑاؤں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا -

" اے کھڑاؤں ! مجھے میرے وطن میرے باپ کے شاہی باغ میں لے چلو - "

اتنا کہنے کے ساتھ ہی وہ شہزادی کوکلاں کی مسہری سمیت فضا میں اڑنے لگا اور چند ہی لمحوں میں اپنے ملک پہنچ گیا - جب وہ اپنے باپ کے شاہی باغ میں اترا تو شہزادی ابھی تک مسہری پر گہری نیند میں تھی - شہزادہ اسے اس طرح سوتے ہوئے دیکھ کر سوچنے لگا -

" ابھی رات باقی ہے - کیوں نہ تھوڑی دیر میں بھی آرام کرلوں اب شہزادی کہیں جا تو سکتی نہیں - "

اور یہ سوچ کر اس نے مسہری سے بندھا ہوا اپنا پاؤں کھول دیا - اس کے بعد اس نے اپنی تینوں چیزیں قریب ہی رکھ دیں اور خود بھی مسہری پر ایک طرف لیٹ کر سو گیا -

صبح ہی صبح جب شہزادی کوکلاں نیند سے بیدار ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو محل کی بجائے ایک باغ میں سوئے ہوئے پایا - وہ بڑی حیران تھی یہ کیا ماجرا ہے ؟ اس نے دیکھا تو ایک طرف شہزادہ بے خبر سو رہا تھا اور مسہری کے پاس ہی زمین پر ایک چادر، ایک دیگ اور کھڑاؤں رکھی ہوئی تھی - یہ دیکھ کر شہزادی سمجھ گئی کہ یقیناً یہ نوجوان مجھے ان

چیزوں کی مدد سے اڑا کر یہاں لے آیا ہے - وہ دھیرے سے مسہری سے نیچے اتری اور پھر گہری نیند سوئے ہوئے شہزادے کو نہایت آہستہ سے اٹھاکر زمین پر لٹادیا - شہزادہ اس وقت اس قدر بے خبر سویا ہوا تھا کہ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ اس کا جادو اسی پر چل رہا ہے - جب شہزادی اسے زمین پر لٹاچکی تو اس نے دیگ، چادر اور کھڑاؤں کو مسہری پر رکھا اور دیگ کو مخاطب کرتے ہوئے بولی ۔

" اے دیگ ! مجھے وہیں لے چل جہاں سے لائی ہے - "

مگر مسہری اپنی جگہ سے نہ ہلی - اس نے اب چادر کو مخاطب کرکے کہا -

" اے چادر! مجھے وہیں لے چل جہاں سے لائی ہے - "

لیکن اس بار بھی مسہری اسی جگہ پڑی رہی - شہزادی کو یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں شہزادہ جاگ نہ پڑے - اب کی اس نے کھڑاؤں پہن کر مسہری کو پکڑلیا اور بولی -

" اے کھڑاؤں ! مجھے وہیں لے چلو جہاں سے لائی ہو - "

کھڑاؤں سے اس کا اتنا کہنا تھا کہ آن کی آن میں شہزادی مسہری سمیت اپنے محل میں جا پہنچی - وہ شہزادے کی تینوں چیزیں بھی اپنے ساتھ لے آئی تھی -

ادھر جب شہزادہ دن چڑھے اٹھا تو یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا کہ وہاں نہ شہزادی کوکلاں تھی اور نہ اسے اپنی تینوں چیزیں دکھائی دے رہی تھیں - اب وہ دل میں پچھتا رہا تھا کہ کاش میں یوں بے خبر نہ سوتا !

لیکن اب تو جو ہونا تھا، وہ ہوچکا تھا - وہ جس طرح پہلے اپنے گھر سے خالی ہاتھ نکلا تھا اسی طرح ایک بار پھر بے سرو ساماں ہوکر رہ گیا تھا - ایک تو اس کے جی میں آئی کہ

" کیوں نہ باپ کے پاس چلا جاؤں - "

مگر پھر اس نے اپنے دل میں اس بات کا پکا ارادہ کرلیا کہ

" اب تو چاہے کچھ ہو، میں شہزادی کوکلاں کو ساتھ لیکر ہی گھر جاؤں گا - "

اور یہی کچھ سوچ کر وہ اپنے ماں باپ سے ملے بغیر پھر واپس شہزادی کوکلاں کے دیس کی طرف چل دیا -

کاٹے کوسوں کا سفر اور شہزادہ پیدل - نہ کوئی ساتھی اور نہ سہارا لیکن اس نے مشکلات اور مصائب کی پروا نہ کی اور همت سے کام لے کر اپنا سفر جاری رکھا - وہ دن رات چلتا اور جب کہیں تھک کر نڈھال هوجاتا تو وهاں کچھ دیر آرام کرلیتا - جنگلوں میں سے پھل پھلاری کھاکر پیٹ بھر لیتا اور پھر سے اپنا سفر جاری رکھتا - اسی طرح چلتے چلاتے ایک روز وہ نہ جانے کس منزل سے گذر رها تھا کہ تھک هار کر بے دم سا هوگیا - اس نے دل میں سوچا -

" چند گھڑیاں آرام کرلوں - پھر آگے چلوں گا - "

قریب هی ایک بہت بڑا گھنا درخت تھا ، وہ اس کی چھاؤں میں لیٹ گیا - اس درخت کی دو شاخوں پر ایک طوطا اور ایک مینا بیٹھے هوئے تھے - شہزادہ ابھی غنودگی کے عالم هی میں تھا کہ اس نے سنا ، طوطا اور مینا آپس میں باتیں کر رہے تھے - مینا کہنے لگی -

" اے طوطے ! کوئی بات سناؤ - "

جواب میں طوطا بولا -

" پہلے تم سناؤ ! "

اس پر مینا نے کہا -

" جس شاخ پر میں بیٹھی هوں اگر اس شاخ کے کوئی پتے کھالے تو وہ انسان سے بندر بن سکتا ھے - "

اس کے جواب میں طوطے نے کہا -

" یہ کون سا کمال ھے - جس شاخ پر میں بیٹھا هوں ، اگر بندر بننے والا آدمی اس کے پتے کھالے تو وہ دوبارہ انسان کے روپ میں آسکتا ھے - "

طوطا اور مینا تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد اڑ گئے - ان کے جاتے هی شہزادے نے اٹھ کر دونوں شاخوں سے تھوڑے تھوڑے پتے توڑ کر الگ الگ باندھ لئے - اور اس کے بعد وہ پھر سے اپنی منزل کی طرف چل دیا -

شہزادی کوکلاں کا شہر اتنا دور تھا کہ شہزادہ نہ جانے کتنا عرصہ سفر کرتا رہا - راستے میں کوئی شہر آجاتا تو وہ کچھ روز وہاں ٹھہر جاتا - تھوڑی بہت محنت مزدوری کرتا اور اس کے بعد پھر آگے کی طرف چل دیتا - اس طرح کئی برسوں کے بعد آخر کار وہ پھر سے شہزادی کوکلاں کے شہر میں پہنچ گیا - وہاں پہنچ کر وہ سیدھا اسی بڑھیا کے پاس گیا - اسے اپنی بپتا کی پوری کہانی سنائی اور پھر پہلے کی طرح اس کا بیٹا بن کر رہنے لگا -

شہزادہ شہزادی کوکلاں کے شہر پہنچ تو گیا تھا لیکن اڑنے والی کھڑاؤں نہ ہونے کی وجہ سے اب وہ بے بس تھا - اب نہ وہ رات کے وقت شہزادی کے محل میں جا سکتا تھا اور نہ اس سے ملنے کی کوئی اور سبیل تھی - اس پر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگا جس سے اپنی کھوئی ہوئی دیگ ، چادر اور کھڑاؤں دوبارہ حاصل کرسکے - اس نے کچھ روز شہر میں ادھر ادھر محنت مزدوری کی اور جب چار پیسے جمع ہوگئے تو ایک روز وہ بہت سے لڈو لایا - اس نے ان لڈوؤں میں سے پانچ لڈو الگ کرکے ان میں درخت کے وہ پتے پیس کر ڈال دیئے جو وہ ساتھ لایا تھا اور جن کے کھانے سے انسان بندر بن جاتا تھا - اس کے بعد اس نے بوڑھی بھٹیارن سے کہا -

"ماں ! آج تم میرا ایک بہت ضروری کام کردو -"

بڑھیا خوش ہوکر بولی -

"بتاؤ بیٹا ! کیا کام ہے ؟ میں ضرور کروں گی -"

شہزادے نے اسے وہ سارے لڈو دیئے اور کہا -

"یہ تمام لڈو شہزادی کوکلاں کے محل میں لے جاؤ اور وہاں اس کی سہیلیوں اور کنیزوں کو بانٹ دینا - جب کوئی پوچھے تو کہہ دینا ، میرے بیٹے کے گھر میں خوشی ہوئی ہے -"

اتنا کہنے کے بعد اس نے وہ پانچ لڈو بھی اسے دیئے جن میں اس نے درخت کے پتے پیس کر ڈال دیئے تھے اور ساتھ ہی کہا -

"اور یہ پانچ لڈو صرف شہزادی کو دینا یہ کسی اور کو ہرگز مت دینا!"

بڑھیا بولی -

"اچھا بیٹا! میں ایسے ہی کروں گی۔"

بڑھیا لڈو لیکر محل میں چلی گئی اور شہزادے کی ہدایت کے مطابق اس نے سارے لڈو شہزادی کوکلاں کی سہیلیوں اور کنیزوں میں بانٹ دیئے - اس کے بعد وہ الگ سے رکھے ہوئے پانچ لڈو لیکر شہزادی کے پاس گئی اور اسے پیش کرتے ہوئے کہا -

"میرے بیٹے کے ہاں خوشی ہوئی ہے - میں چاہتی ہوں میری خوشی میں آپ بھی شریک ہوں۔"

شہزادی کو بھلا لڈوؤں کی کیا ضرورت تھی لیکن اس نے بڑھیا کا دل رکھنے کی خاطر اس سے وہ پانچوں لڈو لیکر رکھ لئے - رات کو جب وہ سونے کے لئے مسہری پر لیٹی تو یوں ہی اس کا جی چاہا اور اس نے ایک لڈو اٹھالیا - سوچا -

"آخر لڈو کھانے میں کیا حرج ہے؟"

اور یہ خیال کرکے اس نے وہ لڈو کھالیا - لڈو کھانے کی دیر تھی کہ حسین و جمیل شہزادی کوکلاں دیکھتے ہی دیکھتے بندریا کے روپ میں بدل گئی - دوسرے روز صبح جب بادشاہ کو اس بات کا علم ہوا کہ شہزادی بندریا بن گئی ہے تو بہت گھبرایا - پہلے تو اسے یقین ہی نہ آتا تھا - کہنے لگا -

"یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان بندر بن جائے؟"

مگر جب اس نے خود آکر، اپنی آنکھوں سے شہزادی کو بندریا کے روپ میں دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا - ایسا عجیب و غریب واقعہ تو اس نے زندگی میں نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا تھا - اسے یہ خیال بھی تھا کہ

"لوگ کیا کہیں گے — شہزادی بندریا بن گئی!"

بڑی بدنامی کی بات تھی - بادشاہ نے ملک کے کونے کونے سے وید حکیم بلوائے، دیس بدیس کے جادوگروں اور سیانوں

سے رابطہ قائم کیا لیکن کوئی بھی شخص شہزادی کو دوبارہ انسانی روپ میں نہ لاسکا - جب بادشاہ ہر طرح کی کوشش کرکے تھک ہار گیا تو اس نے پورے ملک میں ڈونڈی پٹوادی اور اعلان کردیا کہ

"جو شخص شہزادی کو دوبارہ انسانی روپ میں لے آئیگا اسے آدھی بادشاہی دینے کے علاوہ شہزادی کی اس سے شادی کردی جائے گی۔"

اس اعلان کے بعد دور دور سے وید سیانے اور جادو ٹونے کرنے والے آ آ کر قسمت آزمائی کرنے لگے مگر کسی سے بھی شہزادی دوبارہ انسانی روپ میں نہ آسکی اور یہ دیکھ کر بادشاہ روز بروز مایوس ہوتا گیا -

ایک روز شہزادے نے حلیہ تبدیل کیا اور اپنے آپ کو سادھو ظاہر کرتے ہوئے دربار میں پہنچ گیا - وہاں پہنچ کر اس نے نوبت بجادی اور دعوی کیا کہ وہ شہزادی کا علاج کرسکتا ہے - شاہی خادموں نے اسی وقت اسے بادشاہ کے حضور میں پیش کردیا - بادشاہ نے اسے دیکھا تو پوچھا -

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو ؟"

شہزادہ جو اس وقت سادھو کے بھیس میں تھا اس نے جواب دیا -

"جہاں پناہ! میں ایک سادھو ہوں اور شہزادی کا علاج کرنے آیا ہوں - "

اس پر بادشاہ مایوسی کے لہجے میں بولا -

"اے سادھو! میرے ملک کے بڑے بڑے ماہر اس کے علاج میں ناکام ہوچکے ہیں - تم اس کا علاج کیا کروگے ؟"

شہزادے نے کہا -

"عالی جاہ! مایوسی گناہ ہے - میں بھی قسمت آزمائی کے لئے آیا ہوں - "

یہ سن کر بادشاہ کہنے لگا -

"مگر یہ بات ذہن میں رکھ لو کہ اگر تم شہزادی کو دوبارہ انسانی روپ میں نہ لاسکے تو تمہاری سزا موت ہوگی -"

شہزادہ سر جھکا کر بولا -

" مجھے منظور ہے - "

پھر اس نے بادشاہ سے عرض کیا -

" لیکن اس سلسلے میں مجھے چند روز کی مہلت دی جائے اور اس کے ساتھ ہی مجھے شہزادی کے محل میں رہنے کی اجازت مرحمت کی جائے - "

بادشاہ نے اسی وقت خادموں کو حکم دیا کہ

" اس سادھو کو محل میں شہزادی کے پاس پہنچادیا جائے - "

اسے چند روز کی مہلت بھی دیدی گئی تھی - گو بادشاہ اسے شہزادی کے علاج کی اجازت دے چکا تھا لیکن اسے اس بات کا کامل یقین تھا کہ اب شہزادی کو کوئی انسانی روپ میں نہیں لاسکتا - سب کوششیں بیکار ہیں -

بادشاہ کے حکم کے مطابق شہزادے کو شہزادی کوکلاں کے پاس محل میں پہنچا دیا گیا - وہاں پہنچ کر اس نے کنیزوں باندیوں سے کہا -

" ہمیں اکیلا چھوڑ دیا جائے ! "

اور جب سب کنیزیں اور باندیاں وہاں سے چلی گئیں تو اس نے شہزادی کو چھیڑتے ہوئے کہا -

" دیکھا مجھے چھوڑ کر بھاگ آنے کی سزا ؟ "

شہزادی جو اس وقت بندریا کے روپ میں تھی ، اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی -

" خدا کے لئے میری خطا معاف کر دو اور مجھے اس عذاب سے نجات دلاؤ - "

اس پر شہزادہ بولا -

" پہلے یہ بتاؤ کہ میری دیگ ، چادر اور کھڑاؤں کہاں رکھی ہیں ؟ "

جواب میں شہزادی خاموش رہی تو وہ پھر بولا -

" یاد رکھو ! جب تک یہ تینوں چیزیں میرے حوالے نہیں کروگی میں تمھیں انسانی روپ میں نہیں لاؤں گا ! "

شہزادی اس وقت مجبور تھی - وہ تو ہر صورت میں اس مصیبت سے چھٹکارا چاہتی تھی - اس لئے اس نے شہزادے کو بتادیا کہ تمھاری تینوں چیزیں وہاں رکھی ہیں جاکر لے لو- یہ سن کر شہزادے نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی چیزیں قبضے میں کیں اور پھر شہزادی کو ان پتوں کا لڈو کھلایا جنہیں کھاکر دوبارہ انسان کے روپ میں بدلا جاسکتا تھا - بندریا نے لڈو کھایا ہی تھا کہ آن کی آن میں شہزادے کے سامنے حسین و جمیل شہزادی کوکلاں بیٹھی ہوئی تھی - اسی وقت بادشاہ کو خبر کردی گئی کہ

" شہزادی پھر سے انسانی روپ میں آگئی ہے -"

وہ دربار چھوڑ چھاڑ کے دوڑا دوڑا محل میں آیا تو دیکھا، واقعی اس کے سامنے شہزادی موجود تھی - یہ دیکھتے ہی بادشاہ نے بیٹی کو گلے لگالیا اور محلوں میں ہر طرف خوشیاں منائی جانے لگیں - ان خوشیوں میں بادشاہ کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس نے شہزادی کا علاج کرنے والے سے شہزادی کی شادی کا وعدہ کیا تھا - چنانچہ شہزادے نے بادشاہ کو اس کا عہد یاد دلاتے ہوئے عرض کیا -

" جہاں پناہ! میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہے، اب آپ اپنا قول پورا کریں -"

عین اس وقت بادشاہ کے دل میں خیال آیا -

" میری بیٹی شہزادی ہے - اس کی شادی اس سادھو سے کیسے کی جاسکتی ہے ؟"

اس نے شہزادے سے کہا -

" تم ایک غریب اور جہاں گرد سادھو ہو- تم شہزادی سے کیسے شادی کرسکتے ہو ؟ اگر تم چاہو تو اس کے بدلے میں جتنی دولت چاہو لے سکتے ہو -"

مگر شہزادہ بولا -

" عالی جاہ! آپ نے مجھے قول دیا ہے - اور بادشاہوں کا قول کبھی جھوٹا نہیں ہوتا -"

اب بادشاہ بڑا شش و پنج میں پڑگیا - کیا کرے اور کیا

نہ کرے؟ اگر بیٹی کی شادی کردے تو شہزادی کی زندگی تباہ ہوجائے گی اور اگر انکار کرے تو قول سے جھوٹا پڑتا ہے۔ وہ اسی سوچ بچار میں کھویا ہوا تھا کہ یکایک شہزادے نے اپنا سادھو کا بھیس اتار دیا - اور پھر بادشاہ نے دیکھا، اس کے سامنے سادھو کی بجائے ایک حسین نوجوان کھڑا تھا - اس کے بعد شہزادے نے بادشاہ کو اپنی ساری داستان سنائی اور بتایا کہ وہ بھی ایک شہزادہ ہے - کس طرح اس کے والدین کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی - پھر ایک بزرگ کی دعا سے وہ پیدا ہوا اور پھر کس طرح اسے بارہ سال کی عمر کو پہنچ کر مرجانا تھا - اسی لئے بارہ برس کا ہونے پر شہزادی کو کلاں کی چیزیں چرانے پر اسے پھانسی دیدی گئی اور اس طرح اس بزرگ کی بات سچ ثابت ہوئی - پھر وہ چوروں سے حاصل کی ہوئی چادر سے زندہ ہوگیا - اس کے بعد وہ شہزادی کو لے گیا اور جب شہزادی اسے چھوڑ کے چلی آئی تو وہ کئی برسوں کا سفر طے کرکے دوبارہ اسے حاصل کرنے کے لئے یہاں تک پہنچا - پھر اس نے کس طرح شہزادی کو بندریا بنایا اور اب کس طرح پھر سے اسے انسانی روپ میں لے آیا ہے - یہ سب بتانے کے بعد وہ بادشاہ سے بولا -

"میں نے جہاں پناہ کو اپنی داستان سنادی ہے - اب حضور جو فیصلہ کریں مجھے منظور ہے -"

بادشاہ اس کی کہانی سے بہت متاثر ہوا اور اب جب اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شہزادی کا علاج کرنے والا سادھو نہیں بلکہ ایک شہزادہ ہے تو وہ بہت خوش ہوا - اس نے بڑھ کے اسے گلے لگالیا اور کہا -

"شہزادی کی شادی تم سے ہوگی -"

پھر اس نے وزیر کو حکم دیا -

"آج ہی شادی کی تیاریاں شروع کردی جائیں -"

اس موقعے پر شہزادے نے عرض کیا -

"عالی جاہ! مجھے ایک بات کی اور اجازت دی جائے -"

"وہ کیا؟ کہو جو مرضی ہے کہو -"

بادشاہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا - اس پر شہزادہ بولا -

" جہاں پناہ ! مجھے اپنے ماں باپ سے بچھڑے ہوئے بارہ برس ہوچکے ہیں - جب میں گھر سے نکلا تھا تو بارہ برس کا تھا اور اب چوبیس برس کا ہوچکا ہوں - ان بارہ برس کے عرصہ میں ان کا نہ جانے کیا حال ہوا ہوگا ؟ وہ تو یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ میں بارہ برس کا ہوکر مرچکا ہوں مگر خدا کی قدرت سے میں اب تک زندہ ہوں - اس لئے میں چاہتا ہوں اپنی اس خوشی میں اپنے ماں باپ کو بھی شریک کروں - "

بادشا نے اسی وقت شہزادے کے ماں باپ کے پاس اپنے ایلچی بھیج دئے کہ وہ وہاں جاکر شہزادے کے زندہ ہونے اور اس کی شادی کی اطلاع پہنچائیں - اور خود بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا -

چند روز میں شہزادے کے ماں باپ بھی شاہی اہتمام سے وہاں پہنچ گئے - انہوں نے پورے بارہ برس کے بعد بیٹے کو دیکھا تھا - وہ تو یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ان کا بیٹا مرچکا ہے لیکن اب جو اسے اپنے سامنے زندہ دیکھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا - ماں باپ نے اسے گلے لگایا اور شہزادہ بھی ان سے مل کے بہت خوش ہوا -

جس روز شہزادے اور شہزادی کوکلاں کی شادی ہورہی تھی ، اس روز تمام لوگ یہ دیکھ دیکھ کر حیران ہورہے تھے کہ صرف ایک چھوٹی سی دیگ میں پکے ہوئے چاول پورے شہر میں تقسیم ہو رہے تھے لیکن اس کے باوجود وہ دیگ اسی طرح بھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی—اور پھر لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ شہزادے کے ساتھ ساتھ ایک بوڑھی عورت بھی تھی جسے کوئی نہیں جانتا تھا مگر وہ خوشی میں پاگل ہوئی جارہی تھی - کہتے ہیں ، وہ دن اور آج کا دن ، پھر کسی بھٹیارن کے پاس کوئی شہزادہ آکر نہیں ٹھہرا اور نہ ہی اس کا بیٹا بنا - بعض کا کہنا ہے کہ اب چندے آفتاب و چندے مہتاب شہزادی کوکلاں ہی نہیں رہی تو پھر حسین و جمیل شہزادہ کہاں سے آکر بھٹیارن کا بیٹا بنے گا -

گیدڑ کا وعدہ

پرانے زمانے کا ذکر ہے - کسی شہر میں ایک جولاہا رہتا تھا جو غیر شادی شدہ تھا - اس نے اپنے گھر ہی میں ایک ہاتھ کی کھڈی لگا رکھی تھی جس پر وہ دن بھر کپڑا بنتا اور اس سے جو تھوڑی بہت آمدنی ہوتی اس سے اس کی گذر بسر ہوجاتی - اس کی آمدنی اتنی کم تھی کہ مشکل سے اپنا پیٹ بھر سکتا تھا اسی لئے اس نے اپنی شادی کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا - ایک دن ایسا ہوا کہ اس کا جی چاہا ، آج کھچڑی کھائی جائے - اس نے کئی دنوں سے کھچڑی نہیں کھائی تھی - چنانچہ وہ بازار سے چاول اور مونگ کی دال خرید کر لایا اور بڑے چاؤ سے کھچڑی تیار کی - جب کھچڑی پک کر تیار ہوگئی تو اس نے اسے ایک بڑی سی تھالی میں ڈال کر رکھ دیا تاکہ ٹھنڈی ہوجائے - پھر اس نے سوچا -

"جب تک کھچڑی ٹھنڈی ہوتی ہے اتنی دیر میں ، آج کا بنا ہوا کپڑا دکان دار کو دے آتا ہوں -"

یہ سوچ کر وہ کھچڑی کو وہیں چھوڑ کر خود کپڑا بیچنے کے لئے بازار چلا گیا - اتفاق سے اتنے میں ایک گیدڑ بھی جنگل سے گھوستا گھاستا ادھر آنکلا - اس نے جولاہے کا گھر خالی دیکھا تو اندر گھس آیا - آگے نظر پڑی تو ایک بڑی سی تھالی میں تازہ تازہ کھچڑی رکھی ہوئی تھی - گیدڑ بھوکا تو تھا ہی ، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور جلدی جلدی کھچڑی کھانے میں لگ گیا مگر ابھی وہ پوری کھچڑی ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اچانک باہر سے جولاہا آگیا - اسے تو خود جلدی تھی کہ جلدی سے گھر جاؤں اور کھچڑی کھاؤں - اس لئے وہ اونے پونے داموں کپڑا بیچ کر الٹے پاؤں گھر آگیا تھا - لیکن اب جو اس نے واپس آکر یہ دیکھا کہ گیدڑ مزے سے

کھچڑی کھارہا ہے تو اس نے جلدی سے دروازے کے کواڑ بند کئے اور گیدڑ کو پکڑ کے رسی سے باندھ دیا ۔ اس کے بعد اس نے ایک موٹا سا ڈنڈا پکڑا اور اس کی جی بھر کے مرمت کی ۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اٹھتا اور ڈنڈا لیکر گیدڑ کی ٹھکائی شروع کردیتا اور جب تھک جاتا تو پھر اپنے کام کاج میں لگ جاتا ۔ گیدڑ دل میں سوچنے لگا۔

''اگر یہ مجھے اسی طرح مارتا رہا تو میرا زندہ بچنا محال ہے ۔''

وہ مار بھی کھائے جارہا تھا اور وہاں سے بچ نکلنے کی ترکیبیں بھی سوچ رہا تھا مگر بندھا ہوا تھا، بھاگ سکتا نہیں تھا ۔ لہذا مجبوراً پٹ پٹا کر خاموش ہوجاتا ۔

رات جوں توں کرکے گذرگئی ۔ اور پھر جب دوسرے روز جولاھا حسب معمول اپنا بنا ہوا کپڑا بیچنے کے لئے بازار گیا تو گیدڑ سوچنے لگا، یہی موقع ہے بچ نکلنے کا ۔ کوئی نہ کوئی ترکیب کرنی چاہئیے ۔ وہ کچھ دیر تک بیٹھا سوچتا رہا اور آخر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی ۔ اس نے تین چار گھیرے لیکر اپنے آپ کو رسی میں اور بھی جکڑ لیا اور اس کے بعد زور زور سے اس طرح چیخنے لگا جیسے اپنے ساتھیوں کو بلا رہا ہو۔ وہاں سے جنگل بالکل قریب ہی تھا، اس لئے جب دوسرے گیدڑوں نے اس کی آواز سنی تو جواب میں وہ بھی اونچی آواز میں بولنے لگے ۔ جنگل میں جو گیدڑ اس کے جواب میں بولنے لگے تھے ان میں ایک گیدڑ ایسا بھی تھا جو اس گیدڑ کا دوست تھا جو کھچڑی کھاکر مصیبت میں پھنس گیا تھا ۔ اس نے جب اپنے دوست کی آواز سنی تو یہ جاننے کے لئے کہ وہ اس وقت کہاں ہے، اس نے اور زیادہ زور سے بولنا شروع کردیا ۔ جب اس کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اس کا دوست شہر میں ہے تو وہ اس کی تلاش میں اس طرف چلا آیا اور پھر ڈھونڈتا ڈھونڈتا جولاہے کے گھر تک آگیا ۔ اس نے کان لگا کر سنا تو اس کے ساتھی کی آواز اسی گھر میں سے آرہی تھی ۔ یہ دیکھ کر اس نے گھر کے اندر جھانکا تو دیکھا آگے وہ رسیوں میں بندھا ہوا تھا ۔ اس نے اندر آکر حیران ہوتے ہوئے اس سے پوچھا ۔

'' کیوں دوست ؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو ؟ ''

رسیوں میں بندھے ہوئے گیدڑ کی اس وقت تک اس قدر پٹائی ہوچکی تھی کہ اس کا سارا جسم سوج گیا تھا اور اس وجہ سے وہ بہت موٹا تازہ دکھائی دے رہا تھا ۔ جب اس کے دوست نے اس سے یہ پوچھا کہ وہ یہاں کیا کررہا ہے ، تو اس نے اپنے درد کو چھپاتے ہوئے ، قدرے مسکرا کے کہا ۔

" ہم تو عیش کر رہے ہیں دوست ! تم جنگلوں میں مارے مارے پھرو ۔ "

دوسرے گیدڑ نے اس کی طرف دیکھا تو واقعی وہ موٹا تازہ ہورہا تھا ۔ اس نے رشک بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا ۔

" پھر بھی کچھ مجھے بھی تو بتاؤ ۔ تمھیں یہ عیش کیسے حاصل ہوا ؟ "

رسیوں میں بندھے ہوئے گیدڑ نے بڑی چالاکی اور مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا ۔

" میں تمھیں اس کا راز بتانے پر تیار ہوں ۔ مگر ایک شرط پر ! "

" وہ کیا ؟ مجھے جلدی بتاؤ ۔ "

دوسرے گیدڑ نے اشتیاق سے دریافت کیا ۔

" وہ شرط یہ ہے کہ تم وعدہ کرو کسی اور کو نہیں بتاؤ گے ۔ "

" بالکل نہیں ! ہرگز نہیں ! تم مجھ سے وعدہ لے سکتے ہو ۔ "

اس کے جواب میں بندھے ہوئے گیدڑ نے کہا ۔

" دراصل بات یہ ہے کہ ایک بہت ہی نیک اور رحم دل آدمی نے مجھے پکڑ لیا ہے ۔ وہ میری بہت زیادہ حفاظت کر رہا ہے ۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ اس نے مجھے رسیوں میں جکڑ رکھا ہے تاکہ میں اسے چھوڑ کر نہ چلا جاؤں ۔ "

اس نے اپنے جسم سے بندھی ہوئی رسیوں کی طرف اشارہ کیا اور بولا ۔

" دیکھو میں صرف دو روز میں کس قدر موٹا ہوگیا ہوں ۔ وہ آدمی روزانہ مجھے حلوہ پوریاں کھلاتا ہے ۔ اور میری بہت خدمت کرتا ہے ۔ "

دوسرا گیدڑ اس کی باتیں سن رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ اے کاش! یہ موقع مجھے مل جائے۔ حلوہ پوریوں کے نام ہی سے اس کے منہ میں پانی آرہا تھا۔ بندھے ہوئے گیدڑ نے جب یہ دیکھا کہ اس کا دوست گیدڑ اس کے قریب میں آچکا ہے تو وہ آہستہ سے بڑی رازداری سے کہنے لگا۔

"تم میرے دوست ہو۔ میں تمھارے لئے یہ کرسکتا ہوں کہ تم میری رسیاں کھول دو اور میں تمھیں اپنی جگہ باندھ دیتا ہوں۔ اس طرح تم بھی دو تین روز میں بالکل میری طرح موٹے تازے ہوجاؤگے اور مزے کروگے۔"

باہر سے آنے والا گیدڑ بیوقوف تو بن ہی گیا تھا۔ وہ خوش ہوکر بولا۔

"ہاں دوست! اچھا ہے، تمھاری مہربانی سے میں بھی دو چار روز حلوہ پوریاں کھالوں گا۔ لو میں تمھاری رسیاں کھولتا ہوں۔ تم اپنی جگہ مجھے باندھ دو۔"

اس کے بعد اس نے بندھے ہوئے گیدڑ کی رسیاں کھول دیں۔ بندھے ہوئے گیدڑ نے خود آزاد ہوکر اپنی جگہ اسے باندھ دیا۔ اور وہاں سے چلتا بنا۔

ادھر جب جولاہا اپنا کپڑا بیچ کر واپس گھر آیا تو اس نے آتے ہی قریب پڑا ہوا ڈنڈا اٹھایا اور گیدڑ کی ٹھکائی شروع کردی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ وہی گیدڑ ہے یا دوسرا؟ اس نے اپنا غصہ نکالنے کے لئے اس پر وہ بے بھاؤ کی برسائیں کہ نیا گیدڑ چیختا رہ گیا۔ وہ بہت گھبرایا کہ یہ کیسا حلوہ پوری ہے جو مجھے مل رہا ہے؟ تھوڑی دیر تک تو وہ پٹتا رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ جولاہا کسی صورت بس ہی نہیں کر رہا تو وہ اس سے کہنے لگا۔

"تم مجھے اس طرح کیوں مار رہے ہو؟ میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟"

ادھر جولاہے نے جب یہ دیکھا کہ گیدڑ باتیں کررہا ہے تو بہت حیران ہوا۔ سوچنے لگا، اس سے پہلے تو یہ نہیں بولتا تھا اب کیسے باتیں کرنے لگا ہے؟ اس نے دل میں خیال

کیا ، یقیناً پہلے یہ مجھے بیوقوف بنا رہا تھا اسی لئے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی - اب جب کہ اس کی خوب پٹائی ہوچکی ہے تو باتیں بھی کرنے لگا ہے - اس نے اسے ایک دو ڈنڈے اور جڑے اور کہا -

" میں جب تک اپنی کھچڑی کا بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تک تمھیں مارتا رہوں گا - تم نے میری کھچڑی کیوں کھائی تھی ؟ "

گیدڑ کو اب پتہ چلا کہ پہلے گیدڑ نے جولاہے کی کھچڑی کھالی تھی اور اسی لئے اس نے اسے باندھ رکھا تھا - اس نے جولاہے سے کہا -

" میں نے تمھاری کوئی کھچڑی نہیں کھائی - "

اتنا کہہ کر اس نے اسے بتایا -

" میں جب ادھر آیا تو یہاں ایک گیدڑ رسیوں میں بندھا ہوا تھا - اس نے مجھے بتایا کہ اگر تم میری جگہ بندھ جاؤ تو روزانہ حلوہ پوریاں کھانے کو ملیں گی - لہذا میں نے اسے کھول دیا اور وہ مجھے اپنی جگہ باندھ کر خود چلا گیا ہے - اب تم آئے ہو تو تم نے آتے ہی میری پٹائی شروع کردی ہے - "

گیدڑ کی ساری باتیں سن کر جولاہا بولا -

" میں تمھارے سب مکر جانتا ہوں - "

اس کے ساتھ ہی اس نے گیدڑ کی کمر پر دو تین ڈنڈے اور جڑ دیئے - اب تو گیدڑ اور بھی گھبرایا کہ یہ تو مجھے جان سے مار ڈالے گا - چنانچہ اس نے جولاہے کی منت سماجت کرکے کہا -

" اگر تم مجھے آزاد کردو تو میں تمھاری شادی بادشاہ کی بیٹی سے کرا دوں گا - "

" کیا کہا ؟ "

جولاہے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا - اس نے تعجب سے پوچھا -

" بادشاہ کی بیٹی سے میری شادی ؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو ؟ کہاں میں ایک غریب جولاہا اور کہاں شہزادی ؟ کیا تم مجھے

بیوقوف بنا رہے ہو ؟ ،،
مگر گیدڑ نے اسے یقین دلاتے ہوئے جواب دیا ۔
” میں سچ کہہ رہا ہوں ۔ میں تمھاری شادی بادشاہ کی بیٹی سے کرادوں گا ۔ ،،
” کیا واقعی ؟ مگر مجھے تو یقین نہیں آرہا ؟ ،،
جولاہے نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا ۔
” میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں ۔ میں اپنی بات پوری کروں گا ۔ ،،
گیدڑ کی اس یقین دہانی پر جولاہے نے اسے آزاد کردیا ۔ آزاد ہونے کے بعد گیدڑ اس سے کہنے لگا ۔
” تم گھر میں میرا انتظار کرو ۔ میں بہت جلد تمھارے لئے خوش خبری لے کر آؤں گا ۔ ،،
گیدڑ وہاں سے رخصت ہوکر چل دیا اور شہر سے نکل کر سیدھا دریا پر پہنچ گیا ۔ اس نے تیر کر دریا پار کیا اور دوسرے کنارے پر پہنچ کر انسان کا روپ بدل لیا ۔ دریا کے اس پار ایک دوسرے بادشاہ کی سلطنت تھی جس کے محل دریا سے کچھ ھی فاصلے پر واقع تھے ۔ اس نے اپنے آپ کو ایلچی بنالیا اور اس بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا ۔ بادشاہ نے اسے دیکھا تو دریافت کیا ۔
” اے اجنبی ! تو کون ھے اور یہاں کس غرض سے آیا ھے ؟ ،،
جواب میں اس نے سر جھکا کر عرض کیا ۔
” جہاں پناہ ! میں آپ کے پڑوسی ملک کے بادشاہ کا ایلچی ہوں ۔ ،،
بادشاہ نے جب یہ سنا تو اس سے بڑی عزت سے پیش آیا ۔ اپنے قریب بیٹھنے کو جگہ دی اور دریافت کیا ۔
” اے ایلچی ! کہو تمھارے بادشاہ کا ھمارے لئے کیا پیغام ھے ؟ ،،
ایلچی ادب سے بولا ۔
” عالی جاہ ! ھمارا بادشاہ ابھی تک کنوارا ھے اور اس نے آپ کی بیٹی کے لئے پیغام بھیجا ھے ۔ ،،
اتفاق کی بات تھی کہ اس بادشاہ کی ایک بیٹی تھی جو جوان

تھی اور بادشاہ اس کے رشتہ کے لئے پریشان تھا۔ وہ اسی انتظار میں تھا کہ کسی سلطنت سے رشتے کا پیغام آئے تو وہ بیٹی کی شادی کرے۔ اور اب جو اس نے یہ دیکھا کہ پیغام اپنے آپ آگیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے ایلچی سے کہا۔

"ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔"

ساتھ ہی اس نے شادی کی تاریخ بھی طے کردی اور ایلچی کو بہت سے قیمتی تحائف دیکر رخصت کیا۔ ایلچی وہاں سے رخصت ہوکر پھر دریا پر آیا۔ وہاں آکر اس نے دوبارہ گیدڑ کا روپ دھارا اور دریا پار کرکے شہر کی طرف چل دیا۔ شہر میں پہنچ کر وہ سیدھا جولاہے کے پاس گیا۔ آگے جولاہا تو پہلے ہی سے اس کا منتظر تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

"کیا خوشخبری لائے؟"

گیدڑ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تمھاری شادی کی بات طے ہوگئی ہے۔ اور فلاں تاریخ کو تمھاری شادی ہے۔"

یہ سن کر جولاہے نے گھبرا کر کہا۔

"مگر میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ بس اس تاریخ کو تیار رہنا۔"

گیدڑ نے اتنا کہا اور جولاہے کو حیران و پریشان چھوڑ کر چلا گیا۔

حقیقت یہ تھی کہ جولاہے کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی شادی کسی شہزادی سے ہوسکتی ہے۔ یہ ان ہونی بات تھی لیکن جب مقررہ تاریخ کو صبح ہی صبح گیدڑ اس کے پاس پہنچ گیا تو اسے اور بھی تعجب ہوا۔ گیدڑ نے آتے ہی اس سے کہا۔

"جلدی کرو اور میرے ساتھ چلو۔ آج تمھاری شہزادی سے شادی ہے۔"

بھلا جولاہے کو کون سا ساز و سامان لینا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ گیدڑ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ گیدڑ اسے ساتھ لئے

شہر سے باہر آگیا اور پھر وہ دونوں دریا کے کنارے پر پہنچ گئے - اس وقت دریا پر ایک دھوبی کپڑے دھونے کے لئے آیا ہوا تھا - گیدڑ نے اس دھوبی کو سونے کی ایک مہر دی اور کہا -

'' تمہارے پاس جس قدر کپڑے ہیں یہ سب ارد گرد درختوں اور جھاڑیوں پر پھیلادو - ''

دھوبی کو مفت میں سونے کی مہر مل گئی تھی - اسے اور کیا چاہئیے تھا - اس نے اپنے تمام کپڑے جو وہ گٹھے باندھ کر دھونے کے لئے لایا تھا ، گیدڑ کے کہنے کے مطابق دریا کے کنارے والے درختوں اور جھاڑیوں پر پھیلا دیئے - گیدڑ نے جب دیکھا کہ دھوبی نے کپڑے پھیلا دیئے ہیں تو وہ ایک روئی بیچنے والے کے پاس گیا اور اسے سونے کی ایک مہر دیکر کہا -

'' تم دھنی ہوئی روئی کے چند گٹھے دریا کے کنارے پہنچا دو - ''

روئی بیچنے والے نے مہر لیکر دھنی ہوئی روئی کے گٹھے دریا پر پہنچا دیئے - اور جب یہ سب کچھ ہوچکا تو گیدڑ نے جولاہے سے کہا -

'' دیکھو ! اب جیسا میں تم سے کہوں ویسا ہی کرنا - ''

جولاہے نے جواب دیا -

'' ہاں ! جیسے تم کہوگے میں ویسے ہی کروں گا - ''

اس کے بعد گیدڑ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا -

'' میں دریا کے اس پار جارہا ہوں - تم مجھے جاتے ہوئے دیکھتے رہنا - جب یہ دیکھو کہ میں بادشاہ کے محل میں داخل ہورہا ہوں تو دھوبی سے کہنا کہ وہ اپنے تمام کپڑے اتار کر لے جائے جو اس نے درختوں اور جھاڑیوں پر پھیلائے ہیں - اس کے ساتھ ہی تم دھنی ہوئی روئی کے بڑے بڑے گالے بنا کر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دریا میں پھینکنا شروع کردینا - باقی میں سب ٹھیک کر لوں گا - ''

گیدڑ جولاہے کو یہ ہدایت دیکر خود تیر کر دریا کے پار چلا گیا - دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے پھر ایلچی کا

روپ دھار لیا اور بادشاہ کے محل کی طرف چل دیا۔

دوسری طرف بادشاہ شہزادی کی شادی کی پوری تیاریاں کئے بیٹھا تھا اور شاہی بارات کا منتظر تھا۔ اس نے اسی انتظار میں محل پر چڑھ کر دیکھا تو دریا کے دوسری طرف دھوبی نے جو کپڑے درختوں اور جھاڑیوں پر پھیلا رکھے تھے وہ دور سے اسے اس طرح دکھائی دئیے جیسے خیمے لگے ہوئے ہوں۔

انہیں دیکھ کر بادشاہ سمجھا کہ شاہی بارات نے دریا کے دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور اب وہ آیا ہی چاہتی ہے۔ چنانچہ وہ اسی انتظار میں بیٹھا تھا۔

گیدڑ ایلچی کے روپ میں جوں ہی بادشاہ کے محل کے پاس پہنچا پیچھے جولاہے نے اس کی ہدایت کے مطابق دھوبی سے کہا کہ وہ جلدی جلدی اپنے تمام کپڑے درختوں اور جھاڑیوں سے اتار لے۔ اس کے ساتھ ہی وہ دھنی ہوئی روئی کے بڑے بڑے گالے بنا کر دریا میں پھینکنے لگا۔ دریا میں دھنی ہوئی روئی کے ڈوبتے تیرتے بڑے بڑے گالے دور سے یوں دکھائی دے رہے تھے جیسے دریا میں کشتیاں تیر اور ڈوب رہی ہوں۔

ادھر جیسے ہی ایلچی بادشاہ کے محل میں داخل ہوا اس نے رونا پیٹنا شروع کردیا۔ اسے اس طرح روتا پیٹتا دیکھ کر بادشاہ بہت حیران ہوا۔ اس نے گھبرا کے پوچھا۔

"تمھیں کیا ہوا؟ شہزادی کی بارات کہاں ہے؟"

ایلچی نے اسی طرح روتے ہوئے کہا۔

"بادشاہ سلامت! بہت برا ہوا۔ ہمارا بادشاہ بارات کے ساتھ دریا پار کررہا تھا کہ دریا میں اچانک زبردست طوفان آگیا۔ تمام ساز و سامان، امیر و وزیر، رشتہ دار اور فوج کے آدمی کشتیوں سمیت ڈوب گئے۔"

"اور ہمارا ہونے والا داماد کہاں ہے؟ کیا وہ بھی ڈوب گیا؟"

بادشاہ نے پریشان ہوکر دریافت کیا جس کے جواب میں ایلچی کہنے لگا۔

"عالی جاہ! خوش قسمتی سے صرف میں اور بادشاہ سلامت زندہ

بچے ہیں اور وہ بھی تن کے کپڑوں کے ساتھ۔ بلکہ بادشاہ سلامت کا تو لباس بھی جھیر جھیر ہوگیا تھا، ایک غریب آدمی سے کپڑے لیکر انہیں پہنائے گئے ہیں۔"

"مگر وہ اس وقت کہاں ہے؟"

بادشاہ نے بے حد پریشان ہوکر پوچھا۔

"حضور! اس وقت وہ دریا کے کنارے تنہا بیٹھے ہیں۔"

یہ سنتے ہی بادشاہ نے فوراً اپنے وزیروں اسیروں کو حکم دیا کہ ابھی جائیں اور ہمارے ہونے والے داماد کو پوری شان و شوکت کے ساتھ محل میں لائیں۔ حکم کی دیر تھی۔ اسی وقت امیر وزیر فوج کے سپاہی لے کر دریا پر پہنچ گئے۔ اس وقت تک دھوبی اپنے تمام کپڑے سمیٹ کر جاچکا تھا اور دھنی ہوئی روئی کے بڑے بڑے گالے بہہ کر پانی میں ڈوب چکے تھے۔ صرف دوسرے کنارے پر جولاہا اکیلا حیران بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت کشتی کے ذریعے جولاہے کو دریا پار کرایا گیا اور پھر بڑی شان و شوکت اور شاہی اعزاز کے ساتھ محل میں پہنچادیا گیا۔ اس طرح جولاہے اور شہزادی کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہوگئی۔

شادی کے بعد ایلچی نے بادشاہ سے عرض کیا۔

"جہاں پناہ! اگر حضور اجازت دیں تو ایک بات عرض کروں؟"

بادشاہ بولا۔

"ضرور کہو۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔"

ایلچی نے بڑی عاجزی کے ساتھ کہا۔

"عالی جاہ! آپ کے داماد کا سب کچھ لٹ چکا ہے۔ ماں باپ، رشتہ دار، وزیر امیر سب ڈوب گئے ہیں اور اب وہ بالکل تنہا ہیں۔ پیچھے معلوم نہیں اب تک حکومت پر بھی کسی نے قبضہ کرلیا ہو کیوں کہ بارات کی تباہی کی خبر وہاں پہنچ گئی ہوگی۔ اس لئے ان کا واپس جانا بیکار ہے۔ کیوں نہ انہیں یہیں رہنے پر مجبور کیا جائے۔"

بادشاہ پہلے ہی سے یہی سوچ رہا تھا۔ دراصل اسے اپنی بیٹی سے بے انتہا محبت تھی۔ ایک بیٹی کے سوا اس کی کوئی اولاد

نہ تھی - اسے ایلچی کی یہ تجویز پسند آئی - اس نے اپنے دل میں سوچا ، اس طرح بیٹی بھی نظروں کے سامنے رہے گی اور مجھے سلطنت کے کاموں میں ایک ہاتھ بٹانے والا بھی مل جائے گا - اس نے ایلچی سے کہا -

" کیا ہمارا داماد یہ بات مان جائے گا ؟ "

ایلچی جھٹ سے بولا -

"حضور ! یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں - میں انہیں راضی کرلوں گا -"

بادشاہ خوش تھا کہ اب اس کی بیٹی اسی کے پاس رہے گی - چنانچہ شہزادی کو الگ محل دے دیا گیا جہاں جولاہا شاہی شان و شوکت کے ساتھ رہنے لگا - چند روز تک گیدڑ بھی ایلچی کے روپ میں ان کے پاس رہا اور پھر ایک روز جولاہے سے کہنے لگا -

" دیکھو ! میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا ہے - اب مجھے اجازت دو تاکہ میں بھی اپنے ساتھیوں سے جا ملوں - "

جولاہے نے اسے بہت روکنا چاہا لیکن وہ نہ مانا اور رخصت ہو کر ایک بار پھر گیدڑ کے روپ میں آ کر اپنے پرانے ساتھیوں سے جا ملا -

عقلمند عورت

اگلے وقتوں کی بات ہے۔ کسی شہر میں ایک آدمی رہتا تھا۔ اس کی بیوی مرچکی تھی اور اس کا ایک بیٹا تھا جس کے ساتھ وہ ہنسی خوشی زندگی گذار رہا تھا۔ جب ایک بیٹا جوان ہوگیا تو اس نے اس کی شادی کردی۔ اور شادی کے کچھ عرصہ بعد وہ خود بھی اللہ کو پیارا ہوگیا۔

باپ نے اپنے پیچھے اچھی خاصی دولت چھوڑی تھی اس لئے اس کا بیٹا اپنی بیوی کے ساتھ کچھ عرصہ تک تو بڑے مزے اور عیش میں دن گذارتا رہا۔ اس نے نہ تو کوئی تجارت کی اور نہ کہیں ملازمت کے لئے گیا۔ بس گھر میں بیٹھا گلچھرے اڑاتا رہا۔ مگر دولت تو ڈھلتی چھاؤں ہے۔ بھلا کب تک ساتھ دیتی ؟ آہستہ آہستہ ان کی جمع پونجی ختم ہونا شروع ہوگئی۔ اور پھر ایک وقت ایسا آگیا جب ان کے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ کچھ دن تک تو وہ زیور وغیرہ بیچ کر گذر بسر کرتے رہے لیکن وہ بھی کب تک ؟ یہ حالات دیکھ کر اس کی بیوی نے اس سے کہا۔

”بھلے آدمی ! اب تو گھر میں کھانے تک کو نہیں رہا۔ جاؤ، اتنے دن گھر میں بیٹھ کر کھالیا، اب کہیں جاکر کچھ کما کے لاؤ۔“

لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ کوئی ہنر بھی نہیں جانتا تھا۔ باپ جب تک زندہ تھا اس کے پاس پیسے دھیلے کی کمی نہ تھی اس لئے اس نے بیٹے کو کوئی ہنر سکھانے کا سوچا بھی نہ تھا۔ نہ اسے پڑھایا لکھایا تھا اور نہ یہ خیال کیا تھا کہ بیٹے پر کبھی برے دن بھی آسکتے ہیں۔ اب جبکہ وہ ان حالات سے دوچار ہوا تو اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے ؟ دوسری بات یہ تھی کہ اس کی بیوی بے انتہا

خوبصورت تھی۔ مگر وہ جس قدر حسین تھی اتنی ہی عقل مند اور دانا بھی تھی ۔ تاہم وہ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا اور سوچ رہا تھا ۔

" اگر میں یہاں سے کہیں چلا گیا تو ہوسکتا ہے اس کوئی اور لے جائے ۔ "

یہی سوچ سوچ کر وہ کچھ روز تک ٹال مٹول کرتا رہا مگر اس دوران میں گھر کی قیمتی اشیاء ایک ایک کرکے سب بک گئیں اور جب نوبت فاقوں تک آگئی تو بیوی زور دیکر کہنے لگی ۔

" گھر بیٹھے تو کنویں بھی ختم ہوجاتے ہیں ۔ اور اب تو گھر میں کوئی ایسی قیمتی چیز بھی نہیں بچی جسے بیچ کر کچھ دن گذارا کیا جائے ۔ "

پھر اس نے شوہر کو سمجھاتے ہوئے مشورہ دیا ۔

" اگر میری مانو تو کسی دوسرے شہر جاکر قسمت آزمائی کرو۔ ہوسکتا ہے اللہ پھر ہمارے دن پھیر دے اور اچھا وقت ہمارا ساتھ دینے لگے ۔ "

بیوی کی بات اپنی جگہ ٹھیک ہی تھی لیکن اسے یہی دھڑکا تھا کہ کہیں میرے جانے سے بیوی ہاتھ سے نہ چلی جائے ۔ اس لئے وہ کہنے لگا۔

" دراصل میں ایک بات سے ڈر رہا ہوں ۔ "

بیوی پوچھنے لگی۔

" وہ کیا بات ہے ؟ مجھے بھی بتاؤ ۔ "

اس نے جواب میں کہا ۔

" تم بہت خوبصورت ہو اور مجھے ڈر ہے کہ اگر میں کسی دوسرے شہر چلا گیا تو تمھیں کوئی لے جائے گا ۔ پھر میں تمھیں کہاں ڈھونڈوں گا ؟ "

یہ سن کر بیوی نے اسے سمجھایا۔

" تم میری فکر نہ کرو۔ میں اپنی حفاظت خود کرلوں گی ۔ "

مگر شوہر بولا ۔

" مجھے یقین نہیں آتا۔ تم عورت ذات ہو، اپنی حفاظت کیونکر کرو گی ؟ "

بیوی نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب وہ کسی صورت نہ مانا تو اس نے اسے ایک چھوٹی سی ڈبیا دی جس میں ایک نہایت خوبصورت اور خوشبو میں مہکتا ہوا پھول تھا۔ ڈبیا دیکر وہ اس سے بولی۔

" یہ ڈبیا اپنے پاس رکھو۔ اس میں جو پھول ہے، یہ جب تک ترو تازہ رہے گا تم سمجھ لینا میں بالکل ٹھیک ہوں اور گھر میں ہوں—اور اگر کبھی اس پھول کو مرجھایا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ مجھ پر کوئی مصیبت آپڑی ہے۔ "

شوہر کو یہ ترکیب پسند آئی۔ واقعی اس طرح وہ اپنے گھر سے دور رہ کر بھی بیوی کے حالات سے باخبر رہ سکتا تھا اور آسانی سے کہیں بھی جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے بیوی سے کہا۔

" یہ ترکیب ٹھیک ہے۔ اب میں کسی دوسرے شہر جاسکتا ہوں۔ "

اس نے بیوی سے وہ ڈبیا لی اور رخصت ہوکر چل دیا۔

گھر سے نکل کر وہ شمال کی جانب کسی دوسرے شہر کی تلاش میں چل نکلا۔ اور چلتے چلاتے ایک دوسری بادشاہی میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے چند روز نئے حالات اور شہر کا جائزہ لیا۔ پھر کسی نہ کسی طرح اسے شاہی دربار میں نوکری مل گئی اور وہ وہاں رہنے لگا۔

اب یہ اس کا معمول تھا کہ وہ روزانہ صبح و شام، دونوں وقت ڈبیا نکال کر اس میں سے پھول دیکھتا، اسے ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اور مہکتا ہوا پاکر دوبارہ ڈبیا میں بند کرکے جیب میں رکھ لیتا اور اپنے کام کاج میں لگ جاتا۔ اس کے ساتھی دوسرے شاہی ملازم روزانہ اسے اس طرح ڈبیا کھول کر پھول سونگھتے دیکھتے تو بڑے حیران ہوتے۔ یہ بات ان کے لئے عجیب و غریب تھی۔ انہوں نے آج تک کوئی ایسا پھول نہیں دیکھا تھا جو ہمیشہ ترو تازہ رہتا ہو اور جسے کوئی ڈبیا میں بند کرکے رکھتا ہو۔ وہ اس بات سے حیران تھے کہ وہ روزانہ پھول کو

اس طرح دیکھتا اور سونگھتا کیوں ہے ؟ سب ایک دوسرے سے کہتے -

" یارو ! یہ اس طرح باقاعدگی سے روزانہ ڈبیا سے پھول نکال کر کیوں دیکھتا اور سونگھتا ہے ؟ "

مگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی - آخر ایک دن انہوں نے اس سے دریافت کیا -

" تم روزانہ ڈبیا کھول کر اس طرح پھول کو کیوں دیکھتے ہو ؟ اور ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ پھول پہلے روز کی طرح تر و تازہ ہے - مرجھایا تک نہیں - اس میں کیا راز ہے ؟ "

پہلے تو اس نے اپنے ساتھیوں کو باتوں میں ٹالنا چاہا اور بولا -

" نہیں - کوئی خاص بات نہیں — بس پھول ہے ! "

لیکن جب سب نے اسے اصل بات بتانے پر اصرار کیا تو اس نے انہیں بتایا کہ

" دراصل بات یہ ہے کہ میری بیوی بہت زیادہ خوبصورت ہے - جب میں گھر سے چلنے لگا تھا تو مجھے اس بات کا خوف تھا کہ کہیں کوئی شخص میری غیر حاضری میں میری بیوی کو نہ لے جائے - جب میں نے اپنے خدشے کا ذکر اپنی بیوی سے کیا تو اس نے مجھے یہ ڈبیا دیدی جس میں ایک پھول ہے اور ساتھ ہی یہ کہا - اس میں جو پھول ہے یہ جب تک تر و تازہ رہے گا اس وقت تک تم سمجھ لینا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں اور گھر میں ہوں - اور اگر یہ مرجھا جائے تو جان لینا میں کسی مصیبت میں گرفتار ہوں یا کہیں چلی گئی ہوں - "

اتنا کہہ کر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا -

" اسی لئے میں روزانہ ڈبیا کھول کر دیکھ لیتا ہوں کہ پھول تر و تازہ ہے یا مرجھا گیا ہے ! "

اس کے ساتھیوں نے جب اس کی یہ بات سنی تو وہ اور بھی متعجب ہوئے - ایسی عجیب و غریب بات تو انہوں نے نہ کبھی سنی اور نہ دیکھی تھی - انہوں نے بادشاہ کے پاس جا کر عرض کیا -

"جہاں پناہ ! اگر جان کی امان پائیں تو ایک ایسی عجیب و

غریب بات عرض کریں جو حضور نے آج تک نہ سنی ہوگی اور نہ کبھی دیکھی ہوگی۔"

بادشاہ حیران ہوکر بولا۔

"وہ کون سی بات ہے جو مابدولت کے علم میں نہیں ہے؟"

پھر اس نے کہا۔

"ہم تمھیں جان بخشی کا قول دیتے ہیں۔ کہو وہ کیا بات ہے؟"

جواب میں خادموں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

"عالی جاہ! فلاں خادم کے پاس ایک چھوٹی سی ڈبیا ہے جس میں ایک ایسا پھول ہے جو کبھی مرجھاتا نہیں۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

بادشاہ تعجب سے بولا۔

"اگر وہ پھول ہے تو مرجھائے گا بھی!"

جواب میں خادم دست بستہ ہوکر بولے۔

"حضور والا! ہم نے بھی کبھی ایسا پھول نہیں دیکھا لیکن اس خادم کے پاس یہ پھول موجود ہے۔"

پھر انہوں نے بادشاہ کو اس کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"وہ ہر روز، صبح و شام ڈبیا کھول کر اس پھول کو دیکھتا ہے۔ ہم نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے ہمیں بتایا کہ اس کی بیوی انتہائی خوبصورت ہے اور اسے اس بات کا خدشہ تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں کوئی اسے لے جائے گا اس لئے اس کی بیوی نے اسے ڈبیا میں پھول دیا اور کہا۔ تم اسے روزانہ دیکھ لیا کرنا۔ اگر پھول ترو تازہ ملے تو سمجھ لینا کہ میں ٹھیک ہوں اور گھر میں موجود ہوں لیکن اگر پھول مرجھا جائے تو یہ جان لینا کہ میں کسی مصیبت میں گرفتار ہوں۔"

یہ سب کچھ عرض کرنے کے بعد خادموں نے عرض کیا۔

"اگر جہاں پناہ کو ان خادموں کی بات پر یقین نہیں تو حضور خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔"

بادشاہ نے ان خادموں کو تو رخصت کردیا لیکن وہ خود بڑے اچنبھے میں پڑ گیا۔ یہ عجیب ماجرا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ وہ بار بار سوچ رہا تھا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

"ایسا کیوں کر ممکن ہے؟"

اس نے اپنے وزیر خاص سے مشورہ کیا۔ وہ بھی خادموں کی ساری بات سن چکا تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا۔

"جہاں پناہ! اگر یہ بات واقعی صحیح ہے تو پھر وہ عورت نہایت حسین ہونے کے ساتھ ساتھ عقلمند بھی ہوگی!"

اب بادشاہ دل ہی دل میں اس کی بیوی کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ ایسی ترکیبیں نکالنے لگا جس سے اس کی بیوی کو خود دیکھ سکے۔ پھول کا قصہ سن کر اس کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اس نے سوچا۔

"جس عورت کے ہاتھ سے دیا گیا پھول ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے وہ خود کتنی حسین ہوگی؟"

کافی سوچ بچار کے بعد اس نے ایک ترکیب نکالی۔ دوسرے ہی روز اس آدمی کی تنخواہ بڑھادی گئی اور اس کے ساتھ ہی دربار کے تمام خادموں کو حکم دیا گیا کہ

"سب اپنے اپنے بیوی بچے یہاں لے آئیں۔ ان سب کو رہنے کے لئے جگہ دی جائے گی۔"

بادشاہ کا خیال تھا کہ اس طرح وہ خادم بھی اپنی بیوی کو یہاں لے آئیگا اور میں اسے آسانی سے دیکھ لوں گا۔ اس نے تمام خادموں کو چند دن کی مہلت دیدی تاکہ وہ اپنے بیوی بچے لاسکیں۔

حکم ملتے ہی تمام خادم اپنے اپنے شہر چلے گئے اور وہ بھی اپنی بیوی کو لانے کے لئے اپنے گھر پہنچ گیا۔ گھر جاکر اس نے بیوی کو سارا قصہ سنایا کہ اس طرح وہ روزانہ ڈبیا کھول کر پھول دیکھتا تھا اور اس طرح دوسرے شاہی ملازموں کے پوچھنے پر اس نے یہ راز انہیں بتادیا۔ چنانچہ اب بادشاہ نے دربار کے تمام خادموں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے

اپنے بیوی بچے ساتھ لے کر آئیں - پھر وہ بولا -

" اور اب میں تمھیں ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں - "

اس نے بیوی کو یہ بھی بتایا -

" اگر ہم واپس نہیں گئے تو ہمیں زندہ کولھو میں پلوادیا جائے گا - "

اس کی بیوی نے ساری بات سن کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا -

" تم بے فکر رہو - میں کوئی ترکیب سوچتی ہوں - "

دراصل وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ اس کے بارے میں بادشاہ کی نیت ٹھیک نہیں ہے اور محض اسے دیکھنے کی خاطر اس نے تمام خادموں کے بیوی بچے بلوائے ہیں تاکہ کسی کو اس کے ارادوں کا علم نہ ہوسکے - اب وہ ایسی کوئی ترکیب سوچنے لگی جس سے وہاں جانے سے بچ جائے - بہت سوچ بچار کے بعد آخر اس کے ذہن میں ایک بات آئی - اس نے اپنے شوہر سے کہا -

" تم واپس جاؤ اور جب بادشاہ تم سے پوچھے کہ تم اپنی بیوی ساتھ کیوں نہیں لائے، تو اس سے کہدینا ، میری بیوی پر لوگوں کا بہت قرض ہے - جب تک وہ قرض ادا نہیں ہوتا اس کا یہاں آنا مشکل ہے - "

چنانچہ وہ اپنی بیوی کے کہنے کے مطابق واپس اسی بادشاہی میں آگیا - جب مقررہ تاریخ پر بادشاہ نے دیکھا کہ تمام خادم اپنے اپنے بیوی بچے ساتھ لے آئے ہیں مگر وہ اکیلا ہی واپس آگیا ہے تو اس نے خادم کو بلاکر پوچھا -

" ہمارے حکم کے مطابق تم اپنے بیوی بچے ساتھ کیوں نہیں لائے ؟ "

جواب میں اس نے ہاتھ باندھ کر بڑی عاجزی سے عرض کی -

" عالی جاہ ! میری بیوی پر بہت سے لوگوں کا قرض واجب ہے اس لئے اس کا یہاں آنا مشکل ہے - اگر وہ یہاں آتی ہے تو قرض خواہ اسے نہیں آنے دیتے - "

یہ جواب سن کر بادشاہ بہت سٹپٹایا کہ اس کا یہ حربہ بیکار گیا - اس نے دل میں سوچا ، اس کے ساتھ کوئی اور ہاتھ

کرنا چاہیے - کوئی ایسی ترکیب کی جائے جس سے اسے بیوی لائے بغیر چارہ نہ رہے - اس نے اپنے وزیر با تدبیر سے رائے طلب کی تو اس نے کہا -

"جہاں پناہ! اس خادم کی رائے تو یہ ہے کہ اس کی بیوی کو یہاں لانے کے لئے کٹنیاں بھیجی جائیں - اس کے بغیر اس کا آنا مشکل ہے -"

بادشاہ کو یہ ترکیب پسند آئی - وہ بولا -

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو - اس کی بیوی کو بلانے کا یہی ایک طریقہ ہے -"

اس کے بعد اس نے وزیر کو حکم دیا -

"آج ہی ایسی کٹنیاں بلائی جائیں جو یہ کام بخوبی سرانجام دے سکیں -"

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی، ملک بھر کی چالاک اور ماہر سے ماہر کٹنیاں بلا لی گئیں - جب کٹنیاں حاضر ہوگئیں تو وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا -

"بادشاہ سلامت! حکم کے مطابق کٹنیاں حاضر ہیں -"

بادشاہ نے کٹنیوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا -

"بتاؤ! تم میں سے سب سے زیادہ ہوشیار اور چالاک کون ہے؟"

جواب میں ایک کٹنی بولی -

"جہاں پناہ! میں آسمان پر جاسکتی ہوں مگر واپس نہیں آسکتی -"

دوسری نے کہا -

"عالی جاہ! میں آسمان پر جا بھی سکتی ہوں اور واپس بھی آسکتی ہوں!"

تیسری نے عرض کیا -

"بادشاہ سلامت! میں اگر چاہوں تو آسمان کو تھگی لگا سکتی ہوں!"

جب بہت سی کٹنیاں اپنی اپنی چالاکی، ہوشیاری اور مہارت کے بارے میں بتاچکیں تو آخر میں دو بوڑھی کٹنیاں پیش ہوئیں - انہوں نے کہا -

" حضور والا! ہم دونوں آسمان پر جاسکتی ہیں، واپس بھی آسکتی ہیں اور آسمان کو تھگی بھی لگاسکتی ہیں - اس کے ساتھ ہم دونوں پاتال میں اتر کر لوٹ سکتی ہیں اور سات سمندر پار کی خبر لاسکتی ہیں - "

بادشاہ کو یہ دونوں کٹنیاں پسند آئیں - کہنے لگا -

" یہ دونوں ٹھیک ہیں - ان کے سپرد یہ کام کیا جائے - "

اسی وقت ان دونوں بوڑھی کٹنیوں کو بہت سی دولت دیدی گئی اور ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ اس خادم کے گھر جائیں اور اس کی بیوی کا تمام قرض چکا کر جس طرح بھی ہو، دھوکے یا چالاکی سے اسے اپنے ساتھ لے آئیں - جب وہ دونوں رخصت ہونے لگیں تو بادشاہ نے انہیں خبردار کیا -

" یاد رکھو! اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو تم دونوں کو زندہ جلادیا جائے گا - "

بادشاہ سے رخصت ہوکر دونوں کٹنیاں اس خادم کے پاس گئیں اور کسی نہ کسی بہانے سے اس سے اس کے شہر کا پتہ معلوم کرلیا - اس کے بعد وہ اپنی مہم پر روانہ ہوگئیں -

دونوں کٹنیاں ہفتوں کا سفر دنوں میں طے کرتی ہوئیں اس شہر میں پہنچ گئیں جہاں شاہی خادم کی بیوی رہتی تھی - انہوں نے لوگوں سے پوچھ پاچھ کر اس کا گھر معلوم کیا اور وہاں جاکر دروازے پر دستک دیدی - اس کی بیوی نے دروازہ کھولا تو دو اجنبی بوڑھی عورتوں کو اپنے سامنے کھڑا پایا -

" تم کون ہو؟ اور تمھیں مجھ سے کیا کام ہے؟ "

اس نے ان سے پوچھا - جواب میں کٹنیاں بولیں -

" ہمیں تمھارے شوہر نے بھیجا ہے اور ہم تمھیں لینے آئی ہیں - "

کٹنیوں کا یہ جواب سن کر وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی - وہ تو پہلے ہی سے اس کی منتظر تھی کہ اب اسے بلانے کے لئے کوئی نیا حربہ استعمال کیا جائے گا - اور وہ اس سلسلے میں چوکس تھی - اس نے کٹنیوں پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ ان کی چال سے باخبر ہوگئی ہے بلکہ خوشی خوشی ان کو

گھر میں لائی - عزت سے بٹھایا اور خاطر تواضع کی - دونوں کٹنیاں اپنے دل میں خوش تھیں کہ ان کی ترکیب کارگر ثابت ہورہی ہے ، اب وہ انعام میں بادشاہ سے اتنی دولت پائیں گی کہ باقی زندگی مزے سے گذار سکیں گی - انہوں نے اس سے کہا -

" تم اب چلنے کی تیاری کرلو - تمہارے خاوند نے ہمیں کہا تھا کہ ہم تمہیں جلد سے جلد لے آئیں - "

جواب میں اس نے معصوم بنتے ہوئے کہا -

" مجھے اپنے خاوند کے پاس جانے میں کیا اعتراض ہوسکتا ہے مگر مجبوری یہ ہے ، مجھ پر بہت لوگوں کا قرض واجب ہے - جب تک وہ سارا چکا نہ دیا جائے میں یہاں سے کیسے جاسکتی ہوں ؟ "

کٹنیاں تو پہلے ہی اس کا انتظام کرکے آئی تھیں - وہ بولیں -

" تم اس کی فکر نہ کرو - تمہارے خاوند نے ہمیں قرض چکانے کے لئے پیسے دیئے ہیں - ہمیں بتاؤ تم پر کتنا قرض ہے لوگوں کا ؟ ہم ابھی سارا ادا کیئے دیتی ہیں - "

وہ بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ یہ مجھے لےجانے کے لئے ہر طرح سے تیار ہوکر آئی ہیں اور مجھے لے جائے بغیر نہ ٹلیں گی - مگر وہ بیوقوف نہیں تھی - اس نے بھی اپنی جگہ پورا پورا بندوبست کر رکھا تھا - جب کٹنیوں نے اس سے قرض چکانے کے لئے کہا تو وہ بولی -

" مجھے تو کچھ ٹھیک سے پتہ نہیں - میں دکانداروں سے دریافت کرتی ہوں کہ ان کا مجھ پر کتنا قرض واجب ہے — وہی صحیح طور پر بتاسکیں گے - "

" ہاں ! یہ ٹھیک ہے — تم انہیں بلا لاؤ - "

دونوں نے دل میں خیال کیا ، اس طرح وہ جھوٹ بھی نہیں بول سکے گی اور ہمیں اتنا ہی روپیہ دینا پڑے گا جتنا اس پر قرض ہوگا -

عورت گھر سے نکل کر محلے کے مختلف دکانداروں کے پاس گئی اور انہیں سکھا پڑھا دیا کہ وہ اس کے گھر آکر اس سے اپنا قرض طلب کریں - وہ جس قدر روپیہ طلب کریں گے اس میں

سے آدھا حصہ ان کا ہوگا۔ بھلا دکانداروں کو اور کیا چاہیے تھا؟ نہ کچھ لیا نہ دیا اور مفت میں دولت مل رہی تھی۔ وہ اکٹھے ہوکر اس کے گھر پر آگئے اور اس کے کہنے کے مطابق اپنا قرض چکانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر کٹنیوں نے فرداً فرداً سب سے پوچھا۔

"تمہارا کتنا قرض واجب ہے؟"

کسی نے چار سو بتایا، کوئی ہزار روپیہ طلب کرنے لگا اور کسی نے ڈیڑھ ہزار کا مطالبہ کیا۔ اس طرف مختلف دکانداروں نے مختلف رقم بتائی۔ کٹنیوں نے ان سب کو ان کے مطلوبہ روپے دیئے اور اس عورت سے کہنے لگیں۔

"اب تم چلنے کی تیاری کرو۔"

اس پر اس نے جواب دیا۔

"اب میرے چلنے میں کیا دیر ہے؟"

پھر اس نے بڑی نرمی سے کٹنیوں سے کہا۔

"آئیے! پہلے کھانا تو کھا لیجئے۔ اس کے بعد سفر کی تیاری کرتے ہیں۔"

دونوں کٹنیوں کو اس بات کا یقین ہوچکا تھا کہ ان کی مہم کامیاب ہوچکی ہے لہذا وہ دونوں خوشی خوشی کھانے کے لئے اٹھیں اور اس کمرے میں چلی گئیں جہاں ان کے لئے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کمرے میں ایک بڑی سی چار پائی پڑی تھی جس پر دھلی ہوئی سفید چادر بچھی تھی۔ عورت نے ان سے کہا۔

"آپ یہاں بیٹھیں۔ میں آپ کے لئے کھانا نکالتی ہوں۔"

اور پھر جوں ہی دونوں کٹنیاں اس چارپائی پر بیٹھیں دھڑام سے نیچے ایک گہرے گڑھے میں جا گریں۔ دراصل وہ چارپائی بغیر بان کے تھی اور اس پر چادر اس طرح بچھائی گئی تھی کہ کسی کو پتہ نہ چل سکتا تھا کہ اس کے نیچے ایک گہرا گڑھا کھدا ہوا ہے، جو اس عورت نے پہلے ہی سے ایسے وقت کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ اب جب کٹنیاں چارپائی پر بیٹھیں تو پلک جھپکتے میں گڑھے میں جا گریں۔ انہوں نے

گھبرا کر چیخنا چلانا شروع کیا تو عورت نے کہا۔

"اگر تم نے ذرا بھی شور کیا تو میں تم پر جلتا ہوا تیل ڈال کر تمہیں ہمیشہ کے لئے ختم کردوں گی۔ اگر اپنی زندگی چاہتی ہو تو چپکی بیٹھی رہو!"

کٹنیاں بری پھنسی تھیں۔ کیا کر سکتی تھیں۔ جان کے خوف سے خاموش ہوکر گڑھے میں بیٹھ رہیں۔ ان کی ساری چالاکی اور ہوشیاری ڈھیر ہوکر رہ گئی تھی۔ اب نہ وہ کسی کو مدد کے لئے پکار سکتی تھیں اور نہ خود کچھ کرسکتی تھیں۔ کہاں تھوڑی دیر پہلے دونوں انعام و اکرام کے خواب دیکھ رہی تھیں اور کہاں اب گڑھے میں دم سادھے بیٹھی سوچ رہی تھیں کہ

"اب کیا کریں؟"

عورت نے جب دیکھا کہ دونوں کٹنیاں اب کہیں نہیں بھاگ سکتیں تو اس نے گڑھے پر ایک بڑا سا تختہ رکھ کر بند کردیا اور خود ان دکانداروں کے پاس گئی جو قرض خواہ بن کے آئے تھے۔ اس نے وعدے کے مطابق آدھا حصہ ان کو دیا اور باقی دولت خود لاکر گھر میں رکھ لی۔ اس کے بعد اس کا یہ معمول بن گیا کہ ہر روز صبح اور شام چار روٹیاں اور کچھ سالن گڑھے میں پھینک دیتی۔ تھوڑا سا پانی پلادیتی اور اس طرف کٹنیاں گڑھے میں بند اپنی زندگی کے دن گننے لگیں۔

ادھر تو یہ ہورہا تھا اور دوسری طرف بادشاہ اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ کٹنیاں آج آتی ہیں، کل آتی ہیں لیکن ان کا آنا تو رہا ایک طرف ان کی کوئی خبر تک نہ آئی۔ بادشاہ حیران بھی تھا اور پریشان بھی۔ جوں جوں دن گزرتے جارہے تھے اسے اپنی یہ چال بھی ناکام ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ اور اس عورت کو دیکھنے کا شوق اور بڑھتا جارہا تھا۔ آخر جب کافی عرصہ بیت گیا اور دونوں کٹنیاں واپس نہ آئیں تو بادشاہ کو فکر لاحق ہوئی۔ اس نے اپنے وزیر خاص سے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"مابدولت کا خیال ہے کہ کٹنیاں یقیناً کسی مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہیں۔"

وزیر کی بھی یہی رائے تھی۔ وہ کہنے لگا۔

”جہاں پناہ! اس خادم کے دل میں بھی یہی دھڑکا ہے۔“

”لیکن سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟“

بادشاہ نے فکر مند ہوتے ہوئے اپنے وزیر سے رائے طلب کی جس پر وزیر بولا۔

”اگر حضور اس غلام کی رائے مانیں تو ہمیں دو ٹھگ روانہ کرنے چاہئیں۔ ٹھگ کٹنیوں سے زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں۔ وہ ضرور اس عورت کو لانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔“

بادشاہ کہنے لگا۔

ہاں! تمہاری رائے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اب ہمیں ٹھگ ہی بھیجنے چاہیں۔“

اسی وقت دو انتہا درجہ کے جہاں دیدہ ٹھگ طلب کئے گئے۔ بادشاہ نے انہیں بہت سی دولت دی اور کہا۔

”جس طرح بھی ہو اس عورت کو ساتھ لانا۔ اگر تم اسے اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہوگئے تو تمھیں مزید انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔“

”عالی جاہ! ہمیں کامل یقین ہے کہ ہم اسے لانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔“

دونوں ٹھگوں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا اور پھر سفر کی تیاریاں کرنے لگے۔ انہوں نے اس عورت کا اتہ پتہ معلوم کیا اور بادشاہ سے رخصت چاہی۔ جب وہ چلنے لگے تو بادشاہ بولا۔

”یہ بات یاد رکھو! اگر تم اسے لانے میں ناکام رہے تو تمھیں قتل کرادیا جائے گا۔“

دونوں ٹھگوں نے بادشاہ کا یہ حکم بھی سنا اور اپنے سفر پر چل دیئے۔ انعام کا لالچ تھا اور اپنی جان کا خوف، انہوں نے دنوں کا سفر گھنٹوں میں اور ہفتوں کا دنوں میں طے کیا۔ آخر کار اسی شہر میں پہنچ گئے جہاں وہ عورت رہتی تھی۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے عورت کا گھر تلاش کیا اور جا کر دروازے پر دستک دیدی۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سن کر

عورت باہر آئی تو اس نے دیکھا ، دو اجنبی آدمی کھڑے تھے ۔ اس نے انہیں غور سے دیکھا تو اسے کچھ شک ہوا کہ ہو نہ ہو یہ بھی کٹنیوں کے ساتھی ہی معلوم ہوتے ہیں ۔ وہ ان سے پوچھنے لگی ۔

" تم لوگ کون ہو اور کس سے ملنا چاہتے ہو ؟ "

جواب میں دونوں ٹھگ بولے ۔

" ہمیں تمہارے خاوند نے بھیجا ہے ہم تمہیں لینے آئے ہیں ۔ "

یہ جواب سنتے ہی اس کا شک یقین میں سے بدل گیا ۔ وہ سمجھ گئی کہ بادشاہ نے اسے بلانے کے لئے یہ نئی چال چلی ہے ۔ وہ اسے کسی نہ کسی طور بلا کر ہی رہے گا ۔ لیکن یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی اس نے بڑی عقل مندی سے کام لیا ۔ انہیں اس بات کا احساس تک نہ ہونے دیا کہ وہ ان کی نیت بھانپ گئی ہے ۔ اس نے انجان بنتے ہوئے کہا ۔

" میرا خاوند مجھے بلا رہا ہے تو مجھے جانے میں کیا اعتراض ہوسکتا ہے ۔ "

پھر وہ لہجے میں قدرے اداسی پیدا کرکے کہنے لگی ۔

" دراصل مجبوری یہ ہے کہ مجھ پر بہت سے لوگوں کا قرض واجب ہے ۔ جب تک میں اسے نہ چکا دوں یہاں سے کیسے جاسکتی ہوں ؟ "

ٹھگ جلدی سے بولے ۔

" تم گھبراؤ نہیں ۔ تمہارے خاوند کو معلوم تھا کہ تم مقروض ہو ۔ اس لئے اس نے ہمارے ہاتھ دولت بھی بھیجی ہے تاکہ تمہارا قرض چکایا جاسکے ۔ "

پھر وہ پوچھنے لگے ۔

" اچھا ! ہمیں بتاؤ ، تمہیں کس قدر قرض چکانا ہے ؟ "

جواب میں عورت مسکین سی صورت بنا کر بولی ۔

" مجھ بیچاری کو کیا معلوم ——— میں ان دکانداروں کو بلا لاتی ہوں جن کا مجھ پر قرض ہے ۔ وہی صحیح طور پر بتاسکیں گے ۔ "

" ہاں، ہاں! تم ان تمام دکانداروں کو بلا لاؤ تاکہ ہم تمام قرض چکادیں۔ "

دونوں ٹھگ خوش ہوکر بولے۔ وہ دل میں سوچ رہے تھے کہ ہماری چال کامیاب ہوگئی ہے اب ہم اسے لے جانے میں ناکام نہیں رہیں گے اور بادشاہ سے منہ مانگا انعام پائیں گے۔ اس وقت انہیں اپنی ذہانت اور چالاکی پر فخر محسوس ہورہا تھا۔

ادھر تو یہ دونوں اپنی جگہ خوش ہورہے تھے اور دوسری طرف عورت سوچ رہی تھی کہ جس قدر جلد ہو ان کو بھی ٹھکانے لگادے۔ وہ یہی کچھ سوچتی ہوئی پہلے کی طرح محلے کے مختلف دکانداروں کے پاس گئی اور انہیں قرض مانگنے کے لئے سکھا پڑھا آئی۔ وہ تو جیسے پہلے ہی سے تیار بیٹھے تھے چنانچہ چند منٹ گذرے ہوں گے کہ ایک ساتھ کئی دکانداروں نے اس کے گھر پر آکر اپنے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ شروع کردیا۔ یہ دیکھ کر ٹھگوں کو یقین ہوگیا کہ واقعی اس پر لوگوں کا قرض واجب ہے اور اسی لئے وہ نہیں جارہی تھی۔ انہوں نے ایک ایک دکاندار سے دریافت کیا۔

" تمہارا اس پر کتنا قرض واجب ہے؟ "

جواب میں پھر مختلف دکانداروں نے اپنی اپنی رقم بتائی۔ کسی نے پانچ سو بتائے، کوئی ہزار کا مطالبہ کرنے لگا اور کوئی ڈیڑھ ہزار بتانے لگا۔ جو کسی نے مانگا ٹھگوں نے انہیں دے دیا۔ جب سب دکاندار پیسے لیکر چلے گئے تو ٹھگ عورت سے کہنے لگے۔

" لو! تمہارا تمام قرض چک گیا۔ اب تم چلنے کی تیاری کرو۔ "

عورت بولی۔

" اب چلنے میں کیا دیر ہے! "

اس کے بعد اس نے ٹھگوں سے کہا۔

" پہلے تم لوگ کھانا کھالو — پھر سفر کی تیاری کرتے ہیں۔ "

ٹھگوں کو کھانا کھانے پر کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ وہ خوشی خوشی اس کے ساتھ اندر چلے گئے اور کمرے میں

بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئے ــ لیکن جوں ہی وہ چارپائی پر بیٹھے ، اس کے ساتھ ہی دونوں اسی گہرے گڑھے میں جا گرے جہاں پہلے ہی سے دو کٹنیاں بند تھیں - انہوں نے گھبرا کر کٹنیوں کو دیکھا تو اب ان کی سمجھ میں آیا کہ کٹنیاں واپس کیوں نہیں پہنچیں - انہوں نے پریشان ہوکر شور کرنا چاہا تو عورت بولی -

" اگر تم میں سے کسی ایک نے بھی شور کیا تو میں اوپر سے جلتا ہوا تیل ڈال کر سب کو ختم کردوں گی - اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو خاموش بیٹھے رہو ! "

ٹھگ بے بس تھے - آخر وہ بھی دونوں کٹنیوں کی طرح خاموش ہورہے اور دل ہی دل میں اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگے - عورت پہلے تو دونوں وقت چار چار روٹیاں گڑھے میں پھینکتی تھی لیکن اب اس نے آٹھ روٹیاں دینا شروع کردیں - اس طرح ٹھگ اور کٹنیاں اپنی بدقسمتی کے دن شمار کرنے لگے -

دوسری طرف باد شاہ اور وزیر حیران تھے کہ آخر ہوا کیا؟ کٹنیاں گئیں تو واپس نہیں آئیں - اور ٹھگ بھیجے تو اب تک ان کی کوئی خیر خبر نہیں ؟ یہ سب کے سب کس آفت میں پھنس گئے ؟ انہوں نے سوچا ، یقیناً اس عورت نے اپنی ذہانت سے انہیں گرفتار کر لیا ہے . یا پھر وہ کسی دوسری مصیبت میں گرفتار ہوگئے ہیں - لیکن اب انہوں نے بھی اپنے دل میں یہ عہد کرلیا تھا کہ

" چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہوجائے وہ اسے بلا کر ہی دم لیں گے - "

ایک روز بادشاہ نے وزیر سے کہا -

" اے وزیر باتدبیر ! دونوں کٹنیاں بھی ناکام ہوگئیں - ٹھگ بھی ہار گئے - اب تم خود جاؤ اور اس عورت کو اپنے ساتھ لاؤ - "

باد شاہ کا حکم تھا - وزیر کی کیا مجال تھی جو انکار کرتا - اس نے دست بستہ عرض کی -

" جو حضور کی مرضی ــ خادم کل ہی روانہ ہوجائے گا - "

چنانچہ وزیر نے اپنے سفر کا ضروری سامان ساتھ لیا، کچھ آدمی همراہ لئے اور اس شہر کی طرف چل دیا جہاں وہ عورت رهتی تھی اور جہاں اس نے کٹنیوں اور ٹھگوں کو قید کرر کھا تھا۔

کئی روز کا سفر طے کرتا ہوا وزیر چلتا چلاتا اسی شہر جا پہنچا اور پھر پوچھتا پچھاتا اس کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں جاکر اس نے دروازے پر دستک دی۔ وہ عورت تو پہلے هی سے منتظر تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ٹھگوں اور کٹنیوں کی خبر نہ پاکر ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ اس لئے جوں هی اس نے دروازہ کھول کر وزیر کو دیکھا، سب کچھ سمجھ گئی کہ اب بادشاہ نے خود وزیر کو بھیجا ہے۔ پھر بھی اس نے انجان بن کر پوچھا۔

" تم کون هو اور کیا چاھتے هو ؟ "

وزیر نے اسے دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ واقعی وہ بے انتہا حسین تھی۔ اس نے جواب دیا۔

" میں فلاں باد شاہ کا وزیر هوں۔ تمھیں تمھارے خاوند نے بلایا ہے اور میں تمھیں لینے کے لئے آیا هوں۔ "

عورت عقلمند اور چالاک تھی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ یہ وزیر ہے اور اسے آسانی سے بیوقوف نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ سوچ کر وہ بڑی انکساری سے بولی۔

" آئیے ! اندر تشریف لائیے ! "

اور جب وزیر گھر کے اندر آگیا تو وہ بولی۔

" حضور! اگر مجھے میرے شوهر نے بلایا ہے تو مجھے جانے میں کیا عذر هوسکتا ہے۔ پھر آپ نے اس کے لئے خود آنے کی زحمت کی ہے، میری کیا مجال کہ انکار کرسکوں ؟ "

اتنا کہنے کے ساتھ هی اس نے ایک نظر وزیر کا جائزہ لیا اور یہ جان کر کہ وزیر بھی اس کی باتوں میں آجائے گا، اس سے کہنے لگی۔

" دراصل بات یہ ہے کہ مجھ پر کچھ لوگوں کا قرض واجب ہے۔ جب تک وہ ادا نہ هوجائے میرا یہاں سے جانا مشکل ہے۔ "

یہ سن کر وزیر جھٹ سے بولا۔

"تم پر کتنا قرض ہے؟ مجھے بتاؤ میں ابھی ادا کئے دیتا ہوں۔"

جواب میں عورت پہلے کی طرح بولی۔

"حضور! مجھ بیچاری کو کیا معلوم؟ میں ان تمام دکانداروں کو بلا لاتی ہوں، آپ خود ہی ان سے دریافت کرلیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ انہیں ابھی بلاؤ۔ میں ان سے خود پوچھ لیتا ہوں۔"

وزیر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ عورت پھر محلے کے مختلف دکانداروں کے پاس گئی اور ان سے کہا۔ تم لوگ پھر مجھ سے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے میرے گھر آؤ۔ پہلے کی طرح آدھا تمہارا اور آدھا میرا—اس کے بعد وہ ان سے کہنے لگی۔

"مگر—اس دفعہ تم لوگ زیادہ سے زیادہ رقم بتانا!"

دکاندار اس کی ہدایت کے مطابق اس کے گھر آئے تو وزیر نے باری باری سب سے پوچھا۔

"اس عورت پر تمہارا کتنا قرض ہے؟"

جواب میں تمام دکانداروں نے اب کی بہت بڑھا چڑھا کر رقم بتائی جو وزیر نے اسی وقت سب کو ادا کردی—اور جب سب دکاندار چلے گئے تو اس نے عورت سے کہا۔

"تمہارا قرض تو ادا ہوگیا—اب تم چلنے کی تیاری کرو!"

وزیر تو اس جلدی میں تھا کہ جیسے بھی ہو جلد سے جلد عورت کو ساتھ لے کر چلتا بنے اور عورت یہ سوچ رہی تھی کہ وزیر کو کس طرح چکمہ دے؟ اس نے وزیر سے کہا۔

"حضور! میرے خاوند نے اتنے عرصہ کے بعد مجھے بلایا ہے۔ اسے مجھ سے جدا ہوئے کئی برس گذر چکے ہیں۔ اس لئے میں پالکی کے بغیر نہیں جاؤں گی!"

وزیر کہنے لگا۔

"اس میں کیا دیر لگتی ہے؟ تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی

پالکی کا بندوبست کیئے دیتا ہوں۔ بس تم تیار ہوجاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ پالکی کا انتظام کرنے چلا گیا اور عورت لپک کر کمرے میں اس گڑھے کے پاس آئی جہاں دونوں کٹنیاں اور ٹھگ قید تھے۔ اس نے ان سے کہا۔

"تم لوگ اپنے گھر جانا چاہتے ہو یا ہمیشہ کے لئے اس گڑھے میں بند رہنا پسند کرتے ہو؟"

سب نے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔

"خدا کے لئے ہم پر رحم کرو اور ہمیں اس مصیبت سے نجات دلادو۔ ہم زندگی بھر تمہارے احسان مند رہیں گے۔"

اس پر عورت بولی۔

"پہلے بتاؤ تم چیخو چلاؤگے تو نہیں؟"

جواب میں کٹنیوں اور ٹھگوں نے اس سے عہد کیا کہ وہ بولیں گے بھی نہیں۔ جیسا وہ کہے گی وہی کریں گے۔ جب وہ چاروں اسے عہد دے چکے تو اس نے چاروں کو گڑھے میں سے باہر نکالا اور ان سے کہا۔

"جو میں تم سے کہوں وہی کرنا—اس طرح تم اپنے گھر پہنچ جاؤگے۔"

وہ چاروں اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ وزیر خود آیا ہوا ہے۔ انہوں نے تو صرف یہ سوچا کہ جس طرح بھی ہو اس قید سے چھٹکارا حاصل کرو۔ لہذا وہ ہاتھ جوڑ کر بولے۔

"ہم تمہاری ہر بات حکم سمجھ کر بجالائیں گے۔"

اس کے بعد اس عورت نے دونوں ٹھگوں اور دونوں کٹنیوں کے منہ کالے کئے اور وزیر کا انتظار کرنے لگی۔ ادھر وزیر کو تو پہلے ہی جلدی تھی اس نے جوں توں کرکے پالکی کا انتظام کیا اور کہاروں کو لیکر آپہنچا۔

"لو! پالکی بھی آگئی—اب تم جلدی چلو۔"

وزیر کے اتنا کہنے پر عورت نے جواب دیا۔

"آپ باہر ٹھہر جائیں اور جب میں پالکی میں بیٹھ کر اندر سے کنڈی ہلاؤں تو کہاروں سے کہدیں کہ وہ پالکی اٹھالیں

اور چل دیں ۔ ''
پھر وہ بولی
''میں اپنے ساتھ اپنے شوہر کے لئے کچھ تحفے بھی لے کے جارہی ہوں اس لئے کہاروں کو یہ بھی بتادیجئے کہ پالکی کا وزن زیادہ ہوگا ۔ ''

بھلا وزیر کو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا تھا ؟ وہ تو کسی نہ کسی طور اسے لے جانا چاہتا تھا ۔ اس لئے بولا ۔
''تم فکر نہ کرو ۔ بوجھ زیادہ ہوتا ہے تو ہونے دو ۔ ''

چنانچہ وزیر تو گھر کے باہر جاکر کھڑا ہوگیا ۔ عورت نے جلدی سے اندر آکر دونوں کٹنیوں اور ٹھگوں سے کہا ۔
''جلدی کرو اور پالکی میں بیٹھ جاؤ — اور جب تم چاروں پالکی میں بیٹھ جاؤ تو اندر سے کنڈی ہلادینا — اس طرح تم سب اپنے اپنے گھر پہنچ جاؤ گے ۔ ''

ان کو اور کیا چاہئیے تھا ؟ خدا خدا کرکے قید سے رہائی مل رہی تھی ۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور چاروں جلدی سے پالکی میں بیٹھ گئے ۔ پھر انہوں نے پالکی کے دروازے کی کنڈی ہلائی تو وزیر سمجھا ، عورت پالکی میں بیٹھ چکی ہے چنانچہ اس نے کہاروں کو اشارہ کیا اور کہار پالکی اٹھاکر چل دیئے ۔

وزیر راستہ بھر دل میں سوچتا رہا کہ اب بادشاہ اس کی ذہانت اور فراست کا قائل ہوجائے گا ۔ جو کام اور کوئی نہ کرسکا وہ اس نے کر دکھایا ہے ۔ اب اسے بیش قیمت انعام و اکرام سے نوازا جائے گا ۔ وہ اسی طرح تمام سفر کے دوران منصوبے بناتا رہا ۔ یہاں تک کہ اس کا اپنا شہر آگیا ۔ وہ سیدھا بادشاہ کے حضور پیش ہوا اور سلام عرض کرنے کے بعد بڑے فخر سے بولا ۔

''جہاں پناہ ! یہ خادم اس خوبصورت عورت کو لے آیا ہے ! ''
'' ہمیں بھی دکھایا جائے کہ وہ عورت کون ہے ؟ ''

بادشاہ بڑے اشتیاق سے بولا ۔ اور اس کے ساتھ ہی وزیر نے کہاروں کو پالکی کا پردہ اٹھانے کا اشارہ کیا ۔ مگر جوں ہی

پالکی کا پردہ اٹھا سب کے سب ھکا بکا ھوکر دیکھنے لگے۔ پالکی میں سے ایک خوب صورت عورت کی بجائے دو بھوتنے اور دو بھوتنیاں باھر نکل آئیں—بادشاہ اپنی جگہ حیران تھا اور وزیر اپنی جگہ پریشان کہ آخر یہ ماجرا کیا ھے ؟ میں تو اس خوبصورت عورت کو لایا تھا پھر یہ چاروں کہاں سے آگئے ؟ ابھی سب اسی شش و پنج میں گرفتار تھے کہ دونوں کٹنیوں اور دونوں ٹھگوں نے ھاتھ جوڑ کر سارا قصہ کہہ سنایا۔ اور بتایا کہ انہیں کس طرح دھوکے سے قید کیا گیا اور کس طرح وہ پالکی میں یہاں تک آئے ۔اس کے بعد وہ اپنے آپ کو بے قصور بتاتے ھوئے کہنے لگے۔

"عالی جاہ ! اس میں ھم غلاموں کی کوئی خطا نہیں ھے۔"

ان کی کہانی سن کر وزیر تو اپنی جگہ شرمندہ تھا ھی لیکن اب بادشاہ کو بہت غصہ آرھا تھا ۔ یہ سوچ سوچ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ ایک عورت سب کو مسلسل بیوقوف بنائے جارھی ھے—اس نے غصے میں کانپتے ھوئے وزیر سے کہا ۔

" اس خادم کو اسی وقت ھمارے سامنے پیش کیا جائے !"

حکم کی دیر تھی کہ خادم حاضر تھا ۔ وہ بیچارہ ڈر رھا تھا کہ خدا جانے اب کیا آفت آئے ۔ بادشاہ نے اسے حکم دیا۔

" ھمارے حضور میں ایک ایسا جانور پیش کرو جس کے سات رنگ ھوں !"

اتنا کہنے کے بعد بادشاہ نے پھر کہا۔

" اگر تم نے سات رنگ کا جانور پیش نہ کیا تو تمھارا زن بچہ کولھو میں پلوادیا جائے گا۔"

شاھی حکم سنتے ھی بیچارہ خادم تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ بادشاہ بہت ناراض ھے اور اب اس کا عتاب نازل ھونے میں دیر نہیں لیکن وہ کرے بھی تو کیا کرے ؟ نہ ھاں کرتے بنتی تھی اور نہ حکم عدولی کا حوصلہ تھا۔ پھر مصیبت یہ تھی کہ آج تک نہ اس نے کبھی سات رنگ کا جانور دیکھا تھا اور نہ کبھی اس کے بارے میں سنا ھی تھا۔ تاھم اس نے ھاتھ باندھ کر عرض کی۔

" حضور والا ! اس کے لئے مجھے ایک ماہ کی مہلت دی جائے۔"

" ہاں ! تمھیں ایک ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔"

اسے ایک ماہ کی مہلت دیدی گئی لیکن وہ اب پریشان تھا کہ سات رنگ کا جانور کہاں سے لائے ؟ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے سوچا۔

"کیوں نہ چل کے اپنی بیوی سے مشورہ کروں ؟ ہوسکتا ہے وہ اس نئی مصیبت سے بچنے کی کوئی سبیل نکال لے۔"

اور یہ سوچ کر وہ اپنے شہر کی طرف چل دیا۔

جب وہ کئی دنوں کا سفر طے کرکے اپنے گھر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جہاں اس کا ایک معمولی سا گھر تھا وہاں اب ایک خوبصورت اور شان دار مکان نظر آرہا ہے۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ شاید میں غلطی سے کسی دوسرے مکان پر آگیا ہوں لیکن جب اس نے تصدیق کرلی اور اسے یقین ہوگیا کہ واقعی یہ اس کا اپنا گھر ہے تو بڑا متعجب ہوا—اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیسے اور کیوں کر ہوگیا ؟ جب وہ اپنے گھر میں گیا تو اس کی بیوی نے ساری داستان بتائی کہ کس طرح اس نے دکانداروں کو اپنے ساتھ ملاکر کٹنیوں ، ٹھگوں اور وزیر سے دولت حاصل کی اور اس دولت سے یہ شان دار مکان تعمیر کرایا۔ پھر کس کس طرح اپنے آپ کو بچانے کے لئے انہیں دھوکہ دیا۔ شوہر بیوی کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا لیکن اس کی یہ خوشی وقتی تھی۔ اسے فوراً یاد آیا کہ اگر ایک ماہ کے اندر اندر اس نے بادشاہ کے حضور میں سات رنگوں والا جانور پیش نہ کیا تو اسے بیوی سمیت زندہ کولہو میں پلوادیا جائے گا۔ یہ سوچتے ہی اس کی ساری خوشی جاتی رہی اور وہ کچھ اداس سا ہوگیا۔ اس کی بیوی نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا۔

"اگر میں نے ایک ماہ کے اندر سات رنگ کا جانور پیش نہ کیا تو ہم دونوں کو زندہ کولہو میں پلوادیا جائے گا۔ بادشاہ کا یہی حکم ہے۔"

اس پر اس کی بیوی اسے تسلی دیتے ہوئے بولی -
" تم اس کی فکر نہ کرو—اللہ اس کا انتظام بھی کر ہی دیگا - "
پھر اس نے خاوند سے کہا -
" بس تم کل ہی مجھے ساتھ لیکر واپس چل دو ! وقت کم ہے - "
دوسرے روز وہ بیوی کے کہنے کے مطابق اسے ساتھ لیکر اس شہر کے سفر پر روانہ ہوگیا جہاں وہ شاہی دربار میں ملازم تھا - جب وہ واپس پہنچے تو اس کی مہلت میں ابھی کچھ دن باقی تھے - بیوی چلتے وقت اپنے ساتھ بہت سی دولت بھی لے آئی تھی اس لئے اس نے شوہر سے کہا -
" یہ دولت لو اور تم فوری طور پر میرے لیئے ایک بڑے سے مکان کا الگ بندوبست کر دو - "

چنانچہ انہوں نے ایک بڑا سا مکان خرید لیا جہاں وہ دونوں رہنے لگے - جب مہلت میں صرف دو دن باقی رہ گئے تو عورت اپنے خاوند سے کہنے لگی -

" اب تم یوں کرو—کہیں سے کبوتروں ، چڑیوں ، طوطوں اور موروں کے بہت سے پر اکھٹے کرکے لاؤ - "
ساتھ ھی اس کی تاکید کی -
"دیکھنا ! اس بات کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے - بس ایک دن کے اندر اندر پروں کا انتظام کر دو - "

اس نے جیسے تیسے کرکے ایک ہی دن میں مختلف پرندوں کے بے شمار پر اکھٹے کرکے بیوی کے آگے لاکر رکھ دیئے - اب بیوی بولی -
" بھاگ کے جاؤ ! بازار سے ایک من گوند خرید کر لاؤ ! "
وہ اسی وقت بازار سے ایک من گوند بھی خرید لایا—اور جب یہ سب چیزیں آگئیں تو اس کی بیوی نے گھر میں دو گڑھے کھودے - ایک گڑھے میں من بھر گوند آٹے میں گھول کر ڈال دیا اور دوسرے گڑھے میں پرندوں کے پر بھر دیئے - اور ان دونوں گڑھوں پر بغیر بان کی دو چارپائیاں بچھا کر ان پر نہایت صاف اور خوبصورت چادریں بچھادیں—پھر دوسرے روز

صبح جب ایک ماہ کی مہلت کا آخری دن تھا، اپنے خاوند سے کہنے لگی۔

"اب تم دربار میں جا کر بادشاہ کو اطلاع دیدو کہ میں سات رنگ کا جانور لے آیا ہوں۔"

ساتھ ہی اس نے یہ بھی سمجھایا۔

"اگر بادشاہ تم سے یہ پوچھے کہ سات رنگوں والا جانور کہاں ہے؟ تو اس سے کہنا وہ میرے گھر میں ہے۔ اور میری بیوی نے کہا ہے، آپ سات رنگ کا جانور دیکھ سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ حضور خود رات کو بارہ بجے میرے گھر تشریف لائیں۔"

بیوی نے جس طرح اسے سمجھایا تھا، اس نے اسی طرح جا کر بادشاہ سے عرض کردیا۔ جب بادشاہ نے پوچھا۔

"کیا تم سات رنگوں والا جانور لے آئے ہو؟"

تو اس نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔

"جہاں پناہ! میں نے آپ کی حکم کی تعمیل کردی ہے۔"

بادشاہ نے دریافت کیا۔

"وہ سات رنگ کا جانور کہاں ہے؟"

اس نے سرجھکا کر عرض کیا۔

"عالی جاہ! میری بیوی نے کہا ہے، آپ اسے دیکھ سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ حضور خود رات کو بارہ بجے میرے گھر تشریف لائیں۔"

جب بادشاہ نے یہ سنا کہ خادم اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے آیا ہے اور سات رنگوں والا جانور بھی موجود ہے تو اپنی جگہ حیران بھی ہوا اور خوش بھی! زیادہ خوشی اسے اس بات کی تھی کہ چلو یہ اپنی بیوی کو تو لے آیا۔ اب میں آسانی سے اس خوب صورت عورت کو دیکھ سکوں گا جس کے لئے اتنے پاپڑ بیلنا پڑے۔ اس نے اپنی دلی خوشی کو ظاہر نہ کرتے ہوئے شاہی رعب سے کہا۔

"جاؤ! اپنی بیوی سے کہدو۔ مابدولت آج رات کو بارہ بجے تمھارے

گھر پر آئیں گے اور سات رنگوں والا جانور دیکھیں گے۔،،

خادم واپس گھر چلا آیا۔ پھر جوں ہی رات کے بارہ بجنے کے قریب ہوئے بادشاہ سات رنگوں والا جانور دیکھنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے دل میں سوچا۔ اگر دربار کے دوسرے خادموں کو اس بات کا پتہ چل گیا کہ اس طرح بادشاہ ایک معمولی خادم کے گھر گیا ہے اور وہ بھی رات کے وقت—تو بڑی رسوائی ہو گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کسی کو بتائے بغیر چوری چھپے جاؤں۔ یہ سوچ کر اس نے عام خادموں کا سا بھیس تبدیل کیا اور چھپتا چھپاتا اس خادم کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر بادشاہ نے دیکھا تو واقعی اس خادم کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ اتنی خوبصورت کہ اس کی بیویاں اور شہزادیاں اس کے حسن کے آگے ہیچ تھیں۔ اس نے اس کے بارے میں جیسا سنا تھا، وہ اس سے بھی کہیں زیادہ حسین تھی۔

عورت نے بادشاہ کو بڑی تعظیم سے خوش آمدید کہا اور بولی۔

''یہ ہم غریبوں کی خوش نصیبی ہے کہ جہاں پناہ ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔،،

پھر اس نے ایک چار پائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا۔

''حضور تشریف رکھیں!،،

بادشاہ چارپائی کی طرف بڑھا۔ جوں ہی اس پر بیٹھا دھڑام سے نیچے اس گڑھے میں جا گرا جو آٹے میں سلے ہوئے گیلے گوند سے بھرا ہوا تھا۔ میاں بیوی نے جلدی سے آگے بڑھ کر بادشاہ کو گڑھے سے باہر نکالا اور معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''جہاں پناہ! ان خادموں نے آپ سے دوسری چارپائی پر بیٹھنے کے لئے عرض کیا تھا۔،،

یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ بادشاہ کچھ سوچ بھی نہ سکا۔ پھر وہ اپنی جگہ شرمندہ بھی ہو رہا تھا کہ گڑھے میں گر گیا ہے اس لئے خاموشی سے دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔ مگر یہاں بھی وہی ہوا۔ اس کے بیٹھتے ہی، دوسرے لمحے وہ ایک دوسرے گڑھے میں تھا۔ گیلے گوند سے تو وہ پہلے ہی لتھڑا ہوا تھا، اب جو پروں سے بھرے ہوئے گڑھے میں گرا تو اس کے سارے

جسم ، سر اور ہاتھوں پر رنگا رنگ کے پر چپک گئے - میاں بیوی نے پھر جلدی سے آگے بڑھ کر بادشاہ کو گڑھے میں سے باہر نکالا - اس وقت بادشاہ بالکل سات رنگوں والا جانور بن چکا تھا - گوند کی وجہ سے اس کے سارے جسم پر رنگا رنگ کے پر نظر آرہے تھے - یہ دیکھ کر عورت بادشاہ سے کہنے لگی -

" جہاں پناہ ! آپ کے حکم کے مطابق سات رنگوں والا جانور حاضر ہے ! "

ادھر بادشاہ کا یہ حال کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں—ایک بادشاہ اور یہ درگت ؟ لیکن اب کرے تو کیا کرے ؟

اگر کسی کو پتہ چل جائے تو سارے ملک میں بدنامی ہوجائے اور بادشاہی جانے کا خطرہ الگ—ناچار خون کے گھونٹ پی کر چپکا ہورہا - عورت نے اپنے شوہر سے کہا -

" جاؤ ! اس سات رنگے جانور کو شاہی محل کا راستہ دکھاؤ - "

اتنا کہنے کے ساتھ ہی وہ بادشاہ سے مخاطب ہوکر بولی -

" عالی جاہ ! اگر جسم سے چپکے ہوئے پر نہ اتریں تو پکتے ہوئے پانی میں بیٹھ جائیے گا - آسانی سے اترجائیں گے - "

اس وقت بادشاہ نے یہی غنیمت جانا کہ وہ کسی نہ کسی طرح خاموشی سے محل میں پہنچ جائے - مارے ندامت کے اس کی زبان بند ہوچکی تھی - وہ چپ چاپ وہاں سے نکل گیا کہ اس وقت تو چلوں ، صبح دیکھ لوں گا ان کو - ایسی سزا دوں گا کہ دنیا یاد رکھے گی -

جب بادشاہ چلا گیا تو بیوی نے خاوند سے کہا -

" جس قدر جلد ہو سکے اس بادشاہی سے نکل چلو ! "

انہوں نے جلدی جلدی تھوڑا بہت ضروری سامان باندھا اور راتوں رات اپنے سفر پر روانہ ہوگئے تاکہ صبح ہونے تک یہاں سے دور نکل جائیں -

دوسری طرف جب مصیبت کا مارا بادشاہ چھپتا چھپاتا شاہی محل میں پہنچا تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ

" اب کیا کرے ؟ "

حالت ایسی تھی کہ اپنی ملکاؤں کو بتا نہیں سکتا تھا - اگر

خادم اسے دیکھ لیں تو اور بھی بدنامی کا ڈر تھا ۔ اسی سوچ بچار میں صبح ہوگئی اور صبح تک جسم سے چپکا ہوا گوند سوکھ گیا جس کی وجہ سے جسم پر، پر اس طرح جڑ پکڑ گئے جیسے واقعی اُگے ہوں ۔ اب تو اسے اور بھی پریشانی ہوئی ۔ اگر جسم سے پر اکھاڑنے کی کوشش کرتا تو اس کے ساتھ ہی جلد بھی ادھڑنے لگتی اور مارے درد کے بلبلانے لگتا ۔ آخر اس نے اپنے ایک خاص خادم کو بھیج کر وزیر کو بلوایا اور جب وزیر آیا تو اسے رات کا سارا قصہ سنایا ۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ

"اس عورت نے کہا تھا ۔ اگر جسم سے پر نہ اتریں تو کھولتے ہوئے پانی میں بیٹھ جائیں ، سب اتر جائیں گے ۔"

یہ سنتے ہی وزیر نے اسی وقت خادموں کو پانی گرم کرنے کا حکم دیا ۔ پھر جب ایک بڑے سے کڑھاؤ میں پانی کھولنے لگا تو انہوں نے بادشاہ کو اس میں اتار دیا ۔ اس طرح پر تو کیا اترتے البتہ کڑھاؤ کے کھولتے ہوئے پانی میں چند ہی منٹ لگے اور بادشاہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کی آغوش میں چلا گیا ۔

اس واقعہ کو پیش آئے انگنت صدیاں بیت چکی ہیں ۔ اب نہ وہ بادشاہ رہا اور نہ وہ وزیر ! اب نہ وہ خوب صورت عقلمند عورت موجود ہے اور نہ اس کا خاوند ! لیکن وہ دن اور آج کا دن ، کہتے ہیں کسی بادشاہ نے اپنے کسی خادم کی بیوی پر بری نظر نہیں ڈالی اور نہ کسی کو سات رنگوں والا جانور لانے کا حکم دیا ۔

سگھڑ سیانی

کسی شہر میں ایک تاجر رہتا تھا ۔ اس تاجر کا ایک بیٹا تھا جس کی چار بیویاں تھیں ۔ ان میں سے تین تو انتہا درجہ کی بیوقوف اور پھوہڑ تھیں لیکن سب سے چھوٹی بیوی جہاں خوبصورتی اور جوانی میں سب سے آگے تھی وہاں وہ عقلمند اور سلیقہ شعار بھی تھی ۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ وہاں کا بادشاہ کسی وجہ سے اس تاجر سے ناراض ہوگیا اور اس نے وزیر کو بلاکر حکم دیا ۔

"اس تاجر کو اس کے خاندان سمیت ، آج ہی ملک بدر کردیا جائے ! "

بادشاہ بڑا سخت مزاج اور ضدی طبیعت کا مالک تھا اس لئے وزیر بھی اس کے حکم پر عمل کرانے پر مجبور تھا ۔ اس نے سر جھکاکر عرض کیا ۔

" جو حضور کا حکم ! ایسا ہی کیا جائے گا ۔ "

اس پر بادشاہ نے مزید کہا ۔

" اور اس تاجر کو یہ بھی بتادیا جائے کہ اگر وہ پھر کبھی اس ملک میں واپس آیا تو اسے قتل کرادیا جائے گا ۔ "

وزیر نے پھر سر جھکاکر کہا ۔

" حضور کی مرضی کے مطابق ہوگا ۔ "

بادشاہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا ۔

" اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ تاجر یا اس کے خاندان کا کوئی فرد اپنے ساتھ کوئی سامان نہیں لے جا سکتا ۔ بس جو کپڑے ان کے تن پر ہوں ، انہیں کے ساتھ جلاوطن کردیا جائے ۔ "

"حضور اطمینان رکھیں۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔"

وزیر نے پھر سرجھکا کر کہا اور اسی وقت بادشاہ کے حکم کے مطابق سپاهیوں کو تاجر کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اسے جلاوطنی کے احکام پہنچا دیں اور اسے فوری طور پر خاندان سمیت شہر بدر کردیا جائے۔ حکم ملتے ہی سپاہی تاجر کے گھر پہنچ گئے اور اسے بتایا۔

"بادشاہ کا حکم ہے کہ تمھیں اپنے گھر والوں سمیت آج اور اسی وقت شہر بدر کردیا جائے۔"

یہ حکم سن کر تاجر اور اس کے گھر والے ھکا بکا رہ گئے۔ اس نے پریشان ہوکر پوچھا۔

"مگر میرا قصور کیا ہے؟"

"ھمیں اس کا علم نہیں ہے۔"

سپاهیوں نے جواب دیا۔

"ھمیں جو حکم ملا ہے، ہم اس پر عمل کرانے آئے ھیں۔"

اس کے ساتھ ھی انھوں نے تاجر کو یہ بھی بتایا کہ

"ھمیں یہ بھی حکم ملا ہے کہ تمھیں کوئی چیز ساتھ نہ لے جانے دی جائے۔ جو کپڑے تم لوگوں نے اس وقت پہن رکھے ھیں بس انھیں میں چلے جاؤ۔"

تاجر، اس کا بیٹا اور بیٹے کی چاروں بیویاں بہت گھبرائیں مگر وہ کیا کرسکتے تھے؟ بادشاہ کا حکم ماننے سے انکار کرتے تو سب کی جان جاتی تھی۔ وہ اسی شش و پنج میں تھے کہ تاجر کے بیٹے کی سب سے چھوٹی بیوی نے سپاھیوں کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں سفر کے لیئے چند روٹیاں پکالوں؟"

"نہیں! ھمیں اس کا حکم نہیں ہے۔"

ایک سپاھی نے بڑے رعب سے کہا۔ اس پر وھی بیوی بولی۔

"معلوم نہیں ھمیں کتنا لمبا سفر طے کرنا پڑے اور نہ جانے

ہم کہاں جائیں - اس لئے ہم پر اتنی عنایت کریں اور مجھے اجازت دیدیں کہ میں سفر کے لئے چند روٹیاں پکالوں - راستہ میں اگر کہیں بھوک لگی تو ہم اپنا پیٹ تو بھرسکیں گے - ،،

سپاہیوں کو ان پر رحم آگیا - انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ,, بیچاروں کو چند روٹیاں پکا ہی لینے دو - اس میں کیا ہرج ہے ؟ آخر یہ بھوکے پیاسے کب تک سفر کریں گے ؟ ،،

چنانچہ انہوں نے چھوٹی بیوی سے کہا -

,, اچھا ! ہم یہیں کھڑے ہیں تم جلدی جلدی چند روٹیاں پکالو - اگر بادشاہ کو اس بات کا علم ہوگیا تو وہ تمہارے ساتھ ہمیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا - ،،

چھوٹی بیوی جلدی سے بولی -

,, آپ فکر نہ کریں - میں ابھی پکائے لیتی ہوں - ،،

اس نے جلدی جلدی ایک پرات میں آٹا ڈال کر گوندھنا شروع کردیا اور آٹا گوندھتے میں وہ چار بیش قیمت ہیرے بھی آٹے میں ڈال لیئے جو ان کے گھر میں موجود تھے - پھر اس نے جوں توں کرکے روٹیاں پکائیں - ان روٹیوں میں چار روٹیاں ایسی تھیں جن میں سے ہر ایک کے اندر ایک بیش قیمت ہیرا چھپا ہوا تھا - یہ سب کچھ کرنے کے بعد اس نے سپاہیوں سے کہا -

,, دیکھ لیجئے ! ہم ان روٹیوں کے سوا اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جارہے - ،،

سپاہیوں نے روٹیاں لے جانے کی اجازت تو دے ہی دی تھی لہذا تاجر ، اپنے بیٹے اور اپنی چاروں بہوؤں کو ساتھ لے کر کسی دوسرے دیس کے سفر پر روانہ ہوگیا -

وہ کئی روز تک سفر کرتے رہے - جب چلتے چلتے تھک جاتے تو کہیں کچھ دیر کے لئے آرام کرلیتے - بھوک لگتی تو اپنے ساتھ لائی ہوئی روٹیوں میں سے کچھ کھاکر پیٹ بھر لیتے - تاجر کے بیٹے کی چھوٹی بیوی جو روٹیاں پکاکے ساتھ لائی تھی ، اس نے ان میں سے وہ چار روٹیاں چھپا کے الگ رکھ لی تھیں جن میں بیش قیمت ہیرے چھپے ہوئے تھے اور باقی روٹیاں

ایک ایک کرکے ختم ہوگئیں - یہاں تک کہ وہ چلتے چلاتے ایک دوسرے ملک میں چلے گئے جہاں کوئی دوسرا بادشاہ حکومت کرتا تھا - جب وہ وہاں پہنچے اس وقت ان کے پاس پیسہ دھیلا کچھ بھی نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ بازار سے بھی کوئی چیز خرید نہ سکتے تھے - انہوں نے شہر میں ایک چھوٹا سوٹا مکان کرائے پر لیا اور وہاں ٹھہر گئے - تاجر نے پریشان ہوتے ہوئے کہا -

" ہماری جان تو کسی نہ کسی طرح بچ گئی ہے مگر اب کھانے پینے کا بندوبست کہاں سے ہوگا ؟ "

بیٹا بھی پریشان تھا - اگر بادشاہ انہیں کچھ ساتھ لانے کی اجازت دے دیتا تو وہ اتنی دولت تو ساتھ لا ہی سکتے تھے جس سے کچھ روز آرام سے گذر جاتے - یہ سوچ سوچ کر سب اپنی اپنی جگہ اداس اور فکر مند تھے - تاجر کو یہ بات معلوم تھی کہ اس کے سارے گھرانے میں اس کی چھوٹی بھو سب سے زیادہ عقل مند ہے - وہ یقیناً کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب سوچ لے گی جس سے شاید ان کی مشکل آسان ہو جائے - اسی لئے وہ اس سے کہنے لگا -

" بیٹی ! اب ہمیں زندہ رہنے کے لئے کیا کرنا چاہیے ؟ کوئی ترکیب بتاؤ ! تم جانتی ہو اس وقت ہمارے پاس پیسہ دھیلا کچھ بھی نہیں ہے ـــ بلکہ اب تو تن کے کپڑے اگر پھٹ جائیں تو ہمارے پاس دوسرا جوڑا بھی نہیں جو پہن لیا جائے - میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا کہ کیا کریں ؟ "

چھوٹی بھو نے لمحہ بھر کے لئے سوچا اور پھر اس نے اپنے پاس چھپائی ہوئی چار روٹیوں میں سے ایک روٹی نکالی اور اس میں سے بیش قیمت ہیرا نکال کر خسر کو دیکر کہا -

" فی الحال آپ یہ ہیرا لیں اور بازار میں جا کر بیچ آئیں - اس سے کچھ دن تو ہمارے آسانی سے گذر جائیں گے - بعد کا اللہ مالک ہے - کوئی بندوبست ہوجائے گا - "

تاجر اور اس کے بیٹے نے قیمتی ہیرا دیکھا تو بہت خوش ہوئے - پوچھنے لگے -

" تم یہ کیسے لے آئیں ؟ "

جواب میں جب اس نے انہیں بتایا کہ اس طرح میں نے آٹا گوندھتے وقت یہ آٹے میں ملادیا تھا اور پھر پیڑے میں رکھ کر اس طرح موٹی روٹی پکالی کہ یہ نظر نہ آسکے۔ اس کی یہ بات سن کر انہیں اب یہ پتہ چلا کہ اس نے چلتے وقت روٹیاں پکانے پر اس قدر اصرار کیوں کیا تھا۔ ورنہ وہ تو اب تک یہی سمجھے ہوئے تھے کہ اس نے صرف راستے کی بھوک کے خیال سے روٹیاں پکانے کی اجازت مانگی تھی۔ اب تو وہ واقعی اس کی ذہانت کے قائل ہوگئے تھے۔

تاجر نے اپنی چھوٹی بہو سے وہ ہیرا لیا اور اسے بیچنے کے لیئے بازار کی طرف چل دیا۔ وہ راستہ بھر دل ہی دل میں اپنی بہو کی تعریف کرتا جارہا تھا کہ اس نے انہیں ایک بڑی مشکل سے نجات دلادی ہے۔ بازار میں چلتے چلتے اس نے ایک جوہری کی دکان دیکھی تو وہاں جاکر کہنے لگا۔

" میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ میرے پاس ایک قیمتی ہیرا ہے جسے میں بیچنا چاہتا ہوں۔ "

جوہری نے ایک نظر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

" کون سا ہیرا ہے؟ مجھے دکھاؤ! اگر مجھے پسند آگیا تو میں ضرور خرید لوں گا۔ "

اور جب تاجر نے جیب میں سے ہیرا نکال کر اسے دکھایا تو جوہری کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کیونکہ وہ ہیرا انتہائی قیمتی اور کم یاب تھا۔ اسے دیکھ کر جوہری کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کرلیا کہ چاہے کچھ بھی ہو اس سے یہ ہیرا حاصل کرلینا چاہئیے۔ وہ جوہری حقیقت میں جوہری نہیں تھا بلکہ ایک بہت بڑا ڈاکو تھا اور اس نے یہ دکان صرف اپنے اوپر پردہ ڈالنے کے لئے کی ہوئی تھی۔ اب جو اس نے دیکھا کہ مال خود ہی چل کے اس کے پاس آگیا ہے تو وہ اپنے دل میں اسے ہتھیانے کے منصوبے بنانے لگا۔

" ہاں! میں اسے ضرور خرید لوں گا۔ "

اس نے تاجر سے کہا اور پھر اپنے ایک نوکر کو مخاطب کرکے بولا ۔

" جاؤ ! اندر سے روپوں کی ٹوکری بھر کے لاؤ تاکہ میں اس شخص کو ہیرے کی قیمت ادا کرسکوں ۔ "

جب نوکر روپے لینے کے لئے دکان کے اندر چلا گیا تو جوہری تاجر کی طرف متوجہ ہوا ۔ اس نے دکان میں ایک طرف رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔

" آئیے ! اتنی دیر آپ کرسی پر تشریف رکھیئے ۔ "

یہ سن کر تاجر خوشی خوشی دکان میں داخل ہوا اور آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا ۔ لیکن جوں ہی وہ کرسی پر بیٹھا اس کے ساتھ ہی دھڑام سے ایک گہرے گڑھے میں جاگرا ۔ دراصل وہ کرسی تاجر نے بنائی ہی اسی لئے تھی ۔ وہ کچے دھاگوں سے بنی ہوئی تھی اور اس کے اوپر ایک سفید کپڑا بچھا ہوا تھا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہوسکے ۔ اسی کرسی کے عین نیچے ایک بہت بڑا گڑھا کھدا ہوا تھا تاکہ بیٹھنے والا اچانک اس میں جا گرے ۔ اور یہی کچھ اس تاجر کے ساتھ ہوا ۔ وہ ابھی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ دوسرے ہی لمحے اس نے دیکھا وہ ایک گہرے گڑھے میں گرا ہوا تھا ۔ جوہری نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس گڑھے پر ایک بڑا سا پتھر رکھ دیا ۔ اس طرح اس نے بڑی آسانی سے اور بغیر کوئی قیمت ادا کیئے وہ بیش قیمت ہیرا حاصل کرلیا ۔

دوسری طرف جب تاجر واپس گھر نہ پہنچا تو اس کے گھر والے بہت پریشان ہوئے ۔ انہوں نے سوچا ، ہوسکتا ہے ہیرا بیچنے یا بھاؤ تاؤ کرنے میں دیر ہوگئی ہو لیکن جب شام ہوگئی اور وہ لوٹ کے نہ آیا تو ان کی پریشانی اور بھی بڑھ گئی ۔ اسی انتظار میں رات بھی گذرگئی اور پھر دوسرا دن آگیا مگر تاجر کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا ۔ جب وہ اس کے انتظار سے مایوس ہوگئے تو چھوٹی بیوی نے اپنے پاس چھپائی ہوئی باقی تین روٹیوں میں سے ایک روٹی نکالی اور اس میں سے دوسرا ہیرا نکال کر اپنے شوہر کو دیتے ہوئے بولی ۔

" جاؤ اور باپ کو کہیں تلاش کرو ۔ "

پھر اس نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا ۔

" یہ ہیرا اپنے پاس رکھو ! اگر تمھیں باپ مل جائے تو اس کے پاس جو ہیرا ہے اسے بیچ کر کھانے پینے کا سامان اور کپڑے وغیرہ خرید لانا اور اگر وہ نہ مل سکے تو پھر یہ ہیرا بیچ کر گھر کے لیئے سامان خرید لانا ۔"

" اچھا ! جیسے تم نے کہا ہے میں ایسے ہی کروں گا ۔"

تاجر کے بیٹے نے بیوی سے ہیرا لیا اور اپنے باپ کی تلاش میں چل دیا ۔ وہ بہت دیر تک شہر کے مختلف بازاروں اور گلیوں میں گھومتا رہا کہ شاید کہیں اس کا باپ مل جائے لیکن اس قدر تلاش کے باوجود اس کے باپ کا کہیں پتہ نہ چلا ۔ اجنبی شہر تھا ۔ وہ کسی سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ بھی نہیں کر سکتا تھا ۔ بھلا اسے اور اس کے باپ کو وہاں کون جانتا تھا جو وہ کسی سے اس کے بارے میں دریافت کرتا ۔ خود ہی ادھر ادھر گھوم کر ڈھونڈتا رہا مگر جب وہ کسی طور نہ مل سکا تو اس نے دل میں سوچا ، اس طرح تو میں ہفتوں گھومتا پھروں تو جب بھی باپ کا ملنا مشکل ہے ۔ گھر میں تمام لوگ میرے انتظار میں بیٹھے ہوں گے ، کیوں نہ وہ ہیرا فروخت کرکے گھر کے لیئے سامان خریدلوں جو میں خود لایا ہوں ۔ وہ یہی کچھ سوچتا ہوا ایک بڑے بازار میں سے گذر رہا تھا کہ سامنے ہی اسے جواھرات کی ایک بڑی دکان دکھائی دی ۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ اسی جوہری کی دکان تھی جس نے اس کے باپ کو دھوکے سے گڑھے میں بند کرکے اس سے قیمتی ہیرا ھتھیا لیا تھا ۔ تاجر کا بیٹا بھی اسی دکان تک پہنچ گیا ۔ اس نے جوہری سے کہا ۔

" میں اس شہر میں اجنبی ہوں اور میرے پاس ایک قیمتی ہیرا ہے ۔ میں اسے فروخت کرنا چاھتا ہوں ۔"

جوہری نے اسے تاڑتے ہوئے جواب دیا ۔

" کون سا ہیرا ہے ؟ مجھے دکھاؤ شاید میں خرید سکوں ۔"

تاجر کے بیٹے نے جیب سے ہیرا نکال کر جوہری کے ھاتھ پر رکھ دیا اور ہیرا دیکھتے ہی جوہری سمجھ گیا کہ ہو نہ

ہو یہ بھی اس پہلے آدمی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے جلدی سے اپنے ایک ملازم سے کہا۔

"جاؤ! اندر سے روپوں کی ایک ٹوکری بھر کے لاؤ تاکہ میں اس ہیرے کی قیمت ادا کرسکوں۔"

اس کے بعد اس نے تاجر کے بیٹے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اندر آئیے! آپ اتنی دیر اس کرسی پر بیٹھیں۔ نوکر ابھی روپے لیکر آتا ہے۔"

تاجر کا بیٹا بھی اپنے باپ کی طرح جوہری کی چال سے بےخبر تھا۔ وہ آگے بڑھا اور ابھی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے ساتھ ہی نیچے ایک گہرے گڑھے میں جاگرا۔ یہ کرسی بھی اسی طرح کچے دھاگے سے بنی ہوئی تھی جس پر سفید کپڑا پڑا ہوا تھا اور اس کے نیچے ایک گڑھا کھدا ہوا تھا۔ تاجر کے بیٹے کو بھی اس بات کا اندازہ نہ ہوسکتا تھا کہ اس پر بیٹھنے سے وہ ٹوٹ جائے گی۔ چنانچہ اب وہ بھی اپنے باپ کی طرح ایک دوسرے گڑھے میں بند تھا جس پر جوہری نے ایک بڑا سا پتھر رکھ کر اسے اوپر سے بند کردیا تھا۔ اس طرح جوہری کے ہاتھ ایک اور بیش قیمت ہیرا مفت میں آگیا تھا۔

دوسری طرف جب اس کی چاروں بیویوں نے دیکھا کہ خسر گیا تو وہ واپس نہیں آیا اور اب شوہر اسے تلاش کرنے گیا تو وہ بھی واپس نہیں لوٹا تو وہ بہت پریشان ہوئیں۔ اجنبی شہر، نہ کوئی واقف اور نہ پاس پیسہ! بہت سوچ بچار کے بعد سب سے چھوٹی بیوی نے اپنے ہاتھ کی انگلی سے وہ قیمتی انگشتری نکالی جو اتفاق سے اس کے ساتھ آگئی تھی۔ اس نے اپنی سوتوں سے کہا۔

"تم یہاں بیٹھو! میں اسے بیچ کر کچھ خرید کر لاتی ہوں۔ بعد میں انہیں تلاش کریں گے۔"

وہ گھر سے نکل کر گھومتی گھامتی اسی بازار میں اور اسی جوہری کی دکان پر پہنچ گئی۔ وہاں پہنچ کر اس نے جوہری سے کہا۔

" میں اس شہر میں اجنبی ہوں اور میرے پاس ـــــ !"

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ آگے سے جوہری اس کی بات کاٹ کر جلدی سے بولا ۔

" کیا تم ہیرا بیچنا چاھتی ہو ؟"

" ہیرا ؟ کون سا ہیرا ؟"

وہ چونک پڑی ۔ اس نے سوچا ، اس کو کیسے معلوم ہے کہ میرے پاس ہیرا بھی ہے ؟ یقیناً اس میں کوئی راز ہے ۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ ہو نہ ہو اس جوہری کو میرے خاوند اور سسر کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے ۔ وہ یہ سوچتی ہوئی وہاں سے چلی گئی ۔ اس نے کسی اور دکان پر اپنی قیمتی انگشتری فروخت کی ۔ گھر کے لیئے کھانے پینے کا سامان اور کچھ کپڑے لتے خریدے ۔ اس کے ساتھ ہی اپنے لیئے ایک سپاہی کی مردانہ وردی بھی خریدلی اور گھر چلی آئی ۔

دوسرے روز صبح ہی صبح تیار ہوکر اس نے مردانہ وردی پہنی ۔ ایک تو وہ جوان تھی ، دوسرے چہرے کے خد و خال بھی اچھے تھے لہذا جب اس نے مردانہ وردی پہنی تو وہ واقعی ایک وجیہہ نوجوان دکھائی دے رہی تھی ۔ اس نے اپنی سوتوں سے کہا ۔

" تم تینوں گھر پر رہو ! میں شوہر اور سسر کو تلاش کرنے جاتی ہوں ۔"

وہ گھر سے رخصت ہوکر سیدھی بادشاہ کے دربار میں پہنچ گئی ۔ اس وقت وہ عورت کی بجائے ایک خوبصورت نوجوان کے روپ میں تھی اور اسے کوئی پہچان نہ سکتا تھا ۔ بادشاہ نے ایک اجنبی سپاہی کو اپنے دربار میں دیکھا تو دریافت کیا ۔

" اے نوجوان ! تم کون ہو اور کیا چاھتے ہو ؟"

اس نے عاجزی سے مردانہ آواز بناکر عرض کیا ۔

" حضور والا ! میں ایک اجنبی ہوں ۔ اپنے ملک میں ایک سپاہی تھا ۔ اب چاھتاھوں کہ حضور کے نمک خواروں میں شامل ہوکر کوئی خدمت انجام دوں ۔"

بادشاہ اس کے حسن و جوانی سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے خوش ہوکر وزیر سے کہا۔

" اس نوجوان کو آج ہی کسی خدمت پر مامور کردیا جائے۔"

بادشاہ کے حکم کے مطابق اسے اسی دن ملازم رکھ لیا گیا۔ اور اب وہ ایک سپاہی تھی۔ اسی روز شہر سے باہر ایک شخص کو کسی جرم میں پھانسی دی گئی تھی اور رات کو اس کی لاش پر پہرہ دینے کے لئے اسے منتخب کیا گیا تھا۔ تلوار اور تیر کمان لیئے وہ ویرانے میں لاش پر پہرہ دے رہی تھی کہ اچانک رات کو اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی شیر دھاڑتا ہو۔ وہ چوکنا ہوکر کھڑی ہوگئی اور انتظار کرنے لگی کہ دیکھوں کیا مصیبت آتی ہے۔ دراصل وہاں سے قریب ہی ایک جنگل تھا جس میں ایک خوفناک راکھشش رہتا تھا۔ وہ اکثر رات کے وقت شہر میں آتا، کوئی نہ کوئی آدمی اٹھاکر لے جاتا اور اسے کھا جاتا۔ ایسا ایک عرصہ سے ہورہا تھا اور سارا شہر اس سے خوف زدہ تھا۔ بادشاہ نے اسے قتل کرنے کے لیئے بہت جتن کیئے تھے لیکن آج تک راکھشش کو کوئی ختم نہیں کرسکا تھا۔ چنانچہ آج بھی راکھشش دور سے شیر کی طرح دھاڑتا ہوا آرہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جہاں ایک شخص کو پھانسی دی گئی تھی وہاں ایک نوجوان پہرہ دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے جلدی سے ایک عورت کا روپ دھار لیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا اور بڑی مظلوم آواز میں بولا۔

" بیٹا! میں ایک دکھیا عورت ہوں۔ تم اگر میری مدد کرو تو میں تمھارا احسان عمر بھر نہ بھولوں گی۔"

سپاہی نے پوچھا۔

" کہو! میں تمھاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟"

جواب میں عورت روتے ہوئے کہنے لگی۔

" بادشاہ نے میرے شوہر کو پھانسی دیدی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ ایک بار اس کی شکل دیکھ لوں۔ تم مجھے اس کی اجازت دیدو۔"

سپاھی نے جواب دیا۔

"جاؤ! وہ تمھارے شوھر کی لاش لٹک رھی ھے۔ جلدی سے جاکر دیکھ لو۔ جلدی کرو ورنہ کوئی دیکھ لے گا۔"

مگر عورت بولی۔

"بیٹا! پھانسی کا تختہ بہت اونچا ھے۔ میں اس تک کیسے پہنچ سکتی ھوں؟"

یہ سن کر سپاھی آگے بڑھا اور اس نے عورت سے کہا۔

"اچھا آؤ! تم میرے کاندھے پر سوار ھو جاؤ اور اوپر ھو کر اپنے خاوند کا چہرہ دیکھ لو۔"

اس نے عورت کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور پھانسی کے تختے کے پاس لے گیا جہاں پھانسی پانے والے شخص کی لاش لٹک رھی تھی۔ مگر جوں ھی اس نے بڑھیا کو اٹھاکر لاش کے قریب کیا بڑھیا نے لاش کو کھانا شروع کردیا۔ یہ دیکھ کر سپاھی سمجھ گیا کہ یہ عورت کے بھیس میں کوئی راکھشش ھے۔ اس نے جلدی سے عورت کو زمین پر پھینکا اور بجلی کی سی تیزی سے میان سے تلوار نکال کر اس کا سر تن سے جدا کردیا مگر راکھشش اپنے جادو کے زور سے آناً فاناً میں غائب ھوگیا۔ وھاں نہ اس کا سر تھا اور نہ دھڑ۔ البتہ جاتے میں اس کے پاؤں کی ایک پازیب وھیں گرپڑی تھی۔

جب صبح ھوئی تو سپاھی نے وہ پازیب اٹھائی اور سیدھا بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ اس نے رات والا قصہ سارا بیان کیا کہ کس طرح راکھشش عورت بن کے آیا، کس طرح اس نے لاش کو کھانا شروع کردیا اور پھر کس طرح اس نے تلوار سے اس کا سر قلم کردیا لیکن وہ جادو کے زور سے غائب ھوگیا۔ اس کے بعد سپاھی بولا۔

"اس کے ثبوت میں اس کی یہ پازیب حضور کے سامنے پیش ھے۔"

بادشاہ اور اس کے درباری سپاھی کی بہادری پر بہت خوش ھوئے۔ بادشاہ نے دیکھا تو اس پازیب پر نہایت بیش قیمت جواھرات جڑے ھوئے تھے۔ اس نے خوش ھوکر سپاھی سے کہا۔

"اے نوجوان ! ہم تمھاری بہادری سے بہت خوش ہوئے ہیں ۔"
پھر اس نے سپاھی کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور بولا ۔

"مانگو جو کچھ مانگتے ہو ۔ ہم تمھاری ہر خواہش پوری کریں گے ۔"

سپاھی نے دست بستہ عرض کیا ۔

"حضور ! خدا کا دیا آپ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے ۔"

بادشاہ اصرار کرتے ہوئے کہنے لگا ۔

"ہم تمھیں انعام سے نوازنا چاھتے ھیں ۔ اس لئے جو بھی تمھاری تمنا ہے کہو ۔"

سپاھی نے اس بار بھی وھی جواب دیا ۔

"حضور ! خدا کا دیا آپ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے ۔"

اس بار بادشاہ نے بہت زیادہ اصرار کرتے ہوئے کہا ۔

"اے نوجوان ! یہ تیسری اور آخری بار ہے ۔ مانگو جو بھی تم چاھتے ہو ۔"

اس بار سپاھی نے عرض کیا ۔

"اگر حضور کو کچھ دینا ھی ہے تو مجھے شہر کا سب سے بڑا بازار بخش دیں اور ساتھ ھی مجھے اس بات کا اختیار بھی دیدیں کہ وھاں جو لوگ اس وقت رھتے ھیں ان کی قسمت کا فیصلہ میرے ھاتھ میں ہو ۔ میں انہیں چاھے سزا دوں ، چاھے قتل کروں ۔ خواہ جلاوطن کروں یا آزاد کروں ۔ اس میں کوئی دخل نہ دیا جائے ۔"

بادشاہ کے لیئے یہ کون سی بڑی بات تھی ۔ اس نے اسی وقت وزیر کو حکم دیا کہ

"اسی وقت شہر کا بڑا بازار اس نوجوان کی ملکیت میں دے دیا جائے ۔ اسے آزادی ہوگی یہ وھاں جو چاھے کرے !"

بادشاہ نے اسے مدد کے لئے چند سپاھی بھی دیدیئے اور تاجر کی چھوٹی بیوی جو اس وقت ایک سپاھی کے روپ

میں تھی ، ان سپاهیوں کو لیکر سیدھی شہر کے بڑے بازار میں اسی جوہری کی دکان پر گئی اور اس سے پوچھا ۔

" بتاؤ ! تمھارے پاس جو دو آدمی قیمتی ہیرے بیچنے آئے تھے وہ کہاں ہیں ؟ "

جوہری نے بڑی چالاکی سے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہا ۔

" حضور ! میرے پاس تو ایسا کوئی آدمی نہیں آیا ۔ "

جواب میں اس نے ڈانٹ کر کہا ۔

" سچ سچ بتادو—ورنہ تمھیں اسی وقت قتل کردیا جائے گا ۔ "

جوہری ہاتھ جوڑ کر بولا ۔

" حضور کو یقین نہ ہو تو آپ خود دکان کی تلاشی لے سکتے ہیں ۔ "

" اس کی دکان کی تلاشی لی جائے ! "

اس نے اپنے ساتھ آنے والے سپاهیوں سے کہا ۔ اور پھر تلاشی کے دوران انہوں نے کچے دھاگوں سے بنی ہوئی کرسیاں ہٹاکر دیکھا تو ان کے نیچے ایک ایک گڑھا تھا جس پر بھاری پتھر رکھے ہوئے تھے ۔ جب پتھر ہٹائے گئے تو ان میں سے ایک میں تاجر اور دوسرے میں تاجر کا بیٹا بند تھا ۔ وہ دونوں اس وقت بھوک پیاس سے ادھ موئے ہوچکے تھے ۔ انہیں جلدی جلدی گڑھوں میں سے نکالا گیا اور جوہری کو اسی وقت گرفتار کرکے دربار میں پیش کردیا گیا ۔ پھر اس نے بادشاہ کو بتایا ۔

" حضور ! اس خادم نے محض اس جوہری کو سزا دینے کے لیئے اس بڑے بازار کا مطالبہ کیا تھا ۔ یہ جوہری دراصل ایک ڈاکو ہے جس نے میرے سسر اور خاوند کو دھوکے سے اپنے پاس قید کرلیا تھا اور ان سے دو بیش قیمتی ہیرے ہتھیا لیئے تھے جو وہ بیچنے کے لیئے اس کے پاس گئے تھے ۔ "

بادشاہ اور اس کے تمام درباری بڑی حیرت سے یہ سب کچھ سن رہے تھے ۔ اور اس وقت تو ان کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب سپاہی نے زنانہ لباس کے اوپر پہنی ہوئی اپنی وردی اتاردی

اور پھر سب نے دیکھا ، ان کے سامنے سپاہی کی بجائے ایک حسین اور نوجوان عورت کھڑی تھی ۔

"حضور ! اس کنیز نے اپنے خاوند اور سسر کو رہائی دلانے کے لیئے یہ سارا کھیل کھیلا تھا ۔"

بادشاہ حیران تھا کہ ایک عورت اور اس قدر بہادر ؟ لیکن وہ اس کی دلیری سے خوش تھا ۔ اس نے حکم دیا ۔

"اس جوہری کو فوراً قتل کردیا جائے !"

اس کے بعد وہ اپنے تخت سے اتر کر عورت کے پاس آیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا ۔

"آج سے تم ہماری بیٹی ہو !"

اس طرح تاجر کے بیٹے کی سب سے چھوٹی بیوی اپنی دانشمندی اور ذہانت سے بادشاہ کی بیٹی بن گئی ۔ بادشاہ نے ان کو ایک الگ محل دے دیا جہاں وہ سب اپنی باقی زندگی آرام اور سکون کے ساتھ ہنسی خوشی گذارنے لگے ۔

کہا جاتا ہے یہ محض اس عقلمند عورت کی بہادری تھی جو اس کے بعد کبھی راکھشش نے اس شہر کا رخ نہیں کیا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اب وہ اسی شہر میں رہ رہی ہے ۔

دو بھائی

کسی زمانے میں ایک شہر میں دو بھائی رہتے تھے۔ بڑا بھائی امیر تھا لیکن اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے برعکس چھوٹا بھائی بہت غریب تھا اور اس کے دو بیٹے تھے جو دونوں ہم شکل تھے۔ وہ روزانہ صبح سویرے شہر سے نکل جاتا۔ دن بھر جنگل میں لکڑیاں کاٹتا اور شام کو شہر میں لاکر بیچ دیتا۔ اس سے جو چار پیسے ملتے اس سے گذر بسر کرتا۔ اس طرح وہ، اس کی بیوی اور دونوں بچے مفلسی میں زندگی گذار رہے تھے۔

ایک روز حسب معمول وہ جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ اسے ایک جھاڑی میں کوئی چمک‌دار چیز دکھائی دی۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا تو یہ سونے کا ایک پر تھا۔ اس بیچارے نے ساری زندگی غریبی اور تنگدستی میں گذاری تھی اور کبھی سونا دیکھا تک نہیں تھا۔ اس لئے اس پر کو دیکھ کر صرف اتنا سمجھا کہ یہ پر پرندوں کے عام پروں سے ذرا مختلف ہے۔ اس کا رنگ بھی سنہرا تھا اور یہ چمکیلا ہونے کے ساتھ ساتھ سخت بھی تھا۔ اس نے تھوڑی دیر تک اس کا جائزہ لیا اور پھر محض ایک خوبصورت اور انوکھی چیز سمجھ کر اسے گھر لے آیا۔ گھر آکر وہ اپنے بڑے بھائی کے پاس گیا اور اسے وہ پر دکھاتے ہوئے بولا۔

”دیکھو! آج مجھے یہ عجیب و غریب پر ملا ہے۔“

جوں ہی بڑے بھائی نے پر دیکھا، وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ سونے کا ہے۔ اس نے پوچھا۔

”تمھیں یہ کہاں سے ملا ہے؟“

جواب میں چھوٹے غریب بھائی نے بتایا کہ

”یہ مجھے جنگل سے ملا ہے۔“

امیر بھائی کا دل بے ایمان ہوگیا۔ اس نے سوچا۔ اگر

اسے میں نے یہ بتا دیا کہ پر سونے کا ہے تو یہ مجھے نہیں دے گا اور خود جاکر بازار میں بیچ دے گا۔ اس لئے وہ کہنے لگا۔

" ہاں! اچھا ہے -- مگر تمہارے کس کام کا؟ لاؤ اسے میں رکھ لیتا ہوں۔"

اس نے دو چار روپے دیکر غریب بھائی سے وہ پر لے لیا اور کہا۔

" ایسے پر اور بھی لاؤ۔ میں تمھیں اور پیسے دوں گا۔"

غریب بھائی کو جب ایک پر کے بدلے دو چار روپے مل گئے تو وہ بہت خوش ہوا۔ کہاں وہ دن بھر لکڑیاں کاٹتا تھا، محنت کرتا تھا اور تب کہیں جاکر اسے چند ٹکے ملتے تھے۔ اور کہاں اب ایک پر کے اتنے پیسے مل گئے تھے۔ اس نے وہ پر اپنے بھائی کو دیا اور خوشی خوشی اپنے گھر آگیا۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ جب دوسرے روز وہ معمول کے مطابق پھر جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا تو اسے اسی جھاڑی کے قریب سے ایک ویسا ہی سونے کا پر مل گیا جیسا کل ملا تھا۔ پر دیکھ کر وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ خوش ہوا اور اپنے دل میں سوچنے لگا۔ چلو، آج پھر بڑے بھائی سے دو چار روپے مل جائیں گے۔ محنت بھی نہیں کرنا پڑی۔ وہ لکڑیاں کاٹنے کے بجائے پر لیکر سیدھا اپنے بھائی کے پاس پہنچ گیا اور بولا۔

" لو! آج پھر میں ویسا ہی سنہری پر لایا ہوں۔"

" کہاں ہے وہ پر؟"

امیر بھائی نے اشتیاق سے پوچھا اور جواب میں اس نے وہ پر اس کی طرف بڑھادیا۔

" چلو، یہ بھی میں کسی نہ کسی کام میں لے آؤں گا۔"

بڑے بھائی نے اس طرح کہا جیسے وہ کوئی غیر اہم چیز ہو۔ اس کے بعد اس نے پر لے لیا اور اس کے بدلے میں اپنے چھوٹے بھائی کو دو چار روپے دیدیئے۔ اس کے ساتھ ہی اس سے کہنے لگا۔

" جس پرندے کے تم پر لائے ہو کل اس کا دھڑ بھی لانا۔ میں تمھیں زیادہ پیسے دوں گا۔"

" اچھا! میں کوشش کروں گا۔"

غریب بھائی نے سوچا۔ جب بڑا بھائی ایک معمولی پر کے بدلے میں دوچار روپے دے دیتا ہے تو دھڑ کے بدلے تو یقیناً زیادہ دیگا۔ یہی سوچ کر وہ دوسرے روز صبح ھی صبح جنگل پہنچ گیا اور ادھر ادھر پرندے کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن پرندہ وھاں بیٹھا ھوا تو تھا نہیں جو اسے فوراً مل جاتا۔ وہ دن بھر اسی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر جب شام ھوگئی اور پرندہ اسے کہیں دکھائی نہ دیا تو وہ مایوس ھوگیا۔ آج اسی خوشی میں اس نے لکڑیاں بھی نہیں کاٹی تھیں کہ دھڑ مل جائے گا تو بہت سے پیسے ملیں گے۔ چنانچہ جب اندھیرا پھیل گیا تو وہ بے دل سا ھوکر واپس چلا آیا۔

اب وہ پھر روزانہ لکڑیاں کاٹنے کے لئے جنگل چلا جاتا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ لکڑیاں کاٹنے میں اس کا دل نہ لگتا تھا۔ وہ ہر وقت اسی خیال سے ادھر ادھر دیکھتا رھتا کہ شاید اس پرندے کا دھڑ مل جائے اور بھائی سے روپے ملنے کا سہارا بن جائے۔ وہ کئی روز تک اسی جستجو میں رھا۔ قدرت خدا کی دیکھئے کہ ایک روز جب وہ حسب معمول جنگل میں لکڑیاں کاٹنے میں مصروف تھا اور پرندے سے مایوس ھوچکا تھا تو اچانک اس نے ایک جھاڑی میں کوئی چمکیلی سی چیز دیکھی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دیکھا تو یہ اسی پرندے کا دھڑ تھا جس کی اسے کئی روز سے تلاش تھی۔ وہ بہت خوش ھوا اور لکڑیاں وغیرہ وھیں چھوڑ چھاڑ کر سیدھا اپنے بھائی کے پاس پہنچ گیا۔

" دیکھو! میں اس پرندے کا دھڑ بھی لے آیا ھوں۔"

اس نے خوش ھوکر اپنے بھائی سے کہا۔

" لاؤ مجھے دکھاؤ! کہاں ہے اس کا دھڑ؟"

بڑے بھائی نے اس سے پوچھا جس کے جواب میں غریب بھائی نے چمکتا ھوا پرندے کا دھڑ اس کی طرف بڑھادیا۔

"یہ دیکھو!"

امیر بھائی نے اسے ہاتھ میں لیکر الٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا۔
"یہ بھی تمھارے کس کام کا؟ شاید میرے کسی کام آجائے۔"

اس کے بعد اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو دس بیس روپے دیکر رخصت کر دیا۔ اس غریب کے لئے دس بیس روپے ہی بہت تھے۔ وہ اسی میں خوش ہوکر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد امیر بھائی نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔"

"لو! اس پرندے کو پکاؤ۔ اس کے گردے میں کھاؤں گا اور دل تم کھانا۔"

بیوی بولی۔

"اتنے سے پرندے کے دل گردے کیا ہوں گے؟ اس کو پکانا خالی محنت ہی کرنا ہے۔"

مگر اس نے اسے سمجھاتے ہوئے بتایا۔

"تم نہیں سمجھتی ہو۔ اس کے دل گردے کھانے کے بعد جب ہم روزانہ صبح سوکر اٹھا کریں گے تو ہمارے تکیوں کے نیچے سے دو دو اشرفیاں نکلا کریں گی۔"

گو بیوی کو اس بات کا یقین نہیں تھا لیکن پھر بھی اس نے پرندے کا وہ دھڑ لے لیا۔ اس کے گردے اور دل نکالے اور ہنڈیا میں ڈال کر پکنے کے لئے چولہے پر چڑھادیا۔ وہ تھوڑی دیر تک تو چولہے کے پاس بیٹھی اسے پکاتی رہی اور پھر اٹھ کر گھر کے دوسرے کاموں میں لگ گئی۔ اس طرح ہنڈیا چولھے پر اکیلی رہ گئی۔ اتفاق کی بات کہ اتنے میں غریب بھائی کے دونوں بیٹے کہیں سے کھیلتے ہوئے ادھر آنکلے۔ اس وقت ان دونوں کو بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا تو ان کی چچی گھر کے اندر اپنے کام کاج میں مصروف تھی اور چولہے پر ہنڈیا میں کچھ پک رہا تھا۔ اس کا دھیان دوسری طرف دیکھ کر وہ دونوں چپکے سے چولہے کے پاس گئے اور ہنڈیا میں سے

دل اور گردے نکال کر دونوں کھالیئے ۔ اس کے بعد وہ دبے پاؤں وہاں سے بھاگ آئے تاکہ چچی دیکھ نہ لے ۔

ادھر جب امیر بھائی کی بیوی اپنے کام کاج سے فارغ ہوکر صحن میں چولھے کے پاس آئی اور اس نے ہنڈیا پر سے ڈھکنا اٹھایا تو دل گردے غائب تھے ۔ بڑی پریشان ہوئی ۔ اب کیا کرے ؟ اس نے سوچا، اگر میں نے خاوند کو بتایا کہ دل گردے غائب ہوگئے ہیں تو وہ بہت ناراض ہوگا اور مارے گا بھی ۔ اور اگر اسے نہ بتاؤں تو اس کو کھانے کے لیئے کیا دوں گی ؟ یہی کچھ سوچتے سوچتے آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی ۔ اس نے اسی وقت ایک مرغا منگوایا اور اس کا دل اور گردے نکال کر پکا لیئے ۔ جب اس کا شوہر گھر آیا تو اس نے اسی کے کہنے کے مطابق گردے اسے دیدیئے اور دل خود کھالیا ۔

" دیکھنا ! اب روزانہ ہم دونوں کے تکیوں کے نیچے سے اشرفیاں نکلا کریں گی ۔ "

اس نے خوش ہوکر بیوی سے کہا ۔ وہ اپنی جگہ مطمئن تھا کہ اس طرح اب ہر روز انہیں اشرفیاں مل جایا کریں گی اور ان کی دولت میں اضافہ ہوگا ۔

اس کے برعکس جب دوسرے روز صبح غریب بھائی کے دونوں بیٹے سوکر اٹھے تو ان کے تکیوں کے نیچے دو دو اشرفیاں دیکھ کر ان کا غریب باپ بہت گھبرایا ۔ اس نے پہلے تو یہ سوچا کہ شاید یہ دونوں کہیں سے چرا کر لائے ہیں لیکن دونوں بیٹوں نے ان اشرفیوں کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ ہمیں ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں ۔ ان کا یہ جواب سن کر غریب بھائی اس روز تو خاموش ہو رہا لیکن جب دوسری صبح پھر ان کے تکیوں کے نیچے سے کل کی طرح دو دو اشرفیاں نکلیں تو اور بھی گھبرایا ۔ وہ اسے کوئی برا شگون خیال کرکے دل ہی دل میں ڈر رہا تھا ۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ کسی کے تکیے کے نیچے سے اپنے آپ اشرفیاں کیسے نکل سکتی ہیں ؟

وہ اسی وقت بھاگا بھاگا اپنے بڑے اور امیر بھائی کے پاس گیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں اسے بتایا ۔

” بھائی ! ہمارے ساتھ ایک عجیب بات ہوئی ہے ۔ “

امیر بھائی نے اس کی گھبراہٹ دیکھی تو پوچھنے لگا ۔

” وہ عجیب بات کیا ہے ؟ مجھے بھی بتاؤ ۔ “

جواب میں غریب بھائی کہنے لگا ۔

” دو روز سے یہ ہورہا ہے کہ صبح جب میرے دونوں بیٹے سوکر اٹھتے ہیں تو ان کے تکیوں کے نیچے سے دو دو اشرفیاں نکلتی ہیں ۔ “

بڑے بھائی نے اس کی بات سنی تو فوراً سمجھ گیا کہ کیا معاملہ ہے ۔ وہ جان گیا کہ اس پرندے کے دل گردے چھوٹے بھائی کے بیٹے کھاگئے ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں بڑائی نے جنم لےلیا ۔ وہ سوچنے لگا اگر اب غریب بھائی کے بیٹے اسی کے پاس رہے تو روزانہ اشرفیاں نکلا کریں گی اور بہت جلد یہ بھی امیر ہوجائے گا لہذا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہئیے جس سے اس کے دونوں بیٹے اس کے پاس نہ رہیں ۔ چھوٹا بھائی غریب تو تھا ہی مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ بیوقوف بھی تھا ۔ اس کی اس بیوقوفی اور معصومیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر بھائی کہنے لگا ۔

” یہ تو بہت برا شگون ہے ۔ اب تمہارے سارے خاندان پر کوئی بھاری مصیبت نازل ہوگی ۔ “

اس کی بات سن کر غریب بھائی اور بھی گھبراگیا اور جلدی سے پوچھنے لگا ۔

” اس مصیبت سے بچنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئیے ؟ “

جواب میں بڑے بھائی نے چند لمحے سوچا اور پھر بولا ۔

” اب مصیبت سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے ۔ “

اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے غریب بھائی کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا ۔

” مگر تم یہ کام نہیں کرسکوگے اور سارا خاندان تباہ ہوجائے گا ۔ “

"نہیں نہیں! میں ضرور کروں گا۔ میں اپنے خاندان کو تباھی سے بچاؤں گا۔ تم مجھے بتاؤ وہ کون سا راستہ ھے؟"

غریب بھائی یہ سب کچھ ایک ھی سانس میں کہہ گیا۔ اور اس پر جادو چلتا دیکھ کر بڑا بھائی بولا۔

"تمھارے لئے بہتر یہ ھے کہ اپنے دونوں بیٹوں کو جنگل میں چھوڑ آؤ۔ اگر تم نے یہ نہ کیا تو پھر اپنی اور اپنے خاندان کی تباھی کے لئے تیار ھوجاؤ۔"

"تم نے جو کہا ھے میں ایسے ھی کروں گا۔"

بیوقوف چھوٹے بھائی نے یہ کہا اور اپنے گھر چلا آیا۔

دوسرے روز صبح ھی صبح غریب بھائی نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے ساتھ لیا اور جنگل کی طرف چل دیا۔ جنگل میں پہنچ کر ایک جگہ وہ بیٹوں سے کہنے لگا۔

"تم دونوں یہاں بیٹھو! میں ابھی آتا ھوں۔"

اور اس طرح وہ بھائی کی بات میں آکر اپنے دونوں بیٹوں کو جنگل میں چھوڑ کر چلا آیا۔

دونوں لڑکے ابھی چھوٹے ھی تھے۔ وہ آپس میں اس قدر ھم شکل تھے کہ ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل تھا۔ وہ بیچارے بھوکے پیاسے جنگل میں بیٹھے رھے کہ باپ ابھی آتا ھے، ابھی آتا ھے۔ لیکن ان کا باپ پلٹ کر نہ آیا۔ اتنے میں ادھر سے ایک شکاری کا گذر ھوا جو کسی دوسرے شہر کا رھنے والا تھا۔ اس نے دیکھا جنگل میں دو خوب صورت اور ھم شکل بچے بیٹھے ھوئے ھیں۔ اسے ان پر پیار آگیا اور اس نے ان سے دریافت کیا۔

"اے لڑکو! تم کون ھو اور یہاں کیسے آئے ھو؟"

لڑکوں نے شکاری کو بتایا کہ اس طرح ان کا باپ ان کو یہاں چھوڑ گیا ھے اور واپس آنے کا کہہ گیا ھے مگر شکاری نے سوچا، شام ھونے کو آئی ھے اور ان کا باپ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ ھوسکتا ھے وہ کسی جنگلی درندے کا شکار ھوگیا ھو۔ یہ سوچ کر اس نے پوچھا۔

" اگر تمھیں میں اپنے ساتھ لے چلوں تو کیا تم چلوگے ؟ "

دونوں لڑکے اس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوگئے اور شکاری انہیں ساتھ لیکر اپنے شہر آگیا ۔ اس شکاری کی کوئی اولاد نہ تھی ۔ اس نے دل میں سوچا ۔ اللہ نے اسے دو بیٹے دیدیئے ہیں ۔ انہیں دیکھ کر شکاری کی بیوی بھی بہت خوش تھی ۔ اس طرح اب وہ دونوں اس شکاری کے گھر میں بیٹوں کی طرح پلنے بڑھنے لگے ۔

جب وہ دونوں ذرا بڑے ہوئے تو شکاری نے انہیں شکار کا فن سکھانا شروع کردیا ۔ وہ جب شکار کے لئے جاتا تو انہیں بھی اپنے ساتھ لے جاتا ۔ اس نے انہیں تیر اندازی بھی سکھائی اور شکار کے طور طریقے بھی سمجھائے ۔ یہاں تک کہ جب وہ جوان ہوئے تو اس وقت تک وہ ماہر شکاری بن چکے تھے ۔ دونوں ہم شکل تو تھے ہی جب بڑے ہوئے تو دونوں کا قد بھی ایک جیسا ہی نکلا اور ان کی عادتیں بھی ایک سی تھیں ۔ پھر دونوں شکار کے فن اور تیر اندازی میں بھی ایک سے ماہر ہوگئے تھے ۔ ایک روز انہوں نے شکاری سے کہا ۔

" ہم کب تک آپ پر بوجھ بنے رہیں گے ۔ اب ہمارا ارادہ ہے کہ ہم خود کمائیں اور اس کے لئے کسی دوسرے شہر میں جاکر قسمت آزمائی کریں ۔ "

شکاری اور اس کی بیوی نے انہیں اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا ۔ وہ کہنے لگے ۔

" اب تم ہی ہمارا سہارا ہو ۔ ہماری مانو تو اپنا ارادہ بدل دو ۔ "

مگر دونوں بھائیوں نے اصرار کیا کہ ۔

" اب ہم خود کچھ کرکے دکھانا چاہتے ہیں ۔ "

شکاری نے بہتیرا سمجھایا ، اس کی بیوی نے بھی انہیں بہت روکنا چاہا لیکن وہ نہ مانے ۔ آخر مجبور ہرکر میاں بیوی نے انہیں جانے کی اجازت دیدی ۔ شکاری نے انہیں شکار کے سامان سے پوری طرح لیس کردیا اور جب وہ ان سے رخصت ہوکر چلنے لگے تو اس نے انہیں اشرفیوں کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا ۔

"یہ تم دونوں کی امانت ہے۔"

"ہماری امانت؟"

دونوں نے تعجب سے پوچھا۔ بھلا ان کے پاس اشرفیاں کہاں سے آسکتی ہیں؟ وہ حیران ہوکر بولے۔

"مگر ہم نے تو آپ کو کوئی امانت نہیں دی تھی۔"

جواب میں شکاری اور اس کی بیوی نے انہیں بتایا کہ اس طرح ہر روز صبح کے وقت تم دونوں کے تکیوں کے نیچے سے دو دو اشرفیاں نکلا کرتی تھیں جو ہم جمع کرتے رہے ہیں اور اب یہ تم لوگوں کی امانت ہیں۔ یہ سن کر لڑکے بولے۔

"آپ ہمارے ماں باپ کی جگہ ہیں۔ ہم پر آپ کا حق زیادہ ہے۔"

"انہوں نے بڑے اصرار سے اشرفیوں کی وہ تھیلی شکاری اور اس کی بیوی کو لوٹا دی۔ ان کو خدا حافظ کہا اور وہاں سے کسی دوسرے شہر کی طرف چل نکلے۔

شہر سے نکل کر دونوں بھائی مشرق کی طرف چلنے لگے اور چلا چل چلا چل ایک جنگل میں پہنچ گئے۔ جنگل میں سے گذرتے ہوئے وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"کوئی شکار کرنا چاہئیے۔"

اتنے میں ایک شیرنی آتی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی دونوں نے جلدی سے اپنی اپنی کمان میں تیر چڑھائے لیکن ابھی وہ تیر چلانے ہی والے تھے کہ شیرنی ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے آکھڑی ہوئی اور بولی۔

"تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میں میرے دو بچے لے لو۔"

انہیں شیرنی کی بے بسی پر رحم آگیا۔ پھر انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اسے مارکر ہمیں کرنا بھی کیا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اس کے دو بچے لیکر اسے چھوڑ دیا اور دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔

ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ انہوں نے ایک خرگوش کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اس کا شکار کرنے

کے لیئے ابھی اپنی کمانیں سیدھی ہی کی تھیں کہ خرگوش کھڑا ہوکر عاجزی سے بولا ۔

" تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میں میرے دو بچے لے لو ۔ "

خرگوش کی عاجزی پر دونوں کا دل پسیج گیا ۔ انہوں نے خرگوش سے اس کے دو بچے لے لیئے اور اسے چھوڑ کر خود آگے چل دیئے ۔

وہ جنگل میں چلے جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں ایک ھنس نظر آیا ۔ دونوں نے جلدی جلدی اپنی کمانوں میں تیر چڑھائے لیکن ھنس نے ان کی منت کرتے ہوئے کہا ۔

" تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میں میرے دو بچے لے لو ۔ "

ان کو ھنس پر بھی رحم آگیا اور انہوں نے اس سے اس کے دو بچے لیکر اسے چھوڑ دیا ۔ اس کے بعد وہ پھر اپنے سفر پر رواں دواں ہوگئے ۔

اب وہ پھر جنگل میں پیدل چل رہے تھے ۔ چلتے چلاتے وہ بہت دور نکل گئے ۔ ایک جگہ انہوں نے دیکھا کہ ایک ھرن جا رہا تھا ۔ اسے دیکھتے ہی وہ شکار کے لئے تیار ہوئے مگر ھرن نے بھی ان کے قریب آکر ھاتھ جوڑ کر کہا ۔

" تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میرے دو بچے لے لو ۔ "

انہوں نے آپس میں کہا جہاں اتنوں کو چھوڑ دیا ھے اسے بھی چھوڑ دو ۔ لہذا انہوں نے ھرن سے بھی اس کے دو بچے لیکر اسے چھوڑ دیا اور خود پھر آگے کی طرف چل دیئے ۔

وہ کچھ دور اور آگے گئے تو انہیں ایک بندر نظر آیا ۔ اسے دیکھتے ہی دونوں نے اپنی اپنی کمان سنبھال لی لیکن اس سے پیشتر کہ وہ تیر چلاتے ، بندر عاجزی سے قریب آکر بولا ۔

" تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میں میرے دو بچے لے لو ۔ "

اور انہوں نے بندر کے بھی دو بچے لیکر اسے چھوڑ دیا۔ اس طرح اب ان کے پاس دو شیر، دو خرگوش، دو ہنس، دو ہرن اور دو بندر کے بچے ہوگئے تھے۔ انہوں نے ان سب کو ساتھ لیا اور اپنے سفر پر چلتے رہے۔

وہ چلتے رہے، چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے دو راستے ہوجاتے تھے۔ ایک راستہ مشرق کی طرف جاتا تھا اور ایک مغرب کی طرف! دونوں بھائی وہاں پہنچ کر ٹھہر گئے اور سوچنے لگے۔ کس راستہ پر سفر جاری رکھیں؟ وہ ان میں سے کسی راستے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ وہاں کھڑے بہت دیر تک سوچتے رہے اور آخر ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"بہتر یہ ہے کہ ایک بھائی مشرق کی طرف جائے اور ایک مغرب کی طرف!"

دونوں نے اس پر اتفاق کیا۔ چوں کہ ان کے پاس پانچوں جانوروں کے دو دو بچے تھے اس لئے انہوں نے ایک ایک بچہ لے لیا۔ اس طرح دونوں بھائیوں کے پاس ایک شیر، ایک خرگوش، ایک ہنس، ایک ہرن اور ایک بندر کا بچہ تھا۔ وہ ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے تو بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا۔

"ذرا ٹھہرو!"

پھر اس نے اپنا خنجر نکال کر قریب ہی ایک درخت میں گاڑ دیا اور بولا۔

"اگر ہم دونوں بھائیوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرنا چاہے تو اسی دوراہے پر آجائے۔ اگر درخت میں گڑا ہوا یہ خنجر اسی طرح چمکتا ہوا ملے تو سمجھ لے کہ دوسرا بھائی خیریت سے ہے۔ لیکن اگر خنجر زنگ آلود دکھائی دے تو جان لے کہ اس کا بھائی کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔"

اس کے بعد دونوں بھائی ایک دوسرے سے گلے ملے۔ جانوروں نے اپنے اپنے بھائیوں کو پیار کیا اور سب ایک دوسرے سے رخصت ہوکر اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیئے۔

چھوٹا بھائی جو مشرق کے راستے پر گیا تھا، اپنے پانچوں جانوروں سمیت چلتا چلاتا ایک شہر کے قریب پہنچ گیا۔ وہ بہت خوش ہوا کہ چلو کوئی منزل تو آئی ۔ کئی روز ہوگئے کسی آدم زاد کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ لیکن جب وہ شہر کے اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ہر شخص خاموش اور اداس گھوم رہا تھا ۔ وہ جدھر دیکھتا اور جس پر نظر پڑتی وہ چپ چاپ غم کی تصویر بنا نظر آرہا تھا ۔ وہ بڑا متعجب تھا کہ یہ کس قسم کا شہر ہے ؟ یہ لوگ اس قدر غمزدہ کیوں ہیں ؟ اس نے اپنی زندگی میں آج تک کبھی ایسا نہ دیکھا اور نہ سنا تھا ۔ آخر اس نے ایک راہ چلتے آدمی کو روک کر پوچھا ۔
"یہاں ہر شخص اس طرح خاموش اور غمزدہ کیوں گھوم رہا ہے ؟"

اس آدمی نے اسے بتایا۔

"ہر ماہ کی چودھویں رات کو یہاں ایک بہت بڑا اژدھا آتا ہے اور ہر بار ایک نوجوان لڑکی کو کھا جاتا ہے ۔ آج بھی چودھویں تاریخ ہے اور آج بادشاہ کی بیٹی کی باری ہے ۔ اسی غم میں تمام لوگ خاموش اور غمزدہ نظر آرہے ہیں ۔"

اس نے آدمی سے دریافت کیا ۔

"کیا آج تک اس اژدھا کو کوئی مار نہیں سکا ؟"

"نہیں ! وہ بہت بڑا اور خوف ناک اژدھا ہے ۔"

اس آدمی نے بتانا شروع کیا ۔

"اسے کوئی نہیں مارسکتا ۔ بادشاہ نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص آج شہزادی کی جان بچالے گا اس سے شہزادی کی شادی کردی جائیگی اور وہ آدھی سلطنت کا وارث ہوگا ۔"

اس آدمی سے یہ ساری تفصیل سننے کے بعد چھوٹے بھائی نے دل میں ارادہ کیا کہ وہ اژدھا کو ہلاک کرے گا ۔ چنانچہ وہ پوچھتا پچھاتا بادشاہ کے محل میں پہنچ گیا اور دروازے کے باہر رکھی ہوئی نوبت بجادی ۔ نوبت کی آواز سنتے ہی بادشاہ نے اسی وقت اسے دربار میں طلب کیا اور پوچھا ۔

"تم کون ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

"بادشاہ سلامت! میں ایک اجنبی ہوں-میں شہزادی کی جان بچاؤں گا۔"

بادشاہ کو اس کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ بولا۔

"اے نوجوان! اس اژدہا کو آج تک کوئی نہیں ہلاک کرسکا۔ اپنی جان کو موت کے منہ میں مت دو- ہم تمہیں ایک بار پھر سوچنے کا موقع دیتے ہیں۔"

مگر اس نے اسی طرح ہاتھ باندھ کر کہا۔

"جہاں پناہ! یہ غلام اچھی طرح سوچ سمجھ کر حاضر ہوا ہے-مجھے اس کی اجازت دی جائے۔"

جب وہ اپنی بات پر اڑا رہا تو بادشاہ کہنے لگا۔

"لیکن یہ بات یاد رکھو! اگر تم شہزادی کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہوئے تو تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتاردیا جائے گا۔"

جواب میں وہ سر جھکا کر بولا۔

"مجھے حضور کی یہ شرط منظور ہے۔"

تمام درباری اپنی اپنی جگہ حیران اس نوجوان کو دیکھ رہے تھے جو مفت میں اپنی جان گنوانے پر تلا ہوا تھا۔ مگر کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ بادشاہ نے شاہی ملازموں کو حکم دیا۔

"اس نوجوان کو اسی جگہ پہنچادیا جائے جہاں اژدہا آتا ہے اور جہاں اس وقت شہزادی موجود ہے۔"

شاہی ملازم اسے ساتھ لے جانے کے لیئے آگے بڑھے تو اس نے بادشاہ سے عرض کی۔

"حضور! مجھے یہ بھی اجازت دی جائے کہ میں اپنے پانچوں جانور بھی ساتھ لے جاؤں۔"

"ہاں! تمہیں اس کی اجازت ہے۔"

بادشاہ کے اس فرمان کے ساتھ ہی شاہی خادم اس کے پانچوں جانوروں سمیت اُسے اس جگہ لے گئے جہاں .رات کے وقت اژدھا کو آنا تھا اور جہاں اس وقت حسین و جمیل شہزادی بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھی - اس نے شہزادی کو دیکھا اور شہزادی نے اس کو، مگر دونوں میں سے کسی ایک کے لب تک نہ ہلے - اسے شہزادی کی جوانی پر رحم آرہا تھا اور شہزادی دل میں یہ سوچ رہی تھی کہ یہ کون اجنبی ہے جو میری خاطر موت سے کھیلنے آگیا ہے- اس نے اپنے پانچوں جانوروں کو ایک طرف بٹھادیا اور خود اژدھا کا انتظار کرنے لگا -

آہستہ آہستہ چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا اور جب رات گہری ہوگئی تو اس نے دیکھا کہ ایک طرف سے ایک بڑا اژدھا خوفناک طریقے پر پھنکارتا ہوا چلا آرہا تھا- اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور وہ پھنکارتا، آگ برساتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا- شہزادی بیچاری خوف اور دہشت کے مارے بے حس و حرکت ایک طرف سہمی بیٹھی تھی مگر وہ اپنی جگہ ہوشیار اور تیار کھڑا تھا- جب اژدھا چند قدم کے فاصلے پر رک گیا تو اس نے منہ سے اگلتے ہوئے آگ کے شعلے اس کی طرف پھینکنا شروع کردیئے تاکہ وہ آگ میں بھسم ہوجائے اور وہ شہزادی کو اٹھاکر لے جائے- ادھر جب شیر، خرگوش، ہنس، ہرن اور بندر نے دیکھا کہ اژدھا ان کے مالک کو جلانے لگا ہے تو وہ اس کی مدد کے لئے جلدی سے آگے بڑھے- جب اژدھا اپنے منہ سے آگ اگلتا تو وہ مٹی اٹھا اٹھاکر اس پر پھینکتے- اس سے آگ کے شعلے بجھ جاتے اور گرد و غبار کی وجہ سے اژدھا کو کچھ دکھائی نہ دیتا - اس طرح پانچوں جانوروں نے ایک ساتھ جلدی جلدی اس قدر مٹی پھینکی کہ اژدھا بالکل اندھا ہوکر رہ گیا - ادھر نوجوان نے اس موقع کو غنیمت جانا اور لپک کر تلوار کے تلے اوپر کئی وار کرکے اژدھے کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے - جوں ہی شہزادی نے دیکھا کہ اس کو موت کی نیند سلانے کے لئے آنے والا اژدھا خود موت

کی گود میں چلا گیا ہے تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے مردہ جسم میں پھر سے جان آگئی ہو۔ اس نے اپنے گلے سے نولکھا ہار اتارا اور آگے بڑھ کر نوجوان کے گلے میں ڈال دیا تاکہ دوسرے روز وہ اس کو آسانی سے پہچان سکے جس نے اسے موت کے چنگل سے نجات دلائی ہے۔

کہتے ہیں وقت آجائے تو نہیں ٹلتا۔ ہونی ہو کے رہتی ہے۔ ادھر تو شہزادی نے اس کے گلے میں ہار ڈالا اور ادھر تھوڑی دور پر بادشاہ کا ایک سپاہی کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نیت خراب ہوگئی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا، اگر میں اس آدمی کو قتل کردوں اور صبح یہ کہدوں کہ اژدھے کو میں نے مارا ہے تو اس طرح شہزادی کی شادی مجھ سے ہوجائے گی اور میں آدھی سلطنت کا وارث بن جاؤں گا۔ یہ خیال آتے ہی وہ اندھیرے میں آگے بڑھا اور تلوار سے نوجوان کا سر تن سے جدا کردیا۔ اس کے بعد وہ بھاگا بھاگا محل میں گیا اور اعلان کردیا کہ اژدھے کو میں نے قتل کرکے شہزادی کی جان بچائی ہے۔ اژدہا تو واقعی ہی مرچکا تھا۔ سب لوگوں میں یہی بات مشہور ہوگئی کہ سپاہی نے اسے قتل کیا ہے۔ یہ خبر بادشاہ تک بھی پہنچی۔ اس وقت بھلا بادشاہ کو یہ سوچنے کی فرصت کہاں تھی کہ اژدھے کو قتل کرنے والا کون ہے؟ اس کے لئے تو یہی بات بہت تھی کہ اس کی بیٹی زندہ سلامت بچ گئی ہے۔ لہذا اس نے سپاہی کا شاہانہ طور پر استقبال کیا اور ہر طرف خوشیاں منائی جانے لگیں۔

دوسری طرف صبح جب پانچوں جانوروں نے اپنے مالک کو مرا ہوا پایا تو بہت گھبرائے۔ وہ سب مل کر سوچنے لگے کہ اسے زندہ کیسے کریں؟ ہرن کہنے لگا۔

''فلاں جنگل میں ایک ایسی بوٹی ہے جو اگر کسی مردہ آدمی کے اعضاء جوڑ کر اس کے جسم پر لگادی جائے تو وہ پھر سے زندہ ہوجاتا ہے''۔

یہ سن کر بندر بولا۔

"اگر تم میں سے کوئی بوٹی لے آئے تو میں مالک کے کٹے ہوئے حصے جوڑ کر ان پر وہ بوٹی مل دوں گا اور اس طرح ہمارا مالک زندہ ہوسکتا ہے۔"

خرگوش کہنے لگا۔

"میں جلد سے جلد وہ بوٹی لاسکتا ہوں لیکن مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ راستے میں کوئی درندہ مجھے پھاڑ نہ کھائے۔"

ہنس کہنے لگا۔

"میں تمہارے اوپر اڑتا چلوں گا اور جہاں کوئی خطرہ دیکھوں گا تمہیں فوراً بتادوں گا۔ اس طرح تم بوٹی لانے میں کامیاب ہوجاؤگے۔"

"لیکن مالک کی لاش کی حفاظت کون کرے گا؟ مجھے تو جو بھی چاہے گا مار دے گا۔"

ہرن نے فکر مند ہوکر کہا جس پر شیر بولا۔

"تم فکر نہ کرو۔حفاظت کے لئے میں جو موجود ہوں۔"

اس کے بعد ہنس اور خرگوش تو ہرن کی بتائی ہوئی بوٹی لینے چلے گئے اور پیچھے بندر، شیر اور ہرن مالک کی لاش کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

وقت گذرتے دیر کیا لگتی ہے۔ آخر چند دنوں کی کوشش اور سفر کے بعد ہنس اور خرگوش ہرن کی بتائی ہوئی بوٹی لیکر واپس آگئے۔ پانچوں جانور بہت خوش تھے کہ اب ان کا مالک زندہ ہوجائے گا۔ سب نے بندر سے کہا۔

"لو بھئی! جلدی کرو۔ اب صرف تمہارا کام باقی ہے۔"

بندر نے مالک کی کٹی ہوئی گردن اس کے جسم سے جوڑی اور اس پر وہ بوٹی مل دی۔ پھر چند ہی لمحوں بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کا مالک کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بڑا پریشان تھا کہ کیا قصہ ہوا ہے؟ لیکن جانوروں

نے اسے ساری کہانی سنائی اور بتایا کہ کس طرح ایک سپاہی نے حسد کی وجہ سے اسے قتل کردیا اور کس طرح انہوں نے بوٹی حاصل کرکے اسے دوبارہ زندہ کیا ہے۔ اب وہ ساری بات سمجھ چکا تھا مگر اس نے سوچا اب کیا کرنا چاہیے ؟ اژدھے کے قتل کے واقعہ کو کئی روز گذر چکے ہیں اور یہ بات سارے شہر میں مشہور ہوچکی ہوگی کہ اژدھے کو قتل کرنے والا وہی سپاہی ہے ۔ پھر بھی اس کے دل نے کہا کیوں نہ قسمت آزمائی کی جائے ؟ ہوسکتا ہے سچائی کی جیت ہوجائے ۔ یہ خیال آتے ہی وہ سیدھا بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا ۔ اس نے محل کے باہر رکھے ہوئے نقارے پر چوٹ لگائی اور فوراً ہی بادشاہ کے حضور طلب کرلیا گیا ۔ بادشاہ نے اس سے دریافت کیا ۔

" تم کیا چاہتے ہو ؟ "

اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا ۔

" جہاں پناہ ! اژدھے کو میں نے قتل کیا تھا ۔ شہزادی کی جان میں نے بچائی تھی ۔ "

اس کی بات سن کر تمام درباری اور خود بادشاہ بھی ہنسنے لگا ۔ کسی کو اس بات کا یقین نہیں آرہا تھا ۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا تھا ؟ جس سپاہی نے اژدھے کو قتل کیا تھا وہ تو آدھی سلطنت کا مالک بھی بن چکا ہے اور شہزادی سے اس کی شادی ہونے والی ہے ۔ بادشاہ نے ذرا غصے میں کہا ۔

" اے نوجوان ! تمھیں معلوم ہے کہ تم ایک بادشاہ کے دربار میں جھوٹ بول رہے ہو ۔ اور جھوٹ بولنے والے کی سزا کیا ہوتی ہے ؟ "

اس نے دست بستہ جواب دیا ۔

" جہاں پناہ ! یہ غلام سچ عرض کررہا ہے ۔ "

" تمھارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم نے شہزادی کی جان بچائی تھی ؟ "

بادشاہ کے اس سوال پر اس نے اپنی جیب میں سے وہ ہار نکال کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا جو شہزادی نے اس کے گلے میں ڈالا تھا اور بولا ۔

" عالی جاہ ! یہ رہا میرا ثبوت ۔ "

بادشاہ نے اسی وقت شہزادی کو طلب کیا اور اس سے استفسار کیا ۔

" شہزادی ! کیا یہ نوجوان سچ کہہ رہا ہے ؟ "

شہزادی فوراً اپنا ہار پہچان گئی تھی ۔ اس نے کہا ۔

" جہاں پناہ ! یہ نوجوان سچ کہہ رہا ہے ۔ یہی وہ شخص ہے جس نے اژدھے کو قتل کرکے میری جان بچائی تھی اور میں نے ہی نشانی کے لیئے یہ ہار اس کے گلے میں ڈالا تھا

یہ سنتے ہی بادشاہ آگ بگولا ہوگیا ۔ اس نے اسی وقت حکم دیا ۔

" اس سپاہی کو فوراً ہمارے حضور پیش کیا جائے جس نے جھوٹا دعویٰ کرکے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے ۔ "

جوں ہی اس سپاہی کو دربار میں پیش کیا گیا ، بادشاہ نے جلادوں کو حکم دیا ۔

" اس مکار کا ابھی سر قلم کردیا جائے ۔ "

چناں چہ اس سپاہی کو اسی وقت قتل کردیا گیا اور اس نوجوان سے شہزادی کی شادی کردی گئی ۔ اب وہ آدھی سلطنت کا مالک بن چکا تھا ۔ چند ہی روز گذرے ہوں گے کہ بادشاہ کا آخری وقت آ پہنچا اور اس کے بعد وہ پوری بادشاہی کا والی بن گیا ۔ مگر ہونی ہو کے رہتی ہے ۔ راج کرتے کرتے ایک روز اس نے اپنے وزیر سے کہا ۔

" آج ہم شکار کھیلنے جائیں گے ۔ ہمارے شکار کی تیاری کی جائے ۔ "

حکم کی دیر تھی ۔ اسی وقت شکار کا انتظام ہوگیا بادشاہ نے اپنے پانچوں جانوروں کو ساتھ لیا اور امیروں وزیروں کے ساتھ شکار کھیلنے کے لئے نکل کھڑا ہوا ۔ پھر اتفاق ایسا ہوا

کہ جنگل میں شکار کھیلتے کھیلتے وہ بہت دور نکل گیا۔ امیر وزیر بھی کہیں پیچھے رہ گئے اور حفاظتی سپاہی بھی اس سے بچھڑ گئے۔ وہ راستہ بھٹک چکا تھا اور جنگل نیا ہونے کی وجہ سے اسے کچھ پتہ نہ چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور اسے کدھر جانا ہے؟ شام تک اسی طرح بھٹکتا رہا اور آخر تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس کے پانچوں جانور بھی اس کے ساتھ تھے۔ اتنے میں اسے کچھ سردی محسوس ہوئی تو اس نے ادھر ادھر سے چند سوکھی لکڑیاں اور کچھ گھاس پھونس اکٹھی کرکے آگ جلائی تاکہ سردی سے محفوظ رہ سکے۔ ابھی وہ آگ جلاکے بیٹھا ہی تھا کہ اس نے دیکھا اس درخت پر ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ بڑھیا اس سے کہنے لگی۔

"بیٹا! مجھے بھی سردی لگ رہی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں بھی نیچے اتر کر آگ تاپ لوں۔"

جواب میں وہ بولا۔

"ہاں، کیوں نہیں مائی! تم نیچے آکر تاپ لو۔"

اس پر بڑھیا نے ایک چھڑی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! اس چھڑی سے جانوروں کو ذرا پرے کردو۔ مجھے ان سے ڈر لگ رہا ہے۔"

اس نے بڑھیا سے چھڑی لے لی اور جوں ہی اس سے جانوروں کو پیچھے ہٹایا، اس کے ساتھ ہی وہ سب کے سب پتھر کے بن گئے۔ صرف جانور ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ وہ اور اس کا گھوڑا بھی پتھر کا بت بن کے رہ گیا تھا۔

دن بیتتے رہے۔ موسم آئے اور گذر گئے۔ ہوائیں چلیں اور تھم گئیں۔ دن راتوں کی گود میں دم توڑتے گئے اور راتیں ماضی کے اندھیروں میں گم ہوتی رہیں۔ اس کا دوسرا بھائی جو مغرب کے راستے پر گیا تھا، ایک روز اچانک اسے خیال آیا۔

"چلو چل کے اپنے بھائی کی خیریت ہی معلوم کرلوں۔ خدا جانے وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟"

یہ سوچ کر وہ سفر کرتا ہوا اسی دوراہے پر آگیا جہاں سے دونوں بھائی الگ الگ راستوں پر گئے تھے ۔ وہاں پہنچ کر اس نے درخت میں گڑا ہوا خنجر دیکھا تو وہ زنگ آلود تھا ۔ یہ دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ میرا بھائی ضرور کسی مصیبت میں گرفتار ہے ۔ اس کے پانچوں جانور بھی اس کے ساتھ تھے ۔ خنجر کو زنگ آلود دیکھ کر اس نے واپس جانے کا ارادہ ترک کردیا اور اپنے بھائی کی تلاش میں اسی راستے پر چل دیا جو مشرق کی طرف جاتا تھا اور جس پر اس کا بھائی گیا تھا ۔

چلتے چلاتے کئی روز گذر گئے ۔ آخر وہ اسی شہر میں پہنچ گیا جہاں اس کے بھائی کی بادشاہی تھی ۔ جب وہ شہر کے اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں سب بازار اور دکانیں بند تھیں اور لوگ بڑے غمزدہ اور خاموش دکھائی دے رہے تھے ۔ وہ دل میں سوچنے لگا ۔ یا الٰہی ! یہ کیا ماجرا ہے ؟ آخر اس نے ایک آدمی کو روک کر پوچھا ۔

" کیا بات ہے ؟ یہاں سب بازار اور دکانیں کیوں بند ہیں اور لوگ اس قدر غم زدہ کیوں ہیں ؟ "

اس آدمی نے اسے بتایا ۔

" ہمارا بادشاہ کھوگیا ہے اور تمام شہر میں اس کا سوگ منایا جا رہا ہے ۔ "

ابھی وہ آدمی اسے یہ بات بتا ہی رہا تھا کہ جوق در جوق لوگ اس کے گرد اکھٹے ہونے لگے ۔ ایک تو وہ اپنے بھائی کا ہم شکل تھا ، دوسرے اس کا قد و قامت بھی ویسا ہی تھا اور تیسرے اسی کی طرح شیر ، بندر ، ہرن ، ہنس ، اور خرگوش پانچوں جانور بھی اس کے ساتھ تھے جو بالکل ان ہی جانوروں کی طرح اور ان ہی کی عمر کے تھے ۔ اسے دیکھتے ہی لوگوں نے خوشی میں شور مچانا شروع کردیا ۔

" ہمارا بادشاہ واپس آگیا ! ہمارا بادشاہ واپس آگیا ! "

اس نے بہتیرا کہا کہ میں تم لوگوں کا بادشاہ نہیں ہوں لیکن اس کی کسی نے نہ مانی ۔ یہ دیکھ کر وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا کہ

" ہو نہ ہو ! یہاں میرا بھائی بادشاہت کر رہا ہے ۔ "

لوگ اسے اسی وقت گھیرے میں لیکر شہزادی کے پاس لے گئے تو وہ بھی اسے دیکھتے ہی بولی ۔

" جہاں پناہ ! جس روز سے آپ غائب ہوئے ہیں سارا شہر سوگ میں ڈوبا ہوا ہے ۔ "

امیروں وزیروں نے دیکھا تو معافی طلب کرتے ہوئے بولے ۔

" جہاں پناہ ! حضور شکار کھیلتے کھیلتے نہ جانے کہاں چلے گئے ۔ ان خادموں نے آپ کو جنگل میں ہر طرف تلاش کیا لیکن آپ کا کچھ پتہ نہ چل سکا ۔ "

اب وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ اس کا بھائی شکار کھیلنے میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر کہیں گم ہوا ہے ۔ اس نے دانش مندی سے کام لیا اور خاموشی سے بادشاہ بن گیا ۔ لیکن رات کو جب وہ خواب گاہ میں گیا تو اس نے سوتے وقت مسہری پر اپنے اور شہزادی کے درمیان ننگی تلوار رکھ دی ۔ شہزادی نے حیران ہوکر پوچھا ۔

" حضور ! یہ آپ کیا کر رہے ہیں ؟ "

جواب میں وہ بولا ۔

" مجھے ایک فقیر نے کہا ہے کہ تم ایک ماہ تک شہزادی کے ساتھ اسی طرح سونا ورنہ تم کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے ۔ "

شہزادی اس جواب سے مطمئن ہوگئی اور وہ بادشاہی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بھائی کی کھوج میں لگا رہا ۔ آہستہ آہستہ اس نے درباریوں سے باتوں باتوں میں سب کچھ پوچھ لیا ۔ جب وہ تمام حالات سے آگاہ ہوچکا تو ایک روز اپنے وزیر سے بولا ۔

" آج پھر ہم اسی جگہ شکار کھیلنے جائیں گے جہاں پہلے گئے تھے ! "

پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ شکار کا ضروری ساز و سامان تیار ہوچکا تھا - حکم کے مطابق شاہی ملازم اسے اسی جنگل میں اور اسی جگہ لے گئے جہاں اس کا بھائی بچھڑا تھا - وہاں پہنچ کر اس نے وزیروں، امیروں اور خادموں سے کہا -

" تم لوگ ہمارا انتظار کرو - مابدولت آگے اکیلے شکار کھیلنے جائیں گے - "

تمام لوگ اسی جگہ ٹھہر گئے—اور وہ شکار کھیلتا کھیلتا بہت دور نکل گیا - یہاں تک کہ شام ہو گئی - اتفاق سے وہ بھی اسی درخت کے نیچے جا پہنچا - اس وقت سردی بہت ہو رہی تھی اس لیئے اس نے سوچا، تھوڑی آگ جلا کر ہاتھ پاؤں گرم کرلوں اور پھر واپس چلتا ہوں - بھائی کا تو کہیں پتہ نہیں چل سکا - چنانچہ اس نے ادھر ادھر سے گھاس پھونس جمع کرکے آگ جلادی - ابھی آگ جلائی ہی تھی کہ درخت پر سے آواز آئی -

" بیٹا ! مجھے بھی سردی لگ رہی ہے - اگر تم اجازت دو تو میں بھی نیچے اتر کر آگ تاپ لوں ؟ "

اس نے گردن اٹھاکر اوپر دیکھا تو اسے درخت پر بیٹھی ہوئی ایک بڑھیا نظر آئی - وہ دل میں سوچنے لگا، اس ویرانے میں ایک بڑھیا کا کیا کام؟ یہ درخت پر اکیلی کیا کر رہی ہے ؟ اسی دوران میں اس نے ارد گرد نظر دوڑائی تو اسے وہاں بالکل اس کے جانوروں جیسے پانچ جانور، ایک گھوڑا اور ایک آدمی پتھر کے بت بنے دکھائی دیئے - یہ سب کچھ دیکھ کر وہ سارا قصہ سمجھ گیا - اس نے سوچا -

" یہ بڑھیا' یقیناً' کوئی جادوگرنی ہے - اسی نے میرے بھائی اور اس کے جانوروں کو پتھر بنادیا ہے - "

اس نے بڑھیا پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکا ہے بلکہ انجان سا بن کر بولا -

" ہاں مائی ! تم نیچے آکر آگ تاپ لو ۔"

اس پر بڑھیا اپنی چھڑی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی ۔

" بیٹا ! پہلے اس چھڑی سے اپنے جانوروں کو ذرا پرے کر دو ۔مجھے ان سے ڈر لگ رہا ہے ۔"

لیکن جوں ہی بڑھیا نے چھڑی اس کی طرف بڑھائی اور وہ تھوڑا نیچے جھکی اس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنی تلوار نکال کر بڑھیا کا سر تن سے جدا کردیا ۔ اس کے بعد اس نے بڑھیا کا تھوڑا سا خون اپنی انگلی پر لیا اور باری باری تمام پتھروں پر لگادیا ۔ خون لگانے کی دیر تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے شیر ، بندر ، ہرن ، ہنس ، خرگوش ، اس کا بھائی اور اس کا گھوڑا زندہ سامنے کھڑے تھے ۔ پانچوں جانور اپنے اپنے بھائی سے ملے اور وہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے گلے ملے ۔ پھر دونوں نے اپنی اپنی داستان سنائی ۔ اس کے بعد وہ اپنے اپنے جانوروں کو ساتھ لیکر شہر واپس آئے جہاں لوگوں نے اپنے بادشاہ کا شاہانہ استقبال کیا اور خوشیاں منائیں ۔ اب شہزادی کو رات کو سوتے میں درمیان میں ننگی تلوار رکھنے کا راز معلوم ہوچکا تھا ۔ بڑا بھائی بادشاہ بن گیا اور چھوٹا وزیر ۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے اپنے ماں باپ اور اس شکاری اور اس کی بیوی کو بھی اپنے پاس بلا لیا جنہوں نے انہیں پالا تھا ۔ جب وہ سب اکٹھے ہوگئے تو شکاری نے دونوں بھائیوں کو ایک تھیلی دیکر کہا ۔

" تم دونوں کی یہ امانت ابھی تک ہمارے پاس محفوظ ہے ۔"

یہ وہی اشرفیاں تھیں جو وہ آتے میں چھوڑ آئے تھے ۔ مگر شکاری کی اس دیانت نے اب اسے اس کا پھل دے دیا تھا ۔

پھر جب وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے تو ایک روز دونوں بھائیوں کے جانوروں نے ان سے کہا ۔

" آپ لوگوں کو اللہ نے سب کچھ دے دیا ہے ۔ اب ہمیں اجازت دی جائے ! "

دونوں بھائیوں نے انہیں بہت روکنا چاہا لیکن جانور بولے ۔

”آپ کو اپنے ماں باپ مل گئے۔ اب ہم بھی اپنے ماں باپ کے پاس جانا چاہتے ہیں۔“

مجبوراً دونوں بھائیوں نے انہیں اجازت دیدی اور وہ رخصت ہوکر جنگل کی طرف چلے گئے۔

کہتے ہیں اس کے بعد کبھی کسی شہر میں کوئی خوفناک اژدھا نہیں آیا۔ لیکن اس کے باوجود لوگ صدیوں تک شہروں کے گرد چاروں طرف بڑی بڑی دیواریں بناتے رہے تاکہ اگر کوئی اژدھا آنا بھی چاہے تو نہ آسکے۔

نہ گھر کے نہ گھاٹ کے

پرانے زمانے کی بات ہے ۔ ایک بار پرندوں ، چرندوں اور درندوں کے نمائندوں نے آپس میں مل کر سوچا ۔

" یہ بات کچھ اچھی نہیں لگتی کہ زمین پر درندوں اور چرندوں کی حکومت ہو اور فضا میں پرندوں کا راج ہو ۔ کیوں نہ متفقہ طور پر ایک ایسا بادشاہ چن لیا جائے جو فضا اور زمین دونوں پر حکمرانی کرے ۔ سب پرندے ، چرندے اور درندے اسی ایک کا حکم بجا لائیں ۔ "

یہ تجویز پرندوں کو بھی پسند آئی ، چرندے بھی اس پر راضی ہوگئے اور درندوں نے بھی اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ۔ سب کہنے لگے ۔

" یہ بات ٹھیک ہے ۔ اس طرح ہماری وہ تمام دشمنیاں ختم ہوجائیں گی جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خلاف چلی آرہی ہیں اور کوئی جھگڑا باقی نہیں رہے گا ۔ "

چنانچہ سب نے مل کر طے کیا کہ

" فلاں روز فلاں جنگل میں تمام پرندے ، چرندے اور درندے جمع ہوجائیں تاکہ ایک بادشاہ کا انتخاب کیا جاسکے ۔ "

اس سلسلے میں چاروں طرف خبر پہنچادی گئی کہ مقررہ دن پر سب اس جنگل میں آجائیں ۔ اس کے ساتھ ہی اجلاس کے لئے ضروری انتظامات ہونے لگے ۔

مقررہ دن آگیا ۔ تمام پرندے ، چرندے اور درندے اس جنگل میں جمع ہوگئے جہاں متفقہ طور پر ایک حکمران کا انتخاب ہونے والا تھا ۔ جنگل میں ایک طرف پرندے بیٹھ

گئے اور دوسری طرف چرندوں ، درندوں نے قطاریں بنالیں ۔ اس طرح ایک بادشاہ کے لئے سوچ بچار ہونے لگا ۔ مختلف پرندے اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے اور جواب میں چرندے اور درندے اپنے اپنے خیالات پیش کر رہے تھے ۔ ابھی تک وہ سب کسی ایک بات پر اتفاق نہ کرسکے تھے کہ اتنے میں گیدڑ نے چیتے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔

" میرا خیال ہے ، یہ فیصلہ چیتا کرے تو زیادہ بہتر ہے کہ ہم سب کا بادشاہ کون ہو ۔ "

قریب ہی لومڑی بیٹھی ہوئی تھی ۔ اس نے گیدڑ کو بولتے ہوئے دیکھا تو اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہنے لگی ۔

" ہاں ! گیدڑ ٹھیک کہہ رہا ہے ۔ میری بھی یہی رائے ہے کہ چیتا اس بات کا فیصلہ کرے ۔ "

یہ بات سن کر تمام پرندے ، چرندے اور درندے چیتے کی طرف دیکھنے لگے ۔ چیتے نے ایک نظر سب کا جائزہ لیا اور جب یہ دیکھا کہ سب اس کی رائے کے منتظر ہیں تو کہنے لگا ۔

" میری رائے میں تو شیر کو بادشاہ چننا چاہیئے ۔ "

پھر اس نے اپنی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا ۔

" شیر ہم سب میں زیادہ طاقتور ہے ۔ اس جیسا طاقتور نہ تو کوئی پرندوں میں ہے اور نہ چرندوں درندوں میں اس کا مقابلہ ہوسکتا ہے ۔ اس لئے میرے خیال میں اس اعزاز کا وہی مستحق ہے ۔ "

جوں ہی چیتے نے یہ بات کہی تمام چرندے اور درندے اس کی حمایت کرنے لگے ۔

" ہاں ! یہ ٹھیک ہے ۔ "

" شیر ہی کو بادشاہ بننا چاہیئے ۔ "

" شیر ہی سب سے زیادہ طاقتور ہے ۔ "

" شیر کے سوا اور کوئی اس اعزاز کا حق دار نہیں ۔ "

چرندے اور درندے تو اس تجویز کی حمایت کر رہے تھے لیکن پرندوں کو چیتے کی یہ رائے پسند نہیں آئی تھی۔ انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور سوچا اگر بادشاہ چرندوں یا درندوں میں سے چنا گیا تو وہ ان کی حکمرانی میں آجائیں گے اور ہمیشہ کے لئے ان کے غلام بن جائیں گے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے بات چیت کی۔ اپنے بڑے بوڑھوں اور تجربہ کار پرندوں کی رائے طلب کی اور اس کے بعد کہنے لگے۔

"ہمیں اس تجویز سے اختلاف ہے۔"

پھر انہوں نے اپنے اعتراض کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"ہم سب کا بادشاہ ایسا ہونا چاہیے جس کا فضاؤں میں بھی راج ہو۔"

ایک بوڑھے پرندے نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ شیر بڑا بہادر ہے، عقل‌مند ہے مگر وہ اپنی بہادری اور عقل‌مندی صرف دھرتی پر ہی دکھا سکتا ہے۔ فضا میں وہ بے بس ہے۔"

ایک اور پرندے نے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

"شیر کی ساری طاقت زمین تک محدود ہے۔ اگر ایک چھوٹی سی چڑیا بھی چاہے تو اس کی پشت پر بیٹھ کر اس کی توہین کرسکتی ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سب کا بادشاہ ایسا ہو جو زمین اور فضا دونوں پر اپنی بہادری کے جوہر دکھا سکے۔"

تمام پرندوں نے اس بات کی پرزور حمایت کی اور پھر سب نے متفقہ طور پر تجویز پیش کی کہ

"ہماری رائے میں باز کو بادشاہ بنانا چاہئے کیوں کہ وہ تمام پرندوں سے زیادہ بہادر ہے اور سب سے اونچی اڑان اڑسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ وہ زمین پر بھی چل سکتا ہے اور بڑے سے بڑے پرندے، چرندے اور درندے کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔"

چرندوں اور درندوں نے جب پرندوں کی یہ تجویز سنی تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کردیا۔ وہ کہنے لگے۔

” نہیں ! بادشاہ صرف شیر ہی بن سکتا ہے ۔“
” شیر میں بادشاہ بننے کی ساری خوبیاں موجود ہیں ۔“
دوسری طرف پرندے اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے کہ
” بادشاہ باز کو بننا چاہئیے ۔“
” باز کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا ۔“
مگر چرندے اور درندے اس بات پر مصر تھے کہ
” اگر بادشاہ بنے گا تو صرف شیر ہی بنے گا ۔“

اس طرح ان میں بحث ہونے لگی ۔ شروع شروع میں تو وہ ایک دوسرے کو دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرنے لگے لیکن پھر آہستہ آہستہ ان میں تو تو میں میں ہونے لگی اور معاملہ تکرار تک پہنچ گیا ۔ بات بڑھتی چلی گئی اور نوبت ہاتھا پائی تک آگئی ۔ بادشاہ کا انتخاب ہونے کی بجائے ان میں لڑائی شروع ہوگئی ۔ ایک طرف تمام پرندے ہوگئے اور دوسری طرف چرندے ، درندے ڈٹ گئے ۔ اس طرح ان میں بڑے زور کی جنگ ہونے لگی ۔

اس لڑائی میں صرف چمگادڑ ہی ایسے جانور تھے جو یہ فیصلہ نہ کرسکے کہ وہ پرند ہیں یا چرند ۔ وہ پرندوں میں شامل ہوں یا چرندوں کا ساتھ دیں ۔ ان کی کچھ عادتیں پرندوں سے ملتی جلتی تھیں اور کچھ خصلتیں چرندوں جیسی تھیں ۔ وہ پرندوں کی طرح فضا میں اڑتے تھے اور اس لحاظ سے پرندے تھے ۔ مگر چمگادڑی انڈے دینے کے بجائے بچے جنتی تھی اور چرندوں کی طرح انہیں دودھ پلاتی تھی ۔ اس طرح وہ چرندوں میں شمار ہوتے تھے ۔ گویا دونوں طرف ان کا کچھ نہ کچھ تعلق پیدا ہوجاتا تھا لیکن مکمل طور پر وہ کسی ایک کی طرف شامل نہیں ہوسکتے تھے ۔ چمگادڑ اسی شش و پنج میں گرفتار تھے اور سوچ رہے تھے کہ
” اس لڑائی میں کس کا ساتھ دیں ؟ “

دوسری جانب پرندوں اور چرندوں درندوں میں گھمسان کی جنگ جاری تھی ۔ کبھی پرندے ، درندوں اور چرندوں پر غالب آجاتے اور کبھی چرندے درندوں کے ساتھ مل کر

پرندوں پر بھاری پڑجاتے - اسی آپا دھاپی اور ہما ہمی میں ایک وقت ایسا آیا کہ چرندے اور درندے ، پرندوں پر غالب آگئے - انہوں نے مار مار کر پرندوں کو لہولہان کردیا - بیچارے کئی پرندوں کے پر ٹوٹ گئے اور چونچیں زخمی ہوگئیں - کچھ مر گئے ، کچھ زخمی ہوکر گر پڑے اور جو باقی بچے وہ اپنی جان بچاکر بھاگ کھڑے ہوئے - پرندوں کو اس طرح شکست کھاکر بھاگتے ہوئے دیکھ کر چرندوں اور درندوں نے ان کا پیچھا کرنا چاہا لیکن وہ فضا میں اڑگئے اور چرندوں، درندوں کو مجبوراً واپس آنا پڑا کیوں کہ فضا میں ان کا کوئی بس نہ چل سکتا تھا -

چمگادڑوں نے جب یہ دیکھا کہ پرندوں کو شکست ہوگئی ہے اور چرندے درندے جیت گئے ہیں تو وہ ہولے ہولے ان کے پاس آگئے اور کہنے لگے -

" ہم پرندے نہیں ہیں - "

مگر چرندوں اور درندوں نے جواب دیا -

" نہیں ! تم پرندے ہو- تم ہم میں کیسے آسکتے ہو ؟ "

" چمگادڑوں نے یہ جواب سنا تو خوشامد کرتے ہوئے بولے -

" یہ ٹھیک ہے کہ ہم ہوا میں اڑتے ہیں - لیکن اس کے سوا ہم میں پرندوں والی کوئی بات نہیں ہے - ہم چرندوں میں شمار ہوتے ہیں - "

پھر ایک بوڑھے اور چالاک چمگادڑ نے چرندوں کو سمجھاتے ہوئے کہا -

" ہم تو بالکل تمھاری طرح چرندے ہیں - تمھاری طرح چمگادڑی بھی بچے دیتی ہے اور پھر تمھاری طرح انہیں اپنا دودھ پلاتی ہے - یہ بات پرندوں میں کب ہوتی ہے - وہ تو انڈے دیتے ہیں اور ان میں سے بچے نکلتے ہیں - "

" چمگادڑوں کی یہ دلیل کارگر ثابت ہوئی - کچھ اس لئے بھی کہ اس وقت چرندے اور درندے اپنی فتح کی خوشی میں مست تھے اور ناچ گانے میں مصروف تھے لہذا انہوں نے چمگادڑوں کی بات سنی ان سنی کردی اور ان سے کہنے لگے -

"اچھا! تم بھی ہمارے ساتھ آجاؤ اور جشن میں شریک ہوجاؤ۔"

چنانچہ چمگادڑ بھی ان کے ساتھ مل کر فتح کے جشن میں ناچنے گانے لگے۔

ادھر تو چرندے اور درندے اپنی کامیابی میں سرشار ناچ گا رہے تھے اور دوسری طرف تمام پرندے ایک جگہ جمع ہوکر یہ سوچ رہے تھے کہ

"اپنی شکست کا بدلہ کیوں کر لیا جائے؟"

بوڑھے الّو نے رائے دی۔

"اگر تم نے ایک بار شکست کھالی اور تمہارا بھرم جاتا رہا تو پھر کبھی عزت حاصل نہ کرسکوگے۔ ہمیشہ کے لئے غلام بن کر رہ جاؤگے۔"

اس پر سب پرندوں نے بیک زبان ہوکر کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں ہر صورت میں اپنا بدلہ لینا چاھئیے۔"

"ہم چرندوں درندوں کے غلام نہیں بن سکتے۔"

کچھ دیر تک اس پر سوچ بچار ہوتا رہا اور پھر چند پرندوں نے باز کی رائے طلب کرتے ہوئے کہا۔

"تم ہم میں سے ذہین بھی ہو اور طاقتور بھی۔ تم ہی کوئی تجویز بتاؤ کہ ہم کس طرح اپنی شکست کا بدلہ لے سکتے ہیں؟"

باز نے چند لمحوں تک سوچا، غور کیا اور پھر الّو سے مشورہ کرنے کے بعد بولا۔

"اگر ہم چرندوں اور درندوں سے زمین پر لڑے تو ہمیں دوبارہ شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم ان سے دھرتی پر کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس لئے میری رائے تو یہ ھے کہ ہم سب فضا میں رہ کر ان سے جنگ کریں۔ اس طرح ھماری فتح یقینی ھے۔"

اس پر الّو نے باز کی تجویز کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

”باز کی رائے سولہ آنے درست ہے۔ ہم فضا میں رہ کر لڑیں اور چرندوں درندوں پر جھپٹ جھپٹ کر حملہ کریں۔ اپنی تیز چونچوں اور نوکیلے پنجوں سے انہیں لہو لہان کردیں۔ اس طرح یقیناً ہم جیت سکتے ہیں کیوں کہ فضا میں تمام چرندے اور درندے بے بس ہیں ۔ وہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے ۔ “

تمام پرندوں کو یہ تجویز پسند آئی ۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا ۔

” ہمیں یہ تجویز منظور ہے ۔ “

” ہمیں اس رائے سے پورا پورا اتفاق ہے ۔ “

عین اس وقت ایک بوڑھے کوّے نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا ۔

” میری مانو تو ابھی اور اسی وقت اپنا انتقام لو۔ کیوں کہ اس وقت تمام چرندے اور درندے اپنی کامیابی کی خوشیوں کا جشن منا رہے ہیں اور انہیں اپنا ہوش تک نہیں ۔ ہمارا یہ اچانک حملہ ان کے لئے تباہی کا باعث ہوگا ۔ “

”بالکل ٹھیک ! بالکل ٹھیک !! “

” ابھی حملہ کردو ۔ یہ اچھا موقع ہے۔ “

سب نے اتفاق کرتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ جمع ہو کر چرندوں اور درندوں پر حملہ کرنے اور اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے چل دیئے ۔

جب پرندوں کے پرے کے پرے اڑتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں اس وقت چرندے اور درندے اپنی فتح کی خوشیاں منارہے تھے ، تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ جس کو دیکھو وہ خوشی میں مست سب کچھ بھول بھال کر جشن منانے میں مگن تھا۔ کوئی ناچ رہا تھا ، کوئی گا رہا تھا اور کوئی اپنے آپ میں کھویا ہوا تھا۔ پرندوں کے لئے یہ موقع بہت اچھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سب مل کر ان پر ٹوٹ پڑے ۔ کوئی شیر پر جھپٹا تو کوئی چیتے پر۔ کسی نے گیدڑ کو جالیا تو کسی نے لومڑی کو۔ کوئی ہاتھی پر

ٹوٹ پڑا تو کوئی بھیڑئیے پر۔ کوئی چونچوں سے جسم چھلنی کرنے لگا تو کوئی پنجوں سے کھال نوچنے لگا ۔ اس طرح جو کسی سے بن پڑا اس نے کیا اور جس کا جس پر داؤ چلا، اس نے اسی پر حملہ کردیا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اپنی تیز چونچوں اور خطرناک پنجوں سے چرندوں اور درندوں کے جسم چھیل دیئے اور وہ لہولہان ہو کر چیخنے دھاڑنے لگے ۔ پرندوں کے فضا میں ہونے کی وجہ سے چرندے اور درندے ان کے حملوں کا جواب نہیں دے سکتے تھے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرندوں نے بڑھ بڑھ کر اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کئے ۔ یہاں تک کہ تمام چرندے اور درندے زخمی ہوگئے ۔ کچھ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، کچھ نڈھال ہوکر گر پڑے اور باقی مسلسل حملوں کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور یوں اس دفعہ میدان پرندوں کے ہاتھ رہا۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ تمام چرندے اور درندے میدان جنگ سے بھاگ گئے ہیں تو وہ سب فضا میں سے زمین پر اتر آئے اور اپنی شان دار فتح کی خوشی میں ناچنے گانے لگے ۔

دور بیٹھے ہوئے چمگادڑوں نے جب دیکھا کہ اس بار پرندوں کی جیت ہوگئی ہے تو وہ لپک کر ان کے پاس آئے اور کہا ۔

"ہم چرندے نہیں! ہم تو پرندے ہیں ۔"

مگر پرندوں نے جواب دیا ۔

"نہیں! تم چرندے ہو۔ ہم میں کیسے مل سکتے ہو؟"

اس پر چمگادڑ خوشامدانہ لہجے میں کہنے لگے۔

"یہ ٹھیک ہے کہ چمگادڑی چرندوں کی طرح بچے دیتی ہے اور انہیں دودھ پلاتی ہے۔ لیکن اس کے سوا ہم میں چرندوں والی کوئی اور بات نہیں ۔"

پھر انہوں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ہم تو پرندے ہی ہیں ۔ ہم بھی تمھاری طرح ہوا میں اڑتے ہیں اور ہماری تمام عادتیں اور خصلتیں تمھاری ہی طرح ہیں ۔ ہمیں اپنی ذات برادری کا ہی سمجھو!"

اس وقت پرندے بھی اپنی فتح کی خوشی میں سرشار تھے۔ وہ جشن منانے میں اس قدر محو تھے کہ انہوں نے چمگادڑوں پر کوئی زیادہ توجہ نہ دی اور کہا۔

"اچھا آجاؤ۔ تم بھی جشن میں شامل ہوجاؤ۔"

اور اس طرح چمگادڑ بھی پرندوں کے ساتھ مل کر ناچنے گانے لگے۔

پرندوں اور چرندوں درندوں کی یہ آخری لڑائی نہیں تھی۔ اس کے بعد بھی ان میں آئے دن لڑائیاں ہوئیں۔ کبھی وہ حملہ کرتے اور کبھی یہ چڑھ دوڑتے۔ کبھی پرندے جیت جاتے اور کبھی چرندوں درندوں کا پلہ بھاری ہوجاتا لیکن اتنی لڑائیوں کے باوجود اس بات کا فیصلہ نہ ہوسکا کہ بادشاہ کون بنے؟

چرندوں اور درندوں کا اب بھی یہی اصرار تھا کہ

"شیر ہی بادشاہ بننے کا مستحق ہے۔"

"وہی سب سے زیادہ طاقتور ہے۔"

اور پرندے کہتے تھے۔

"باز کو بادشاہ بننا چاہئیے۔"

"وہ ہر جگہ اور ہر ایک سے مقابلہ کرسکتا ہے۔"

اس طرح لڑائی کا یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا جس میں دونوں طرف کا بےحد جانی نقصان ہوا۔ بہت سے پرندے مر گئے اور بے شمار چرندے اور درندے بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ خدا جانے لڑائی اور دشمنی کا یہ سلسلہ کب تک چلتا کہ آخر دونوں طرف کے بڑے بوڑھے درمیان میں پڑ گئے۔ انہوں نے کہا۔

"اس طرح ہم دونوں تباہ ہوجائیں گے اور فیصلہ کچھ بھی نہ ہوسکے گا۔"

دونوں طرف کے یہ بڑے بوڑھے سیانے سر جوڑ کے بیٹھے اور فیصلے کی کوئی ایسی راہ تلاش کرنے لگے جس سے کشت و خون کا یہ سلسلہ بند ہو جائے۔ کئی روز کے غور و فکر کے بعد آخر یہ طے پایا کہ

" زمین پر شیر کی حکومت ہو اور فضا میں باز کا راج ہو ۔ "

یہ تجویز سب نے پسند کی۔ پرندے بھی اس بات پر راضی ہوگئے اور چرندے درندے بھی مان گئے ۔ اس طرح برسوں پرانی دشمنی ان کی دوستی میں تبدیل ہوگئی اور پھر اس دوستی کی خوشی میں ایک شان دار جشن منایا جانے لگا۔ چرندوں اور درندوں نے شیر کے بادشاہ بننے کی مسرت میں ناچنا گانا شروع کردیا اور پرندے باز کی بادشاہت کی خوشی میں اچھلنے کودنے لگے ۔ پورے جنگل میں خوشیوں کا دور دورہ شروع ہوگیا ۔

ادھر چمگادڑوں نے جب یہ دیکھا کہ ان سب کی آپس میں صلح ہوگئی ہے تو وہ بھی خوشی خوشی آگے بڑھے تاکہ جشن میں شریک ہوں لیکن جوں ہی وہ پرندوں کی طرف بڑھے ، انھوں نے کہا ۔

" ہم سے تمھارا کوئی تعلق نہیں ۔ تم چرندے ہو۔ جاؤ چرندوں کے ساتھ مل کر ناچو ۔ "

انھوں نے بہترا سمجھایا کہ

" ہم پرندے ہیں ۔ "

مگر پرندوں نے کہا ۔

" تم پرندے نہیں چرندے ہو۔ جاؤ ، جاکر ان میں شامل ہو ۔ "

" چمگادڑوں کو جب پرندوں نے دھتکار دیا تو وہ چرندوں اور درندوں کی طرف گئے لیکن انھوں نے آگے سے کہا۔

" ہم سے تمھارا کوئی تعلق نہیں ۔ تم پرندے ہو۔ پرندوں سے جاکر ملو ۔ "

چمگادڑوں نے بہتیری منت سماجت کی اور کہا کہ

" ہم چرندے ہیں ۔ "

مگر چرندوں اور درندوں نے بھی انھیں دھتکار دیا کہ

" تم پرندے ہو۔ ان کے پاس جاؤ ۔ "

اس طرح وہ جس طرف بھی جاتے آگے سے دھتکار دیئے جاتے۔ جس کے پاس جاتے وہی انہیں مارنے کو دوڑتا۔ جس طرف کا رخ کرتے پھٹکار پڑتی۔ کوئی بھی انہیں اپنے ساتھ جشن میں شامل کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ دونوں طرف کی مار پھٹکار سے ڈرتے ہوئے چمگادڑوں نے ایک راہ فرار اختیار کی اور ایک ویران اور سنسان جگہ پر جاکر چھپ گئے۔ وہ سارا دن اس ویران جگہ چھپے رہتے اور جب رات ہوجاتی تو باہر آکر ادھر ادھر اڑ کر اپنے کھانے پینے کا سامان کرتے۔ لیکن جوں ہی صبح قریب آتی جان کے خوف سے پھر کہیں جاکر چھپ جاتے۔

اس بات کو صدیاں بیت گئی ہیں مگر چمگادڑ آج بھی پرندوں، چرندوں اور درندوں کے خوف سے دن بھر کہیں چھپے رہتے ہیں اور رات کو اندھیرے میں باہر نکل کر اپنے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔ پھر جوں ہی صبح کی روشنی پھیلنے لگتی ہے، وہ دوبارہ کہیں جاکر چھپ جاتے ہیں تاکہ پرندے، چرندے یا درندے انہیں دیکھ نہ لیں۔

انسان اور جانور

اگلے زمانے کی بات ہے کسی شہر میں ایک برہمن رہتا تھا - ایک تو وہ غریب تھا، اوپر سے اس کے بچے بہت زیادہ تھے - اس لئے بڑی تنگدستی میں زندگی بسر کر رہا تھا - وہ ہر روز صبح سویرے ہی مزدوری کرنے چلا جاتا لیکن بڑی مشکل سے شام تک صرف اتنے پیسے کما پاتا جس سے محض دو وقت کا کھانا چل سکتا تھا - وہ بہت کوشش کرتا، زیادہ محنت مشقت کرنے کے لئے بھاگ دوڑ کرتا مگر اسے اس سے زیادہ کبھی نہ ملتا کہ اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے علاوہ کچھ بچ رہے - وہ مجبور تھا لیکن اس کی بیوی انتہا درجہ کی بدزبان اور غصیلی تھی - وہ اسے وقت بے وقت ڈانٹتی رہتی اور طعنے دیتی کہ وہ نکھٹو ہے - جب بھی وہ تھکا ہارا گھر میں قدم رکھتا وہ اس پر برس پڑتی اور کہتی -

" تم زیادہ محنت مزدوری نہیں کرتے اس لئے تمھیں زیادہ پیسے نہیں ملتے اور ہم مفلسی میں زندگی بسر کر رہے ہیں - "

وہ اسے بہتیرا سمجھاتا کہ

" میں اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرتا ہوں لیکن مجھے مزدوری ہی اتنی ملتی ہے - میں کیا کروں ؟ "

لیکن اس کی بیوی کو اس کی بات پر یقین نہ آتا تھا - دراصل اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اگر یہ زیادہ محنت کرے تو یقیناً زیادہ پیسے ملیں - اسے یہ بھی شک ہونے لگا تھا کہ برہمن زیادہ پیسے کما کر کہیں عیش و عشرت میں اڑا دیتا ہے اور مجھ سے بہانہ کردیتا ہے - یہی وجہ تھی کہ وہ اسے ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرتی رہتی

تھی - ایک تو اس کی طبیعت ہی ایسی تھی، دوسرے اسے اپنے شوہر پر شک ہوگیا تھا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے برہمن کی زندگی اجیرن کردی - بات صرف ڈانٹ ڈپٹ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ کبھی کبھی وہ اس کی مرمت بھی کردیتی تھی -

برہمن روز روز کی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے تنگ آچکا تھا - آخر ایک روز اس نے اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کرلیا کہ وہ دریا میں چھلانگ لگاکر خود کشی کرلے گا - اس طرح اس روز روز کے عذاب سے چھوٹ جائے گا - چنانچہ ایک دن جب وہ بالکل عاجز آگیا تو خودکشی کے ارادے سے گھر سے نکلا اور شہر سے باہر دریا کی طرف چل دیا -

برہمن نے دریا پر پہنچ کر چند لمحوں کے لئے سوچا اور پھر دل میں فیصلہ کرکے دریا میں چھلانگ لگادی - لیکن ابھی اس نے پانی میں چھلانگ لگائی ہی تھی کہ موت کے خوف سے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا - دراصل اس کی ہمت جواب دے گئی تھی - لہذا وہ دریا سے باہر نکل آیا اور کنارے پر بیٹھ کر سوچ میں گم ہوگیا -

اتفاق کی بات کہ وہاں قریب ہی ہنسوں کا ایک جوڑا رہتا تھا اور اس وقت ہنس اور مادہ ہنس دونوں بیٹھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے - وہ سمجھ گئے کہ برہمن خودکشی کی نیت سے یہاں آیا ہے - ہنس بولا -

" مجھے تعجب ہے کہ یہ انسان ہوکر اس طرح اپنے آپ کو ہلاک کررہا ہے - "

" ہوسکتا ہے اس پر کوئی بھاری مصیبت آپڑی ہو - "

مادہ ہنس نے سوچتے ہوئے کہا-اس پر ہنس نے جواب دیا -

" میرا خیال ہے، میں وہاں جاکر اس سے پوچھوں - آخر یہ ایسا کیوں کر رہا ہے ؟ "

مادہ ہنس اسے روکتے ہوئے بولی -

" چھوڑو ! تمھیں کیا پڑی ہے ؟ "

پھر وہ اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگی -

" کون جانے انسانوں کے دل میں کیا ہے - کہیں ایسا نہ ہو تمھیں ہی نقصان پہنچائے ؟ "

مگر ہنس نے اس کی بات نہ مانی - کہنے لگا -

" وہ مجھے کیا نقصان پہنچائے گا - بیچارہ کوئی مصیبت کا مارا معلوم ہوتا ہے - "

اتنا کہہ کر ہنس اڑ کے برہمن کے پاس پہنچ گیا - اس نے دیکھا واقعی برہمن بہت اداس بیٹھا ہوا تھا اور بڑا غمگین معلوم ہوتا تھا - اس نے قریب جاکر اس سے پوچھا -

" اے برہمن ! آخر تم پر ایسی کیا مصیبت آپڑی ہے جو تم اس طرح مفت میں اپنی جان ضائع کر رہے ہو ؟ "

جواب میں برہمن نے اپنی ساری بپتا سنائی کہ کس طرح محنت مزدوری کرنے کے باوجود اسے بہت کم اجرت ملتی ہے اور بچے زیادہ ہونے کی وجہ سے گھر کا خرچ مشکل سے چلتا ہے - اس پر اس کی بیوی اسے روزانہ ڈانٹتی ڈپٹتی رہتی ہے جس سے وہ تنگ آچکا ہے - یہ سب کچھ بتانے کے بعد اس نے روتے ہوئے کہا -

" اس سے تو بہتر ہے میں اپنے آپ کو ختم ہی کرلوں - کم از کم روز روز کی مصیبت سے تو چھوٹ جاؤں گا - "

ہنس نے اس کی ساری بات غور سے سنی اور پھر اسے سمجھاتے ہوئے بولا -

" لیکن اس سے تمھارے گھر کی مصیبت تو ختم نہیں ہوسکتی بلکہ تمھارے مرنے کے بعد تمھارے بیوی بچے اور بھی تنگدستی کا شکار ہوجائیں گے - "

" مگر میں اور کر بھی کیا سکتا ہوں ؟ "

برہمن نے آنسو بہاتے ہوئے کہا - ہنس کو اس پر رحم آگیا - اس نے برہمن سے کہا -

" اچھا ! تم اپنی دونوں آنکھیں بند کرلو اور جب تک تمھیں میں نہ کہوں آنکھیں نہ کھولنا - "

برہمن نے اس کے کہنے پر اپنی آنکھیں بند کرلیں - ہنس بھاگا بھاگا اپنے گھونسلے میں گیا اور پلک جھپکتے میں ایک بیش قیمت ہیرا لے آیا - واپس آکر اس نے برہمن سے کہا -

" اب اپنی آنکھیں کھول لو۔"

برھمن نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا ۔ ھنس ایک بیش قیمت ھیرا لئے ھوئے تھا ۔ اس نے وہ ھیرا برھمن کو دیکر کہا ۔

" میرے دوست ! یہ قیمتی ھیرا لو اور بادشاہ کے پاس جاکر فروخت کردو۔ وہ اس کے بدلے میں تمھیں اتنی دولت دے گا کہ تمھاری تمام مشکلات دور ھوجائیں گی ۔ "

ھیرا لیکر برھمن نے ھنس کا شکریہ ادا کیا اور خوشی خوشی بادشاہ کے پاس پہنچ گیا ۔ بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر اس نے عرض کیا ۔

" حضور ! میرے پاس ایک قیمتی ھیرا ھے جو مجھے ایک ھنس نے دیا ھے۔ میں اسے فروخت کرنا چاھتا ھوں ۔ "

بادشاہ نے دریافت کیا ۔

" اے برھمن ! وہ ھیرا ھمیں دکھاؤ ۔ شاید ھم اسے خرید لیں ۔ "

برھمن نے ھیرا بادشاہ کو پیش کردیا اور جب بادشاہ کی نظریں ھیرے پر پڑیں تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ۔ یہ بات اس کے سان گمان میں بھی نہ تھی کہ اس غریب برھمن کے پاس اس قدر بیش قیمت ھیرا ھوسکتا ھے۔ اس نے کہا ۔

" تمھارا ھیرا بہت قیمتی ھے۔ ھم اس کی پوری قیمت ادا نہیں کرسکتے ۔ "

اتنا کہنے کے بعد بادشاہ بولا ۔

" اگر تم اس کے بدلے میں روپوں سے بھری ھوئی سات بوریاں قبول کرلو تو ھم اسے خرید لیں گے ۔ "

برھمن کو بھلا اور کیا چاھیئے تھا ۔ اس کے لیئے تو روپوں سے بھری ھوئی سات بوریاں ھی بہت تھیں اور یہ بھی اس کے اندازے سے زیادہ تھیں ۔ اس نے جلدی سے کہا ۔

" حضور ! مجھے منظور ھے ۔ "

چنانچہ بادشاہ نے اس سے وہ ہیرا لے لیا اور اس کے بدلے میں روپوں سے بھری ہوئی سات بوریاں اس کے حوالے کردیں۔ اور برہمن جو خود کشی کے ارادے سے گھر سے نکلا تھا اب ایک امیر آدمی بن کے گھر واپس جارہا تھا۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ زندگی میں کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ایک روز اسے اس قدر دولت مل جائے گی۔ اس نے روپوں سے بھری ہوئی بوریاں لدوائیں اور ہانپتا کانپتا گھر کی طرف چل دیا۔ گھر پہنچتے ہی اس کی کایا پلٹ گئی اور وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ اس واقعہ کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ جس بادشاہ نے برہمن سے بیش قیمت ہیرا خریدا تھا وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوگیا۔ بڑے بڑے نامی گرامی حکیموں اور ویدوں کو طلب کیا گیا۔ ہر طرح کے علاج ہوئے۔ بڑے بڑے جتن کئے گئے مگر اس کے مرض میں کمی ہونے کی بجائے روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ بادشاہ اور اس کے امراء بہت پریشان تھے کہ کیا کیا جائے؟ آخر ایک روز ایک بہت سیانا حکیم آیا اور اس نے بادشاہ سے کہا۔

"میں آپ کا علاج کر سکتا ہوں۔"

بادشاہ کو اور کیا چاہیئے تھا؟ وہ جلدی سے بولا۔

"اے نیک حکیم! اگر تم نے ہمارا مرض ٹھیک کردیا تو ہم تمھیں منہ مانگا انعام دیں گے۔"

جواب میں حکیم نے کہا۔

"مگر ایک چیز حضور کو منگوانا ہوگی۔ پھر میں آپ کا علاج کرسکوں گا۔"

"ہمیں بتاؤ! ہم تمھیں ہر چیز منگوا کے دیں گے۔"

بادشاہ نے اس سے دریافت کیا۔ اس پر حکیم کہنے لگا۔

"اگر حضور کو جنگلی ہنس کا گوشت کھلایا جائے اور اس کی چربی زخموں پر لگائی جائے تو آپ کا مرض بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔"

جنگلی ہنس کا ملنا مشکل تھا۔ لیکن عین اس وقت بادشاہ کو یاد آیا کہ وہ برہمن ہنس ہی سے ہیرا لایا تھا۔ وہ یقیناً ہمارے لئے ہنس پکڑ کر لا سکتا ہے۔ لہذا اسی وقت ملازموں کو بھیج کر برہمن کو دربار میں طلب کیا گیا۔ حکم کی دیر تھی، خادم اسی وقت گئے اور برہمن کو لا کر دربار میں پیش کردیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا۔

"اے برہمن! فوری طور پر جاؤ اور جلد سے جلد ہمیں ایک جنگلی ہنس لا کر دو!"

اس کے ساتھ ہی اسے لالچ دیتے ہوئے کہا۔

"اگر تم جنگلی ہنس لے آئے تو ہم تمہیں دولت سے مالا مال کردیں گے۔"

برہمن تو پہلے ہی دولت کے لالچ میں آچکا تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا، اسی ہنس کے پاس جاتا ہوں اور کسی نہ کسی طرح اس کو پکڑ کے لے آتا ہوں۔ اس طرح میں زندگی بھر کے لئے دولت سے کھیلوں گا۔ اس وقت سونے کی چمک دمک نے اس کی آنکھوں پر خود غرضی کی پٹی باندھ دی تھی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ اسی ہنس نے اس کی اور اس کے خاندان کی زندگی بچائی تھی۔ اس طرح وہ ہنس کی تمام مہربانیاں اور احسانات فراموش کرکے سیدھا دریا کی طرف چل دیا۔

دریا پر پہنچ کر وہ اسی جگہ جا کھڑا ہوا جہاں کچھ عرصہ پہلے خودکشی کے ارادے سے آیا تھا۔ اس بار بھی وہ دریا میں چھلانگ لگانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اسے ہنسوں کے جوڑے نے دیکھ لیا۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ اب اس برہمن پر کیا مصیبت آپڑی ہے جو یہ دوبارہ خودکشی کرنے کے لئے آگیا ہے۔ انہوں نے سوچا، ہو سکتا ہے اس کا ہیرا کسی نے چرا لیا ہو یا اس سے کہیں کھوگیا ہو اور اس کی تنگدستی دور نہ ہوئی ہو۔ ادھر برہمن دریا کے کنارے پر کھڑا اپنے آپ کو اسی طرح ظاہر کررہا تھا جیسے وہ ابھی پانی میں کود پڑے گا۔ یہ دیکھ کر ہنس مادہ ہنس سے کہنے لگا۔

”ٹھہرو ! میں اس سے دریافت کرتا ہوں ۔ اب یہ کس مصیبت میں گرفتار ہے ۔“

مگر مادہ ھنس نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

”تمھیں کیا پڑی ہے ۔ ان انسانوں کا کوئی بھروسہ نہیں ۔ نہ جانے ان کے دل میں کب بدی آجائے اور یہ ھمیں نقصان پہنچادیں ۔“

ھنس نے بات نہ مانی۔ وہ کہنے لگا ۔

”نہیں ! ھوسکتا ہے اس پر پھر کوئی اور مصیبت آپڑی ھو ۔“

وہ اتنا کہہ کر اپنے گھونسلے سے اڑا اور اڑ کر برھمن کے قریب پہنچ گیا ۔ پھر اس سے پوچھنے لگا ۔

”اے برھمن ! اب تم خودکشی کیوں کر رہے ھو ؟ کیا تم پر پھر کوئی مصیبت آپڑی ہے ؟“

جواب میں برھمن نے مکاری سے کام لیتے ہوئے بڑی آھستگی سے کہا ۔

”نہیں دوست ! اب مجھ پر کوئی مصیبت نہیں آئی ۔ میں تو صرف تمھیں دیکھنے کے لئے چلا آیا ھوں ۔ میں نے سوچا اپنے محسن کو ایک بار دیکھ تو آؤں ۔“

ھنس برھمن کی باتوں میں آگیا ۔ اس نے سوچا واقعی اس کے دل میں دوستی کی قدر ہے ۔ یہ ابھی تک میرا احسان نہیں بھولا ۔ اس نے بڑے ھمدردانہ لہجہ میں برھمن کا شکریہ ادا کیا اور بولا ۔

”مجھے دیکھنے کے لئے آئے ھو تو خوشی سے آؤ ۔ یہ تمھاری اپنی جگہ ہے ۔ لو ، میں بھی تمھارے پاس آگیا ھوں ۔“

برھمن نے اپنا جادو چلتا دیکھا تو جھوٹی محبت کا اظہار کرنے لگا ۔

”میرے دوست ! اتنی دور نہیں ۔ میرے بالکل قریب آجاؤ تاکہ میں اپنے محسن کو اچھی طرح دیکھ سکوں ۔“

معصوم اور مخلص ھنس برھمن کی نیت سے بے خبر تھا ۔ وہ بے دھڑک اس کے پاس آگیا ۔ اب وہ اس کے اس قدر قریب

آچکا تھا کہ برہمن کو ذرا بھی دقت نہ ہوئی اور اس نے جھٹ سے اسے پکڑ کر ایک تھیلے میں بند کرلیا ۔ اس کے بعد تھیلے کو مضبوطی سے پکڑا اور دل میں یہ سوچتا ہوا شہر کی طرف چل دیا کہ اب تو میں دولت سے مالا مال ہوجاؤں گا ۔

برہمن خوشی خوشی شہر کی طرف جارہا تھا ۔ اس نے تھیلے میں ہنس کو اس طرح بند کر رکھا تھا کہ اس کا سر باہر تھا ۔ ہنس بیچارہ اداس اس کے قبضے میں تھا اور اس وقت کو پچھتا رہا تھا جب اس نے برہمن پر بھروسہ کرلیا تھا ۔ اسے رہ رہ کر مادہ ہنس یاد آرہی تھی جس نے اسے برہمن کے قریب جانے سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ انسانوں کا کوئی بھروسہ نہیں ۔ نہ جانے ان کے دل میں کب بدی آجائے ، لیکن اس نے اس کی بات نہ مانی ۔ اگر وہ اس کی بات مان لیتا تو اس طرح گرفتار نہ ہوتا ۔ ہنس یہی کچھ سوچ سوچ کر آنسو بہا رہا تھا ۔ اس کا سر چونکہ تھیلے سے باہر تھا اس لئے اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو نیچے زمین پر گرتے جارہے تھے ۔ قدرت خدا کی کہ ہر آنسو جوں ہی زمین پر گرتا ، وہ ایک بیش قیمت ہیرا بن جاتا ۔ اس طرح جس راستے سے برہمن آرہا تھا اس پر جگہ جگہ قیمتی ہیرے گرتے آرہے تھے جن سے برہمن بالکل بے خبر تھا ۔

اتفاق دیکھئے کہ اسی راستے پر بادشاہ کا بیٹا بھی کہیں سے شکار کھیل کر آرہا تھا ۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ راستے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر انتہائی قیمتی ہیرے بکھرے ہوئے ہیں تو بہت حیران ہوا ۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر کوئی شخص دکھائی نہ دیا ۔ چنانچہ شہزادہ تمام ہیرے اٹھاتا ہوا برہمن کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا ۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ کون آدمی ہے جو ایسے بیش قیمت ہیرے اس طرح راستے میں پھینکتا جارہا ہے ۔ اسی سوچ بچار میں چلا آرہا تھا ۔ آخر وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں برہمن ایک درخت کے نیچے آرام

کر رہا تھا اور وہاں تک آکر ہیرے گرنا بند ہو گئے تھے - شہزادے نے اندازہ کرلیا کہ ہو نہ ہو یہ قیمتی ہیرے اسی برہمن کے گرتے آرہے ہیں - پھر وہ سوچنے لگا ، مگر اس کے پاس اس قدر قیمتی ہیرے اتنی تعداد میں کہاں سے آگئے ؟ اس نے دیکھا تو برہمن کے پاس ایک تھیلا تھا۔ اس نے خیال کیا ، یقیناً اسی تھیلے سے ہیرے گرتے آرہے ہونگے اور اس میں اور ہیرے بھی ہوں گے - یہی جان کر اس نے برہمن سے پوچھا -

" تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو ؟ "

برہمن نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا ۔

" حضور ! میں ایک برہمن ہوں اور بادشاہ کے پاس جارہا ہوں ۔ "

" تمھارے اس تھیلے میں کیا ہے ؟ "

شہزادے نے ذرا سخت لہجے میں دریافت کیا اور برہمن یہ سن کر پریشان سا ہوگیا ۔

" نہیں حضور ! تھیلے میں کچھ بھی نہیں ! "

برہمن کی گھبراہٹ دیکھ کر شہزادے نے اور بھی سخت لہجے میں پوچھا -

" تمھارے تھیلے میں سے ہیرے کیسے گرتے آرہے تھے ؟ "

ہیروں کا سن کر تو برہمن اور زیادہ ہڑ بڑا گیا - اس نے جلدی سے ہاتھ جوڑ کر کہا ۔

" حضور ! میرے پاس تو کوئی ہیرا نہیں - یہ کسی اور نے گرائے ہوں گے ۔ "

لیکن شہزادے کو اس کی بات پر یقین نہ آیا - اس نے کہا۔

" تم جھوٹ بول رہے ہو ! "

اس کے بعد اس نے آگے بڑھ کر اس کا تھیلا کھولا تو اس میں ایک جنگلی ہنس بند تھا - ہنس نے روتے ہوئے شہزادے کو بتایا ۔

”حضور! میں نے اس برھمن پر احسان کیا اور اسے مفلسی سے بچایا لیکن اس نے اس کا بدلہ یہ دیا کہ مجھے دھوکے سے گرفتار کرکے لے آیا ہے۔“

ھنس کی فریاد سن کر شہزادہ برھمن پر بہت ناراض ہوا اور بولا۔

”ایک جانور نے تمھارے ساتھ نیکی کی اور تم انسان ہوتے ہوئے بھی احسان فراموش ثابت ہوئے۔“

اس کے بعد اس نے تھیلے میں سے ھنس کو باھر نکالا اور آزاد کردیا۔ ھنس نے شہزادے کا شکریہ ادا کیا اور وھاں سے اڑ گیا۔

برھمن بھاگم بھاگ سیدھا بادشاہ کے پاس آیا اور اس سے فریاد کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”حضور! میں تو جنگلی ھنس پکڑ کر لارھا تھا مگر راستے میں آپ کے بیٹے نے مجھے ڈانٹ کر اسے آزاد کردیا ہے۔ اب اس میں میرا کیا قصور؟“

بادشاہ نے یہ بات سنی تو غصے میں تلملا کر رہ گیا۔ اس کے بیٹے نے اس کے علاج کا آخری سہارا بھی ضائع کردیا تھا۔ اس نے اسی وقت حکم دیا کہ۔

”شہزادے کو اسی وقت جلا وطن کردیا جائے۔“

حکم کا ملنا تھا کہ شہزادے کو جلا وطن کردیا گیا اور شہزادہ شہر سے نکل کر دریا کے کنارے اسی جگہ آگیا جہاں ھنسوں کا جوڑا رھتا تھا۔ ھنس نے اسے دیکھا تو بہت پریشان ہوا۔ سوچنے لگا، جس شہزادے نے میری جان بچائی تھی، اس پر کیا مصیبت آپڑی ہے؟ وہ اس قدر غمزدہ یہاں کیوں آیا ہے؟ وہ جلدی سے اڑکر اس کے پاس آیا اور اس سے پوچھا۔

”اے شہزادے! تم اس قدر اداس کیوں ہو؟ تم پر کونسی مصیبت آپڑی ہے؟“

جواب میں شہزادے نے اسے بتایا کہ

”میں نے تمھیں برھمن سے آزاد کرایا تھا اس بات سے ناراض ھوکر میرے باپ نے مجھے جلاوطن کردیا ھے۔“

ھنس اسے تسلی دیتے ھوئے بولا۔

”تم فکر نہ کرو۔ تم نے مجھ پر احسان کیا ھے۔ ھم تمھیں کوئی تکلیف نہ ھونے دیں گے۔“

ھنس اتنا کہہ کر مادہ ھنس کے پاس گیا اور اسے ساری بات بتائی۔ اس کے بعد وہ دونوں جلدی جلدی گئے اور شہزادے کے کھانے کے لئے طرح طرح کے پھل لےکر آئے۔ شہزادے نے پھل کھائے، دریا سے پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر وھیں پڑکے سو رھا۔

اب ھنس کے جوڑے کا یہ روز کا معمول بن گیا تھا کہ وہ دونوں وقت شہزادے کےلئے ادھر ادھر سے پھل لاتے اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ھونے دیتے۔ فرصت میں دونوں اس کے پاس بیٹھ کر باتوں سے اس کا دل بہلاتے اور اس طرح شہزادہ وھیں رھنے لگا۔

وقت گذرتا گیا۔ آخر ایک روز ھنسوں کے جوڑے نے آپس میں مشورہ کیا کہ

”شہزادہ ھمارا محسن ھے۔ ھمیں اس کے لئے کوئی ایسی شہزادی لانی چاھئیے جو اسی کی طرح حسین ھو اور تنہائی میں اس کا ساتھ دے۔“

وھاں سے دریا پار ایک دوسرے ملک کی سرحد تھی جہاں ایک بادشاہ کا محل تھا اور اس بادشاہ کی ایک حسین و جمیل نوجوان بیٹی تھی۔ انہوں نے سوچا شہزادے سے اس کا جوڑا مناسب رھے گا۔ چنانچہ ایک رات جب شہزادہ گہری نیند سویا ھوا تھا ھنسوں کا جوڑا اڑ کر بادشاہ کے محل میں جا پہنچا۔ جب وہ شہزادی کے محل میں گئے تو انہوں نے دیکھا شہزادی اپنی مسہری پر بے خبر سوئی ھوئی تھی۔ دونوں نے چند لمحوں تک سوچا اور پھر مسہری کے نیچے دونوں جانب ھوکر اپنے پر اس طرح پھیلا دیئے کہ وہ نیچے سے آپس میں مل گئے اور پوری مسہری پروں پر آگئی۔ اس کے بعد دونوں نے اڑان لگائی اور سوئی ھوئی شہزادی کو مسہری سمیت دریا کے کنارے اس جگہ لے آئے جہاں ابھی تک شہزادہ نیند

میں بے خبر سویا ہوا تھا ۔ وہاں آکر انہوں نے بڑی آہستگی سے اس طرح مسہری زمین پر رکھ دی کہ سوئی ہوئی شہزادی کو احساس تک نہ ہوسکا ۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ دونوں اپنے گھونسلے میں آکر بیٹھ گئے ۔

جب صبح ہوئی تو شہزادی حسب معمول بیدار ہوئی مگر اپنے آپ کو محل کی بجائے دریا کے کنارے پاکر بہت پریشان ہوئی ۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملیں کہ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں ۔ لیکن جب اسے اس بات کا یقین ہوگیا کہ نہیں ، میں واقعی ایک ویران جگہ پر ہوں تو وہ گھبرا سی گئی ۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا جادو ہے ؟ میں یہاں کیسے گئی ؟ یہ کون سی جگہ ہے ؟ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ شہزادہ اس کے سامنے آگیا ۔ شہزادی ایک نوجوان کو اپنے پاس دیکھ کر اور بھی متعجب تھی مگر شہزادے نے اسے بتایا کہ میں بھی تمھاری طرح ایک بادشاہ کا بیٹا ہوں ۔ اس طرح ہنس کی جان بچانے کی پاداشت میں مجھے میرے باپ نے جلاوطن کردیا تھا اور یہی ہنس تمھیں اٹھاکر یہاں لائے ہیں ۔ ہنسوں نے شہزادے کو پہلے ہی سے بیدار کرکے سب کچھ بتا دیا تھا ۔

شہزادی ، شہزادے کی جوانی دیکھ کر موم ہو ہی چکی تھی اور شہزادہ بھی اس کی خوبصورتی پر جان دے بیٹھا تھا ۔ لہذا وہ بہت جلد ایک دوسرے سے گھل مل گئے اور پھر چند ہی دن بعد دونوں کی شادی ہوگئی ۔ ہنسوں کے جوڑے نے انہیں نہایت قیمتی موتی اور بیش بہا تحائف دیئے اور پھر دونوں کو شہزادی کے محل میں چھوڑ آئے جہاں شہزادی کے بوڑھے باپ نے اپنا سارا راج پاٹ شہزادے کے سپرد کردیا اور وہ ہنسی خوشی زندگی گذارنے لگے ۔

برہمن نے ایک انسان ہوتے ہوئے ہنس کا احسان فراموش کردیا تھا لیکن ہنس نے ایک جانور ہوکر بھی اپنے محسن کا بدلہ چکا دیا ۔

بہن کا پیار

کسی گاؤں کی چند نوجوان لڑکیوں نے آپس میں طے کیا کہ

" آج گاؤں سے باھر جھولا جھولنے چلیں ۔"

پھر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگیں ۔

" لیکن شرط یہ ھے کہ ھر لڑکی سرخ سالو اوڑھ کر آئے ۔"

(سالو ایک پھول دار کپڑا ھے جو پنجاب کے دیہات میں عورتیں دوپٹے کی جگہ اوڑھتی ھیں ۔)

سب نے کہا ۔

" ٹھیک ھے ھمیں منظور ھے ۔"

اتفاق کی بات کہ ان میں سے ایک لڑکی کے پاس سرخ سالو نہیں تھا ۔ وہ بھاگی بھاگی اپنی ماں کے پاس گئی اور اس سے کہنے لگی ۔

" ماں ! میری ساری سہیلیاں گاؤں سے باھر جھولا جھولنے جارھی ھیں ۔ "

ماں بولی ۔

" بیٹی ! تم بھی چلی جاؤ ۔"

لیکن لڑکی نے کہا ۔

" وہ سب کی سب سرخ سالو اوڑھ کر جارھی ھیں ۔ مجھے بھی سرخ سالو چاھیے ۔ "

ماں نے پیار سے کہا ۔

" بیٹی ! میرے پاس تو سرخ سالو نہیں ھے ۔ جاؤ اپنی بھابیوں میں سے کسی سے مانگ لو ۔"

اس لڑکی کے سات بھائی تھے اور ساتوں شادی شدہ تھے

اس لئے سات ہی بھابیاں تھیں - وہ پہلے اپنی سب سے بڑی بھابی کے پاس گئی اور اس سے کہا -

” بھابی ! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا جھولنے جارہی ہیں - مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سرخ سالو دے دو - “

اس کی بھابی قدرے ترشی سے بولی -

” میں برتن دھو رہی ہوں - میرا ہاتھ خالی نہیں ہے - “

لڑکی اپنی دوسری بھابی کے پاس گئی اور کہا -

” بھابی ! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا جھولنے جارہی ہیں - مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سرخ سالو دے دو - “

بھابی نے جھڑک کر جواب دیا -

” میں آٹا گوندھ رہی ہوں - مجھے فرصت نہیں - “

لڑکی اب تیسری بھابی کے پاس پہنچی اور کہنے لگی -

” بھابی ! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا جھولنے جارہی ہیں - مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سرخ سالو دے دو - “

اس نے بھی چمک کر کہا -

” میں پانی بھرنے جارہی ہوں - ذرا ٹھہر کے آنا - “

یہ دیکھ کر لڑکی اپنی چوتھی بھابی کے پاس گئی اور کہا -

” بھابی ! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا جھولنے جارہی ہیں - مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سرخ سالو دے دو - “

اس نے بھی برا سا منہ بنا کر کہا -

” میں سر میں کنگھی کر رہی ہوں — میرے ہاتھ تیل میں سنے ہوئے ہیں - “

لڑکی وہاں سے مایوس ہوکر اپنی پانچویں بھابی کے پاس گئی اور اس سے کہنے لگی -

” بھابی ! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا

جھولنے جارھی ھیں - مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سرخ سالو دے دو - ،،

اس نے بھی ماتھے پر تیوریاں چڑھا کر کہا -

’’ میں کپڑے دھورھی ھوں — مجھے فرصت نہیں - ،،

اب لڑکی اپنی چھٹی بھابی کے پاس گئی اور اس سے بھی یہی کہا -

’’ بھابی ! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا جھولنے جارھی ھیں - مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سرخ سالو دے دو - ،،

اس بھابی نے بھی اسے روکھا سا جواب دیا - کہنے لگی -

’’ میں بچے کو سلا رھی ھوں — ٹھہر کے آنا - ،،

جب وہ چھ بھابیوں کے جواب سے مایوس ھوگئی تو آخر میں اپنی سب سے چھوٹی اور ساتویں بھابی کے پاس گئی -

اس سے بھی یہی کہا -

’’ بھابی ! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا جھولنے جارھی ھیں - مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سرخ سالو دے دو - ،،

چھوٹی بھابی نے خلاف توقع جواب دیا - کہنے لگی -

’’ وہ سامنے سالو ٹنگا ھوا ھے - جا کر لے لو - ،،

اور جب لڑکی خوشی خوشی سرخ سالو لینے لگی تو چھوٹی بھابی بولی -

’’ لیکن ایک بات یاد رکھنا - اگر میرے سالو پر ذرا سا بھی داغ پڑ گیا تو میں یہی سالو تمہارے خون میں نچوڑوں گی - ،،

لڑکی نے جواب دیا -

’’ اگر داغ پڑگیا تو ایسا ھی کرنا - ،،

اس کے بعد لڑکی خوشی خوشی سرخ سالو لیکر سہیلیوں کے ساتھ گاؤں سے باھر درختوں پر جھولا جھولنے چلی گئی - اس نے جھولا جھولنے کے دوران سالو کی بڑی حفاظت کی اور

اسے میلا ہونے یا داغ لگنے سے بچائے رکھا لیکن چلتے وقت کسی پرندے نے اس پر بیٹ کردی اور سالو پر داغ پڑگیا ۔ اس نے بھتیرا اسے صاف کرنے کی کوشش کی لیکن داغ پوری طرح صاف نہ ہوسکا ۔ اب وہ ڈری کہ بھابی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟ اسی خوف سے جب وہ سہیلیوں کے ساتھ واپس گھر آئی تو اس نے سالو کو اس طرح لپیٹ لیا کہ اس کا داغ والا حصہ چھپ گیا ۔ اور پھر لپٹا لپٹایا سالو وہ اپنی چھوٹی بھابی کے گھر لے گئی ۔ وہ ابھی سالو رکھنے ہی لگی تھی کہ بھابی نے پوچھا ۔

" سالو پر کوئی داغ دھبہ تو نہیں لگایا ؟ "

اس نے قدرے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا ۔

" نہیں بھابی ! بالکل ہی نہیں ۔ "

لیکن اس کے دل میں چور تھا اس لئے جواب دیتے وقت کچھ گھبرا سی گئی تھی جسے اس کی بھابی بھی بھانپ گئی تھی ۔ اسے شک ہوگیا تھا ۔ اس نے سوچا ۔

" اگر سالو بالکل ٹھیک ہوتا تو یہ اس طرح گھبراتی کیوں ؟ "

چنانچہ اس نے کہا ۔

" لاؤ میں خود دیکھتی ہوں—ٹھیک ہے یا نہیں ؟ "

اس نے آگے بڑھ کر جب لپٹا لپٹایا سالو کھول کر دیکھا تو اس پر ایک جگہ پرندوں کی بیٹوں کے ہلکے ہلکے نشان تھے ۔ یہ دیکھتے ہی وہ غصہ میں چلائی ۔

" تم نے میرا سالو خراب کردیا ہے ۔ "

پھر وہ پاؤں پٹخ کر بولی ۔

" اگر میں نے اسے تمھارے خون میں نہ ڈبویا تو میرا بھی نام نہیں ۔ "

لڑکی تو بیچاری سہمی ہوئی اپنے گھر چلی گئی اور اس کی چھوٹی بھابی ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی لیکر پڑگئی ۔ شام کو جب اس کا شوہر گھر آیا تو اس نے دیکھا ، بیوی اٹواٹی کھٹواٹی لئے پڑی ہے ۔ اس نے حیران ہوکر پوچھا ۔

"تمھیں کیا ھوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
جواب میں وہ بولی۔
"میں مر گئی۔ میں لٹ گئی۔"
شوھر نے اور بھی پریشان ھوکر دریافت کیا۔
"کوئی بات بھی تو بتاؤ کہ آخر تم کیا چاھتی ھو؟"
جواب میں وہ منہ بسورتے ھوئے کہنے لگی۔
"جب تک تم میری ایک بات پوری نہیں کروگے میں نہیں اٹھوں گی۔ میں مرجاؤں گی۔"
شوھر پوچھنے لگا۔
"مجھے وہ بات تو بتاؤ جس سے تمھاری جان بچ سکتی ہے؟"
وہ اسی طرح منہ بسورتے ھوئے بولی۔
"جب تک تم اپنی بہن کا خون نہیں لاؤگے اور میں اس میں اپنا سالو نہیں بھگو لوں گی اس وقت تک میری جان نہیں بچ سکتی۔"
شوھر بھی کوئی سنگدل انسان تھا۔ وہ جلدی سے بولا۔
"یہ کیا مشکل ہے؟ میں تمھاری جان ضرور بچاؤں گا۔"
پھر وہ اسے سمجھاتے ھوئے کہنے لگا۔
"میں کل صبح ھی تمھیں اپنی بہن کا خون لادوں گا تاکہ تم اس میں اپنا سالو بھگو سکو اور تمھاری جان بچ جائے۔"
اور پھر دوسرے روز جوں ھی صبح ھوئی چھوٹا بھائی اپنی بہن کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا۔
"آؤ بہن! بیری سے بیر توڑ کر لائیں۔"
بہن بیچاری کے سان و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس کا بھائی اسے اپنے ساتھ کیوں لے جا رھا ہے؟ وہ خوشی خوشی اس کے ساتھ چلدی۔ اور جب وہ دونوں گاؤں سے باھر بیری کے پیڑ کے پاس پہنچے تو بھائی بولا۔
"میں بیری پر چڑھ کر بیر گراتا ھوں۔ تم نیچے چنتی جانا۔"

بہن بولی۔

"اچھا! تم گراؤ میں چنتی ہوں۔"

بھائی نے بیری کے سب سے نچلے تنے پر چڑھ کر شاخیں ہلا ہلا کر بیر گرانا شروع کر دیئے۔ اور جب بیر زمین پر گرنے لگے تو اس کی بہن نیچے جھک کر بیر چننے میں لگ گئی۔ کٹھور دل بھائی نے جب موقع دیکھا تو اوپر سے نشانہ باندھ کر بہن کی گردن پر کلہاڑی کھینچ ماری اور جلدی سے نیچے اتر کر اس کی گردن تن سے جدا کردی۔ اس نے پہلے ہی سے وہاں ایک برتن چھپا رکھا تھا لہذا اس برتن میں بہن کا خون بھرلیا اور لاش کو وہیں گڑھا کھود کر دبا دیا۔ اس کے بعد وہ خون سے بھرا ہوا برتن لیکر گھر آیا اور بیوی سے کہا۔

"لو، اپنی نند کا خون! اب اس میں اپنا سالو بھگو لو تاکہ تمہاری جان بچ جائے۔"

اس کی بیوی نے اپنے کہے کے مطابق اس خون میں اپنا سالو بھگویا اور پھر بولی۔

"اب میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑگئی ہے۔"

ادھر جب لڑکی اپنے گھر نہ پہنچی تو ماں باپ نے اس کے بارے میں دریافت کیا لیکن چھوٹے بھائی نے جواب دیا۔

"مجھے کیا معلوم؟ وہ تو میرے ساتھ نہیں گئی تھی۔"

ماں باپ نے بہتیرا لڑکی کو تلاش کیا مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر بیچارے رو پیٹ کر بیٹھ گئے اور اس طرح بات آئی گئی ہوگئی۔

خدا کا کرنا دیکھئے کہ جس جگہ چھوٹے بھائی نے اپنی بہن کی لاش دبائی تھی، کچھ عرصہ بعد وہاں آم کا ایک پودا اگ آیا۔ پھر بڑھتے بڑھتے آم کا پودا پیڑ میں تبدیل ہوگیا اور اس میں بور بھی آگیا۔ بور کے بعد ان گنت چھوٹے چھوٹے آم ٹہنیوں پر جھولنے لگے جن میں جلد ہی رس بھرگیا۔ قریب ہی دریا کا کنارا پڑتا تھا۔

ایک روز ایک دھوبی دریا کے کنارے کپڑے دھونے کے لئے آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ وہ خود تو کپڑے دھونے میں لگ گیا اور اس کا بچہ کھیلتے کھیلتے اسی آم کے پیڑ کے پاس جا پہنچا۔ اس نے درخت پر بے شمار پکے ہوئے آم دیکھے تو منہ میں پانی بھر آیا۔ وہ آگے بڑھا اور جھکی ہوئی شاخ سے آم توڑنے کی کوشش کی مگر درخت میں سے دھیمی سی آواز آئی۔

"نکیا دھوبیا انب ناں تروڑ
ڈالی ناں مروڑ
چھوٹے ویر بھین کٹھی۔ بھابو سالو بوڑیا

(اے ننھے منے دھوبی۔ آم نہ توڑ اور ٹہنی کو مت مروڑ۔ چھوٹے بھائی نے بہن کو قتل کیا اور بھابی نے سالو خون میں بھگویا۔)

بچے نے جب یہ آواز سنی اور یہ بھی دیکھا کہ وہاں اس کے علاوہ کوئی اور آدم زاد بھی نہیں تو وہ ڈر گیا اور خوف کے مارے وہاں سے بھاگ آیا۔ واپس آکر اس نے سارا قصہ اپنے باپ کو بتایا کہ

"اس طرح وہاں ایک آم کا پیڑ ہے جو انسانوں کی طرح بولتا ہے۔"

باپ یہ بات سن کر بچے کی بیوقوفی پر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔

"پگلے! کبھی درخت بھی بولتے ہیں؟"

مگر بچے نے اصرار کرکے کہا۔

"میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔"

باپ بولا۔

"تمہیں دھوکہ ہوا ہوگا۔"

اس پر بچے نے کہا۔

"نہیں مانتے تو آؤ میرے ساتھ چل کر خود دیکھ لو۔"

دھوبی کو اب بھی اس کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا

لیکن اس نے سوچا - چلو اس طرح بچے کا خوف ہی دور ہوجائے گا - چنانچہ وہ اس سے کہنے لگا -

" اچھا چلو! مجھے بھی دکھاؤ ! "

وہ دونوں اس آم کے پیڑ کے پاس آگئے - بچے نے باپ سے کہا -

" اب کوئی ایک آم توڑو - "

اور جونہی دھوبی نے آم توڑنے کے لئے ایک جھکی ہوئی شاخ پکڑی ، درخت میں سے پھر ایک دھیمی سے آواز آئی -

وھڈیا دھوبیا انب ناں تروڑ
ڈالی ناں مروڑ
چھوٹے ویر بھین کٹھی ، بھابو سالو بوڑیا
(اے بڑے دھوبی ! آم نہ توڑ اور ٹہنی کو مت مروڑ

چھوٹے بھائی نے بہت کو قتل کردیا اور بھابی نے سالو خون میں بھگویا -)

یہ آواز سن کر دھوبی بھی ڈرگیا - واقعی بچے نے ٹھیک کہا تھا - وہ اسی وقت بھاگم بھاگ گاؤں پہنچا اور لوگوں کو بتایا کہ

" وہاں ایک آم کا پیڑ ہے جو آدمیوں کی طرح باتیں کرتا ہے - "

لیکن گاؤں کے لوگوں میں سے کسی نے بھی باپ بیٹے کی بات پر یقین نہ کیا - جو بھی سنتا الٹا ہنسنے لگتا اور کہتا -

"پاگل ہوگئے ہو - کبھی درخت بھی بولتے ہیں ؟ "

مگر جب دھوبی اور اس کے بچے نے اپنی بات کی سچائی پر اصرار کیا تو ایک دو عمر رسیدہ آدمیوں نے لوگوں سے کہا -

" چلو! چل کے دیکھ لیتے ہیں - ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ؟ "

بہت سے لوگ دھوبی اور اس کے بچے کے ساتھ چل دیئے کہ دیکھیں وہ کون سا درخت ہے جو انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے؟ ان لوگوں میں اس لڑکی کے ماں باپ اور بھائی بھی تھے جسے چھوٹے بھائی نے قتل کیا تھا۔ ان کے ساتھ ہی ساتوں بھائیوں کی بیویاں بھی تھیں۔ جب سب لوگ آم کے درخت کے پاس پہنچ گئے تو دھوبی نے کہا۔

"اب تم میں سے کوئی آدمی اس درخت سے ایک آم توڑے۔"

سب سے پہلے اس لڑکی کا باپ آگے بڑھا۔ اس نے ایک جھکی ہوئی شاخ پکڑ کر آم توڑنے کی کوشش کی ہی تھی کہ درخت میں سے بڑی میٹھی آواز آئی۔

باپو! باپو انب ناں تروڑ
ڈالی ناں مروڑ
چھوٹے ویر بھین کٹھی بھابو سالو بوڑیا۔
(اے باپ! اے باپ! آم نہ توڑ ٹہنی کو مت مروڑ۔
چھوٹے بھائی نے بہن کو قتل کیا اور بھابی نے سالو خون میں بھگویا۔)

یہ آواز سنتے ہی لڑکی کا باپ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ باپ کو پیچھے ہٹتا دیکھ کر سب سے بڑا بھائی آگے بڑھ کر آم توڑنے لگا تو پھر وہی آواز آئی۔

وہڈیا ویرا انب ناں تروڑ
ڈال ناں مروڑ
چھوٹے ویر بھین کٹھی بھابو سالو بوڑیا۔
(اے بڑے بھائی! آم نہ توڑ اور ٹہنی کو مت مروڑو۔
چھوٹے بھائی نے بہن کو قتل کیا اور بھابی نے سالو خون میں بھگویا۔)

بڑا بھائی بھی یہ آواز سنتے ہی پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد اس کے پانچ دوسرے بھائیوں نے بھی باری باری آگے بڑھ کر آم توڑنے کی کوشش کی لیکن ہر بار وہی آواز آتی۔ چھ بھائیوں کی چھ بیویاں بھی ایک ایک کرکے آگے بڑھیں

مگر انہیں بھی یہی آواز سنائی دی اور وہ بھی پیچھے ہٹ گئیں۔ سب لوگ حیران تھے ۔ ہرایک کی زبان پر یہ تھا۔

" خدایا ! یہ کیا ماجرا ہے ؟ "

آخر میں سب سے چھوٹا بھائی بولا ۔

" لو ! میں توڑ کے دکھاتا ہوں آم ۔ "

اور وہ آگے بڑھ کر آم توڑنے ہی لگا تھا کہ آم کی ٹہنی خود بخود اس کے ہاتھ سے اونچی ہوگئی اور اس میں سے آواز آئی ۔

پاپیا ، پاپیا انب ناں تروڑ
ڈالی ناں مروڑ

توئیں بھین کٹھی تے بھابو سالو بوڑیا

(اے پاپی ! اے پاپی ! آم نہ توڑ اور ٹہنی کو مت مروڑ ۔
تونے ہی بہن کو قتل کیا اور بھابی نے سالو خون میں بھگویا ۔)

چھوٹا بھائی یہ سن کر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا تو اس کی بیوی جو لڑکی کی سب سے چھوٹی بھابی بھی تھی آگے بڑھی۔ ابھی اس نے آم توڑنے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ ٹہنی پہلے سے بھی زیادہ اوپر اٹھ گئی اور اس میں سے وہی آواز آئی ۔

پاپنیں ، پاپنیں انب ناں تروڑ
ڈالی ناں مروڑ

چھوٹے ویرنے بھین کٹھی توئیں سالو بوڑیا

(اے پاپن اے پاپن ! آم نہ توڑ اور ٹہنی کو مت مروڑ ۔
چھوٹے بھائی نے بہن کو قتل کیا اور تونے ہی سالو خون میں بھگویا ۔)

جب سب لوگ باری باری آم توڑنے میں ناکام ہوچکے تو سب کے آخر میں لڑکی کی ماں آگے بڑھی اور ابھی اس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ آموں سے لدی پھندی شاخ خود بخود اس کی طرف جھک گئی اور اس نے ان میں سے ایک آم توڑ لیا۔ آم توڑنے کی دیر تھی کہ اس کے ساتھ ہی آم کا

پورا درخت یوں غائب ہوگیا جیسے وہاں کبھی اُگا ہی نہ تھا۔ اور پھر لوگوں نے دیکھا ۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے درخت اُگا ہوا تھا ، وہاں ساتوں بھائیوں کی بہن کھڑی تھی جس نے نہایت خوبصورت سرخ سالو اوڑھ رکھا تھا — یہ دیکھ کر چھوٹا بھائی بہت شرمندہ ہوا ۔ وہ بھاگ کر اپنی بہن کے قدموں پر جاگرا اور کہنے لگا ۔

''بہن ! مجھے معاف کردو۔ میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں ۔''

چھوٹی بہن نے اسے معاف کردیا اور اٹھاکر گلے لگالیا لیکن اس نے اپنی بھابی کو معاف نہ کیا ۔ اس کے بعد وہ سب واپس اپنے گاؤں آگئے ۔

اس بات کو جگ بیت چکے ہیں ۔ کہتے ہیں ، اگر وہ بہن اپنے بھائی کو معاف نہ کرتی تو آج کوئی بہن اپنے بھائی سے پیار نہ کرتی ۔ یہ صرف اس لڑکی کی قربانی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی ہر بہن اپنے بھائی پر جان چھڑکتی ہے ۔ لیکن اس کے بعد بھابی اور نند میں ہمیشہ کے لئے دشمنی ہوگئی کیوں کہ اس نے بھابی کو معاف نہیں کیا تھا ۔

دوستی کا پھل

اگلے وقتوں کی بات ہے۔ کسی جنگل میں ایک کبوتر اور کبوتری رہتے تھے۔ ایک بڑے سے درخت پر ان کا گھونسلا تھا اور اس میں وہ دونوں امن چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے ہاں کوئی بچہ نہ تھا لہذا جونہی صبح ہوتی، وہ دونوں ادھر ادھر اڑ جاتے اور دانہ دنکا چگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے۔ پھر جیسے ہی شام کے اندھیرے پھیلنے لگتے، واپس اپنے گھونسلے میں آجاتے۔ یہی ان کی زندگی کا معمول تھا۔ یوں تو کبوتر بھی کوئی ایسا بیوقوف واقع نہیں ہوا تھا لیکن پھر بھی کبوتری اس سے کہیں زیادہ عقل مند، سمجھدار اور دانا تھی۔ چنانچہ جب اس نے گھونسلے میں انڈے دیئے تو اسے ہر وقت اسی بات کی فکر لگی رہتی کہ

''کہیں کوئی جانور ان کے انڈے نہ لے جائے۔''

یہی بات سوچتے ہوئے ایک روز وہ کبوتر سے کہنے لگی۔

'' ہمارا یہاں کوئی ایسا سنگی ساتھی نہیں ہے جو وقت پڑنے پر کام آسکے۔''

''لیکن تمہیں یہاں خطرہ کس بات کا ہے؟''

کبوتر نے حیرانی سے دریافت کیا۔ اس پر کبوتری اسے سمجھانے کے سے انداز میں بولی۔

''برا وقت کسی کو بتا کر نہیں آیا کرتا۔''

پھر اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''ہمیں اپنے ایک دو ساتھی ضرور بنانے چاہئیں تاکہ مصیبت کے وقت وہ ہماری مدد کرسکیں۔''

کبوتری کی یہ بات سن کر کبوتر بھی ذرا سوچ میں پڑگیا۔

اس نے اپنے دل ہی دل میں سوچا - کبوتری بات تو ٹھیک کہہ رہی ہے - اگر کل کلاں کو کوئی برا وقت آہی پڑا تو کوئی ہمیں سہارا دینے والا بھی نہیں ہے - لیکن پھر وہ جیسے کچھ سوچ کر کہنے لگا -

" تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ یہاں نزدیک ہماری برادری کا کوئی پرندہ بھی تو نہیں رہتا - پھر دوست بنائیں بھی تو کسے بنائیں ؟ "

کبوتری بڑی سگھڑ سیانی تھی - وہ بولی -

" کوئی حرج نہیں- ہماری برادری کا کوئی پرندہ نہیں ہے تو نہ ہو- آخر کسی دوسری برادری کے پرندے یا جانور سے سے بھی تو تعلقات قائم کئے جاسکتے ہیں ؟ "

پھر اس نے کبوتر کو سمجھاتے ہوئے کہا -

" اکیلا آدمی دنیا میں کسی کام کا نہیں ہوتا - ہمیں کوئی نہ کوئی ساتھی ضرور بنالینا چاہیے - "

سچ تو یہ ہے کہ کبوتری کی بات کبوتر کے دل کو لگ گئی تھی - آج تک اس کا اس طرف دھیان ہی نہ گیا تھا اور اب کبوتری کے کہنے پر اسے بھی احساس ہونے لگا تھا کہ کوئی نہ کوئی دوست ضرور ہونا چاہیے - وہ بیٹھے بیٹھے ، دل ہی دل میں اپنے ارد گرد کے قریبی علاقے کے بارے میں سوچنے لگا اور یاد کرنے لگا کہ وہاں کون کون رہتا ہے ؟ کچھ پرندے اس کے ذہن میں آئے لیکن وہ وہاں سے کافی فاصلے پر رہتے تھے اس لئے ان سے دوستی کرنا یا نہ کرنا برابر تھا کیوں کہ وقت پڑنے پر انہیں اطلاع بھی نہیں کی جاسکتی تھی - سوچتے سوچتے اچانک کبوتر کو خیال آیا کہ جہاں وہ رہتے ہیں ، اس سے کچھ ہی دور ایک دوسرے درخت پر گدھوں کا ایک جوڑا رہتا ہے - اس نے کبوتری سے کہا -

" یہاں سے قریب ہی ایک درخت پر گدھوں کا ایک جوڑا رہتا ہے - اگر تم کہو تو میں ان کے پاس جاؤں - "

کبوتری جلدی سے بولی -

”اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟ ابھی جاؤ اور ان سے دوستی قائم کرو۔“

”مگر مجھے تو گدھوں سے ڈر لگتا ہے۔ ان کا ہم سے میل مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔“

کبوتر کسی سوچ میں پڑگیا لیکن کبوتری نے پھر اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”گدھ ہیں تو کیا ہے؟ ہیں تو پرندے؟ تم جاکر تو دیکھو۔“

”اچھا! تم کہتی ہو تو میں چلا جاتا ہوں۔“

کبوتر نے اتنا کہا اور اسی وقت اڑ کے گدھوں کے جوڑے کے پاس جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سلام دعا کی اور پھر بڑی اپنائیت سے کہنے لگا۔

”ہم سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں اور اس طرح ہمارا رشتہ سگوں جیسا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم ایک دوسرے کے دوست بن جائیں؟“

اس پر گدھ قدرے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔
تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمسائے تو ماں جائے ہوتے ہیں۔ آپس کے دکھ سکھ میں شریک ہوکر ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔“

کبوتر نے انہیں بھی اپنا ہم خیال پایا تو بولا۔

”میں اسی لئے تم لوگوں کے پاس آیا ہوں کہ آج سے ہم دوست بن جائیں۔“

جواب میں گدھ بولا۔

”ہم تو چلو آج سے ایک دوسرے کے دوست بن گئے ہیں مگر میری بات مانو تو ہم ایک کام اور کریں۔“

کبوتر نے پوچھا۔

”وہ کیا؟“

جس پر گدھ نے بتایا۔

”یہاں سے قریب ہی ایک درخت کی کھوہ میں ایک

بہت بڑا سانپ رہتا ہے۔ اگر وہ بھی ہمارا دوست بن جائے تو پھر ہم خطرے سے بالکل محفوظ ہوجائیں گے۔"

یہ تجویز کبوتر کو بھی پسند آئی لہٰذا وہ بولا۔

"اگر یہ بات ہے تو چلو دونوں اس کے پاس چلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے، وہ بھی ہمارا دوست بن جائے۔"

چنانچہ گدھ اور کبوتر دونوں اڑے اور اڑ کر سانپ کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر دونوں نے سانپ کو اپنے آنے کا مقصد بتایا اور کہا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ہم تینوں مختلف برادری سے تعلق رکھتے ہیں مگر دوست بننے میں کیا حرج ہے؟"

"دوستی میں تو کوئی پابندی حائل نہیں ہوتی؟"

سانپ نے ان دونوں کی باتوں کو بڑے غور سے سنا، کچھ دیر تک لیٹا ان پر سوچ بچار کرتا رہا اور پھر ان سے کہنے لگا۔

"دوستی بڑی مشکل ہوتی ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے لئے جان قربان کرنا پڑتی ہے۔"

"تم ہمیں ہر امتحان میں ثابت قدم پاؤگے۔"

دونوں نے بیک زبان سانپ سے کہا۔ اس پر سانپ بولا۔

"اگر یہ بات ہے تو مجھے تم دونوں کی دوستی منظور ہے۔ آج سے ہم تینوں دوست ہیں اور وقت پڑنے پر ایک دوسرے کی پوری مدد کریں گے۔"

"بالکل ایسا ہی ہوگا۔"

اس طرح کبوتر، گدھ اور سانپ کی دوستی ہو گئی اور اب کبوتری مطمئن تھی کہ وہ اکیلے نہیں رہے۔ ان کے دوسرے ساتھی بھی ہیں۔

دن گذرتے گئے۔ کبوتری نے جو انڈے دئیے تھے، اب ان کی جگہ ننھے منّے بچوں نے لے لی تھی۔ کبوتری اور کبوتر دن رات بچوں کی دیکھ بھال اور حفاظت میں

لگے رہتے - پہلے وہ دونوں ایک ساتھ چوگا چگنے چلے جاتے تھے لیکن اب وہ باری باری جانے لگے تاکہ ان میں سے ایک ضرور بچّوں کے پاس موجود رہے - اگر کبوتر کہیں دانہ دنکا چگنے جاتا تو کبوتری گھونسلے میں رہتی اور کبوتری بچّوں کے کھانے کے لئے کچھ لینے جاتی تو کبوتر بیٹھا بچوں کی دیکھ بھال کرتا -

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک روز کوئی شکاری گھومتا گھامتا اس طرف آ نکلا - وہ صبح سے مارا مارا پھر رہا تھا لیکن ابھی تک کوئی شکار اس کے ہاتھ نہیں لگا تھا - اگر وہ پرندوں کے لئے کہیں جال بچھاتا تو اسے اس میں مایوسی ہوتی اور اگر کسی جانور پر تیر چلاتا تو وہ بچ نکلتا - اس طرح وہ دن بھر کا تھکا ہارا، پھرتا پھراتا اس طرف آگیا اور اسی درخت کے نیچے آکر کھڑا ہوگیا جس پر کبوتر اور کبوتری نے گھونسلا بنا رکھا تھا - اس نے دل میں سوچا -

" خالی ہاتھ گھر جانا بدشگونی ہوگی - کیوں نہ کسی گھونسلے سے کسی جانور کے بچے ہی پکڑ کے لے چلوں - کچھ تو مل جائے گا - "

اتنا سوچ کر اس نے ارد گرد سے درخت کا جائزہ لیا تو اسے اس پر ایک گھونسلا دکھائی دیا - گھونسلا دیکھ کر اس نے اپنے تجربے سے اس کا اندازہ بھی کرلیا کہ گھونسلے میں کسی پرندے کے بچے بھی موجود ہیں - اس وقت شام ہونے کو آئی تھی اور آہستہ آہستہ چاروں طرف اندھیرا پھیلنے لگا تھا - یہ دیکھ کر شکاری کے ذہن میں ایک ترکیب آئی - اس نے سوچا -

" اگر میں درخت کے نیچے آگ جلادوں تو روشنی میں درخت پر گھونسلا تلاش کرنے میں آسانی رہے گی - "

اس نے ادھر ادھر سے چند سوکھی لکڑیاں اور گھاس پھونس جمع کی اور پھر ان میں آگ لگا کر الاؤ سا روشن کردیا - اس کے بعد وہ درخت پر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا -

ادھر تو درخت کے نیچے شکاری یہ ارادے باندھ رہا تھا اور ادھر درخت پر بیٹھے ہوئے کبوتر اور کبوتری یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ شکاری کی نیت بھانپ گئے تھے اور اب اپنے بچوں کو بچانے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے جو ابھی اتنے چھوٹے تھے کہ اڑ بھی نہ سکتے تھے۔ کبوتر کبوتری سے کہنے لگا۔

"میں ابھی اپنے دوستوں کو خبر کرتا ہوں۔ اورانہیں جلد بلا کر لاتا ہوں۔"

اس پر کبوتری کہنے لگی۔

"یہ درست ہے کہ تم اپنے دوستوں کو بلا لاؤ گے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ وہ ہماری مدد کو آ بھی جائیں گے لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے ہم خود کوشش کریں۔ ہوسکتا ہے، دوسروں کی مدد کے بغیر ہی یہ مصیبت ٹل جائے۔"

"میرا تو خیال ہے پہلے اپنے دوستوں کو خبر کردینی چاہیے۔"

کبوتر نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا، جس پر کبوتری نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی اپنی مدد آپ نہ کرے تو دوسرے بھی اس کی مدد کو تیار نہیں ہوا کرتے۔ ہاں، اگر ہم اس کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہوجائیں تو پھر تم اپنے دوستوں کو ضرور بلا لانا۔ مگر پہلے ہمیں خود ہی کچھ کرنا چاہیے۔"

شکاری آگ جلا چکا تھا اور اب اس نے اس کی روشنی میں درخت پر چڑھنا شروع کردیا تھا۔ کبوتری نے جب اسے درخت پر چڑھتے ہوئے دیکھا تو کبوتر سے بولی۔

"اگر ہم جلتی ہوئی آگ بجھا دیں تو شکاری اندھیرے میں ہمارا گھونسلا نہیں ڈھونڈ سکے گا۔"

"مگر ہم آگ کیسے بجھا سکتے ہیں؟"

کبوتر قدرے فکر مند ہوتے ہوئے بولا۔

"تم آؤ تو سہی! ہم کوشش کرتے ہیں۔"

کبوتری نے اتنا کہا اور وہ دونوں بجلی کی سی تیزی سے اڑگئے۔ قریب ہی دریا بہہ رہا تھا۔ ان دونوں نے دریا پر پہنچ کر اپنے پروں میں پانی بھرا اور پھر آن کی آن میں واپس آکر وہ پانی جلتی ہوئی آگ پر چھڑک دیا۔ وہ پھر اڑے اور دوبارہ پانی لاکر آگ پر چھڑکا اور اس طرح چند ہی لمحوں میں تین چار بار پانی لاکر انہوں نے آگ پر چھڑک دیا جس سے جلتی ہوئی آگ بجھ گئی۔

درخت پر چڑھتے ہوئے شکاری نے جب دیکھا کہ آگ بجھ گئی ہے اور اندھیرے میں گھونسلا تلاش کرنا مشکل ہے تو وہ نیچے اتر آیا۔ نیچے اترکر اس نے دوبارہ آگ جلائی اور پھر سے درخت پر چڑھنے لگا۔ ادھر کبوتر اور کبوتری نے جب دیکھا کہ آگ دوبارہ روشن ہوگئی ہے تو وہ پھر سے بھاگے بھاگے دریا پر گئے اور پہلے کی طرح پروں میں پانی بھر بھر کر لاکر اس پر چھڑکنے لگے۔ اور اس طرح چند ہی لمحوں میں انہوں نے پھر آگ بجھادی۔

شکاری ایک بار پھر درخت پر چڑھتے چڑھتے رک گیا۔ کچھ اندھیرا بھی بڑھ چکا تھا اور روشنی کے بغیر درخت پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ اسے آگ پر رہ رہ کر غصہ آرہا تھا کہ یہ اپنے آپ بجھ کیسے جاتی ہے؟ وہ غصہ میں کھولتا ہوا پھر درخت سے نیچے اترا اور ایک بار پھر ادھر ادھر سے لکڑیاں جمع کرکے ان میں آگ لگادی۔ اس دفعہ اس نے موٹی موٹی لکڑیاں جمع کی تھیں تاکہ جلنے کے بعد آگ بجھ نہ سکے۔ کبوتر اور کبوتری نے جب یہ دیکھا کہ اس دفعہ کی آگ بجھانا ان کے بس کی بات نہیں تو وہ بہت گھبرائے۔ اب دوستوں کی مدد ضروری تھی چنانچہ کبوتری نے کبوتر سے کہا۔

"اب دوستوں سے مدد لینے کا وقت آگیا ہے۔"

پھر اس نے کبوتر سے کہا۔

"جلدی جاؤ اور اپنے گدھ دوست کو مدد کے لئے فوراً لاؤ۔"

یہ سنتے ہی کبوتر آن کی آن میں گدھ کے جوڑے کے پاس پہنچا اور انہیں ساری بات بتا کر کہا ۔

"اب مجھے تم لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے ۔"

گدھ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سارے کام چھوڑ کر کہا ۔

"چلو! ہم ابھی چلتے ہیں۔ دوستی کس روز کام آئے گی؟"

کبوتر گدھوں کے جوڑے کو ساتھ لیکر آیا تو انہوں نے دیکھا کہ آگ پوری طرح جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں شکاری درخت پر چڑھ رہا تھا ۔ دونوں گدھ کبوتر کے ساتھ جلدی جلدی دریا پر گئے اور انہوں نے اپنے بڑے بڑے پروں میں پانی بھر کے لاکر آگ پر پھینکنا شروع کردیا ۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں جلتی ہوئی آگ بجھ گئی ۔ یہ دیکھ کر شکاری تلملا کر رہ گیا ۔ مصیبت یہ تھی کہ اب اندھیرا بہت زیادہ ہوچکا تھا اور درخت پر چڑھنا کسی طرح ممکن نہیں رہا تھا ۔ پھر یہ بھی تھا کہ شکاری بار بار درخت پر چڑھتے اترتے میں تھک بھی چکا تھا اس لئے اس نے دل میں سوچا ۔

"اب آگ جلانا بھی مشکل ہے اور رات بھی ہوگئی ہے۔ کیوں نہ رات یہیں بسر کرلوں اور صبح آسانی سے بچے نکال کر لے چلوں گا ۔"

اور یہ سوچ کر وہ درخت سے تھوڑی دور زمین پر کپڑا بچھا کر لیٹ گیا ۔ کبوتر اور گدھ نے جب یہ دیکھا کہ شکاری وہیں پر رات بسر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور سونے کی تیاری کرنے لگا ہے تو وہ جان گئے کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے ۔ یہ صبح ضرور گھونسلے میں سے بچے نکال کر لے جائے گا ۔ یہ جان کر وہ کچھ دوسری ترکیبیں سوچنے لگے ۔ کبوتری نے رائے دی ۔

"میری مانو تو تم دونوں اپنے دوست سانپ کے پاس جاؤ ۔ اس وقت وہی ہماری مدد کرسکتا ہے ۔"

"ہاں! وہ یقیناً اس وقت ہمارے کام آسکتا ہے ۔"

مادہ گدھ نے بھی کبوتری کی رائے پسند کی اور گدھ

بھی کہنے لگا ۔

'' ہاں! میری بھی یہی رائے ہے ۔ اب اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا ۔ ''

جواب میں کبوتر بولا ۔

''چلو ! پھر دیر کس بات کی ؟ ابھی اس کے پاس چلتے ہیں ۔ ''

کبوتر اور گدھ دونوں اڑگئے اور تھوڑی ہی دیر میں اپنے دوست سانپ کے پاس پہنچ گئے ۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے شروع سے لیکر آخر تک اسے ساری بات بتائی اور پھر کہا ۔

'' اس وقت شکاری وہیں سویا ہوا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ وہ صبح ضرور بچے نکال کرلے جائے گا ۔ ''

سانپ لیٹے لیٹے سوچنے لگا تو کبوتر بولا ۔

'' اب صرف تمہاری مدد ہی میرے بچوں کی زندگی بچا سکتی ہے ۔ ''

'' ہم اسی لئے تمہارے پاس آئے ہیں ۔ ''

گدھ نے بھی کبوتر کی حمایت کرتے ہوئے کہا ۔ سانپ بڑے غور سے ان کی باتیں سن کر کہنے لگا ۔

'' تم لوگ گھبراؤ نہیں ! ''

پھر وہ انہیں واپس جانے کے لئے مشورہ دیکر بولا ۔

'' اس وقت تو مصیبت ٹل ہی گئی ہے ۔ اب صبح دیکھا جائے گا ۔ اس وقت تم دونوں جاؤ، میں صبح سارا بندوبست کرلوں گا ۔ ''

'' جیسی تمہاری رائے ۔ ''

گدھ اور کبوتر نے کہا اور دونوں واپس گھونسلے میں آ گئے ۔ وہاں آکر انہوں نے کبوتری اور مادہ گدھ کو ساری بات بتائی اور کہا کہ

''سانپ نے ہمیں مدد کرنے کا یقین دلایا ہے ۔ وہ ضرور اپنی دوستی نبھائے گا ۔ ''

اس کے بعد وہ چاروں کے چاروں درخت پر بیٹھے بیٹھے صبح کا انتظار کرنے لگے ۔

شکاری رات بھر بڑے مزے سے سویا اور جب صبح ہوئی تو وہ خوش خوش آنکھیں ملتا ہوا اٹھا کہ درخت پر چڑھ کر گھونسلے میں سے بچے نکالے اور اپنے گھر کی راہ لے - اس نے اٹھ کر اپنا سامان وغیرہ سمیٹا اور جوں ہی درخت پر چڑھنے کے لئے اس کے پاس گیا ، اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں - وہ حواس باختہ ہوگیا - گھبراہٹ اور خوف میں اسے اپنے تک کا ہوش نہ رہا - اس کے تیر کمان کہیں تھے اور اب وہ اپنی جان بچانے کی فکر کر رہا تھا - اس نے دیکھا ، جس درخت پر چڑھ کر اسے کبوتر کے گھونسلے سے بچے نکالنا تھے اس درخت کے تنے کے اردگرد ایک بہت بڑا سانپ لپٹا ہوا اسے دیکھ دیکھ کر پھنکار رہا تھا - شکاری نے دل میں سوچا -

”جس طرح بھی ہو اپنی جان بچاؤ - بھاڑ میں جائے شکار -،،

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ، اپنا سارا سامان چھوڑ چھاڑ کر الٹے پاؤں ایسا بھاگا کہ پھر پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا -

وہ دن اور آج کا دن اس شکاری کا کہیں پتہ نہیں چل سکا لیکن کبوتر آج بھی سکھ چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں - اور یہ سب کچھ ان کی دوستی کا نتیجہ ہے - یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ دوستی اور امن کے پیغام کے لئے کبوتر ہی استعمال کرتے ہیں -

چغلخور

اگلے وقتوں کی بات ہے ۔ کسی گاؤں میں ایک چغلخور رہتا تھا ۔ دوسروں کی چغلی کھانا اور ایک کی بات دوسرے سے کرنا اس کی عادت تھی اور لاکھ کوشش کے باوجود وہ اپنی عادت کو نہ چھوڑ سکا تھا ۔ اس نے بارہا اس بات کا ارادہ کیا کہ اب کسی سے کسی کی چغلی نہیں کھائے گا ، ایک کی بات دوسرے سے نہیں کہے گا لیکن ہر بار وہ اپنے اس ارادے میں ناکام ہوجاتا ۔ دراصل وہ اپنی عادت سے مجبور تھا اور اسی عادت کی وجہ سے اسے اپنی ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے تھے چنانچہ اب وہ بیکار تھا ۔ اس نے دوسری ملازمت کی بہتیری کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا ۔ کچھ دن تک تو وہ اپنی جمع پونجی پر گذر بسر کرتا رہا لیکن جب تھوڑا تھوڑا کرکے اس کا سارا سرمایہ ختم ہوگیا تو بہت پریشان ہوا ۔ اس نے نوکری اور مزدوری کے لئے سرتوڑ کوشش شروع کردی کہ کہیں فاقوں کی نوبت نہ آجائے ۔ مختلف لوگوں سے کہا ، در در کی خاک چھانی ، ایک ایک کے پاس گیا مگر مصیبت یہ تھی کہ چغلخور ہونے کی وجہ سے اسے کوئی بھی اپنے پاس ملازم رکھنے پر تیار نہ ہوتا تھا ۔ گاؤں کے تمام لوگ اس سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کی چغلی کھانے کی عادت کے بارے میں جانتے تھے اس لئے اسے کوئی بھی منہ نہ لگاتا تھا ۔ آخر جب وہ مسلسل ناکامیوں سے تنگ آگیا اور نوبت واقعی فاقوں تک آپہنچی تو اس نے دل میں سوچا ۔

” اس گاؤں کو چھوڑ دینا چاہیے ۔ کہیں اور چل کر قسمت آزمائی کرنی چاہیے ۔“

چنانچہ اس نے تھوڑا بہت ضروری سامان لیا اور گاؤں

چھوڑ کر سفر پر روانہ ہوگیا تاکہ کسی دوسرے گاؤں یا شہر میں جاکر محنت مزدوری کرے۔

چلتے چلاتے وہ ایک اور گاؤں میں جا پہنچا ۔ یہ گاؤں اس کے لئے نیا تھا اور اسے وہاں کوئی نہیں جانتا تھا اس لئے اسے امید تھی کہ یہاں نوکری مل جائے گی ۔ لہذا وہ ایک جاٹ کے پاس گیا اور اس سے کہا ۔

" مجھے آپ اپنی ملازمت میں رکھ لیں ۔"

جاٹ نے اس سے دریافت کیا ۔

" تم کیا کام کرسکتے ہو ؟ "

چغلخور نے جواب دیا ۔

مجھے کھیتی باڑی کا سارا کام آتا ہے۔ یہ کام میں اچھی طرح کرسکتا ہوں۔ "

اتفاق کی بات یہ کہ وہ جاٹ اکیلا تھا اور کھیتوں کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہ تھا ۔ اسے ایک ملازم کی ضرورت بھی تھی اس لئے اس نے سوچا، چلو اسے ہی ملازم رکھ لیتا ہوں ۔ یہ بھی ضرورت مند ہے اور میرا بھی کام ہلکا ہوجائے گا ۔ یہی سوچ کر اس نے چغلخور سے پوچھا ۔

" اگر میں تمہیں اپنے پاس ملازم رکھ لوں تو تم کیا تنخواہ لوگے ؟ "

اس پر چغلخور نے بڑے اطمینان سے جواب دیا ۔

" کچھ نہیں ! میری کوئی تنخواہ نہیں ہے ۔"

جاٹ کو اس کی بات سن کر بڑا تعجب ہوا کہ کام کرے گا اور تنخواہ نہیں لے گا۔ بھلا یہ کیوں کر ہوسکتا ہے۔ اس نے حیرانی سے کہا۔

" یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ "

جواب میں چغلخور کہنے لگا۔

" آپ مجھے صرف روٹی کپڑا دے دیں اور اس کے ساتھ ایک بات کی اجازت ! بس یہی میری تنخواہ ہے ۔"

جاٹ پوچھنے لگا ۔

"کس بات کی اجازت؟"
چغلخور بولا۔
"آپ مجھے صرف اتنی اجازت دے دیں کہ میں چھ ماہ کے بعد آپ کی صرف ایک چغلی کھالیا کروں۔"
چغلخور کی یہ بات تو اپنی جگہ بڑی عجیب تھی لیکن جاٹ نے اپنے دل میں سوچا۔
"مفت کا نوکر مل رہا ہے۔ خالی روٹی کپڑے میں کیا برا ہے؟"
پھر اس نے اپنے آپ کو آمادہ کرنے کے لئے کہا۔
"چھ ماہ بعد ایک چغلی کھاتا ہے تو کھالے، میرا کیا جاتا ہے؟ یہ کسی سے میری چغلی کھاکر میرا کیا بگاڑ لے گا؟ میرے پاس کون سے راز ہیں جو ظاہر ہو جائیں گے؟"
"مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔"
چنانچہ چغلخور جاٹ کے پاس ملازم ہوگیا۔ وہ کام بھی اسی کا کرتا تھا اور اسی کے گھر میں رہتا بھی تھا۔ روزانہ صبح سویرے جاٹ کے ساتھ کھیتوں میں چلا جاتا۔ بیلوں کے لئے چارہ کاٹتا، ہل چلاتا، گاہی کرتا اور اس طرح کام میں جاٹ کا برابر کا ہاتھ بٹاتا تھا۔
دن گذرتے گئے اور جاٹ کو یہ بات بھی بھول گئی کہ چھ ماہ بعد چغلخور نے ایک چغلی کھانے کی اجازت مانگی تھی اور اس نے چغلی کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ جاٹ اس عرصہ میں یہ تمام باتیں بھول چکا تھا۔
ادھر چغلخور کو جاٹ کے ہاں ملازم ہوئے چھ ماہ بیت چکے تھے اور اب اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی سے جاٹ کی کوئی چغلی کھائے۔ وہ چھ ماہ سے اب تک اپنی اس عادت پر جبر کئے ہوئے تھا مگر اب معاھدے کی مدت ختم ہونے پر اپنے آپ پر قابو پانا اس کے بس میں نہ تھا۔ چنانچہ جب وہ اپنی عادت سے بالکل مجبور ہو گیا تو اس نے سوچا، اب چاہے کچھ ہو میں جاٹ کی چغلی ضرور کھاؤں گا۔ اور اب تو معاھدے کے مطابق میرا حق بھی ہے۔

ایک روز جاٹ حسب معمول اپنے کھیتوں میں گیا ہوا تھا اور گھر میں اس کی بیوی اکیلی تھی - یہ دیکھ کر چغلخور جاٹ کی بیوی کے پاس گیا اور بڑا ہمدرد بنتے ہوئے کہنے لگا -

" اگر تم برا نہ مانو تو میں تم سے ایک بات کہوں - "

جاٹ کی بیوی بولی -

" ضرور کہو! اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے ؟ "

چغلخور اور بھی زیادہ ہمدردی جتاتے ہوئے بولا -

" اس میں تمہارا ہی بھلا ہے - "

یہ سن کر جاٹ کی بیوی کو کچھ شک سا ہوگیا - اس نے دل میں سوچا ، ہو نہ ہو کوئی خاص بات ضرور ہے - یہی خیال کرکے وہ کہنے لگی -

" پھر تو ضرور کہو! وہ کیا بات ہے ؟ "

جواب میں چغلخور بڑے رازدارانہ انداز میں بولا -

" دراصل جاٹ کوڑھی ہوگیا ہے - اس نے اپنی یہ بیماری اب تک تم سے چھپائے رکھی ہے - "

" کوڑھی ہوگیا ہے ؟ "

جاٹ کی بیوی نے چونک کر پوچھا - اسے بڑا تعجب ہوا - یہ بات اس کے لئے جس قدر نئی تھی اس سے کہیں زیادہ حیران کن بھی تھی -

چغلخور نے جب اپنا تیر نشانے پر بیٹھتا دیکھا تو بولا -

" اگر تمہیں یقین نہ آئے تو آزما کے دیکھ لو - "

اب تو جاٹ کی بیوی بھی سوچ میں پڑگئی - اس نے دل میں سوچا ، ہوسکتا ہے ملازم ٹھیک ہی کہہ رہا ہو - بھلا اس کو مجھ سے ایسا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے ؟ لہذا اس نے جلدی سے پوچھا -

" مگر میں کیسے آزماؤں ؟ "

چغلخور جھٹ سے کہنے لگا -

" اس میں کیا مشکل ہے - "

پھر اس نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جو آدمی کوڑھی ہوجائے اس کا جسم نمکین ہوجاتا ہے۔ اگر تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ جاٹ کوڑھی ہے یا نہیں تو جاٹ کے جسم کو زبان سے چاٹ کر دیکھ سکتی ہو۔"

جاٹ کی بیوی کو چغلخور کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے سوچا، اس سے نوکر کے جھوٹ سچ کا بھی پتہ چل جائے گا۔ اس نے کہا۔

"اچھا! کل جب میں جاٹ کا کھانا لیکر کھیتوں میں جاؤں گی تو جاٹ کے جسم کو چاٹ کر ضرور دیکھوں گی۔"

چغلخور جاٹ کی بیوی سے یہ باتیں کرکے سیدھا کھیتوں کی طرف چل دیا جہاں جاٹ پہلے ہی سے کھیتی باڑی کے کاموں میں لگا ہوا تھا۔ دراصل ان دنوں فصل پک چکی تھی جس کی وجہ سے جاٹ دو روز سے اپنے گھر نہیں گیا تھا۔ اسے رات کو بھی کھیتوں ہی میں رہنا پڑتا تھا۔ چغلخور جاٹ کے پاس پہنچا اور اس سے بڑی رازداری سے کہنے لگا۔

"تم ادھر کھیتوں میں کام کرتے پھر رہے ہو اور ادھر تمھاری بیوی پاگل ہوگئی ہے۔"

جاٹ بڑا حیران ہوا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

چغلخور نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ تو پاگل پن میں آدمیوں کو کاٹنے دوڑتی ہے۔"

جاٹ سارا کام کاج چھوڑکر سوچ میں پڑگیا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا، نوکر ٹھیک ہی کہہ رہا ہوگا۔ بھلا اسے اس قسم کا جھوٹ بولنے کی کیا پڑی ہے۔ ہو سکتا ہے میری بیوی واقعی پاگل ہوگئی ہو۔ چغلخور نے جب جاٹ کو اس طرح شش و پنج میں مبتلا دیکھا تو بولا۔

"اگر تمھیں میری بات پر یقین نہیں تو کل جب وہ کھانا لیکر آئے اس وقت دیکھ لینا۔"

اس پر جاٹ کہنے لگا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے - آج رات تو مجھے کھیتوں میں ہی رہنا ہے - کل جب وہ کھانا لیکر آئے گی تو دیکھ لوں گا -"

چغلخور نے جب یہ جان لیا کہ جاٹ اس کی باتوں میں آگیا ہے تو وہاں سے چلا آیا اور جاٹ کے سالوں کے پاس پہنچ گیا - وہاں پہنچ کر اس نے ان سے کہا -

"تم لوگ یہاں مزے کر رہے ہو اور تمہارا بہنوئی تمہاری بہن کو روز مار مار کر ادھ موا کردیتا ہے - وہ اسے اس ظالمانہ طریقے سے مارتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا -"

جاٹ کے سالوں نے چغلخور کی یہ بات سنی تو بہت پریشان ہوئے - لیکن انہوں نے اس سے کہا -

"مگر ہماری بہن نے تو ہمیں یہ کبھی نہیں بتایا -"

اس پر چغلخور بولا -

"وہ بیچاری شرم کے مارے تمہیں کچھ نہیں بتاتی ورنہ اسے تو جاٹ اس بری طرح مارتا پیٹتا ہے کہ وہ ہلکان ہوجاتی ہے - کھیتوں میں سب کے سامنے اس کی بے عزتی کرتا ہے -"

"لیکن ہم تمہاری بات پر کیسے یقین کرلیں ؟"

اس پر چغلخور جھٹ سے بول پڑا -

"اگر تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو کل دوپہر کو جب تمہاری بہن کھانا لیکر کھیتوں میں جائے گی ، اس وقت تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا - دیکھنا ، جاٹ اسے کس طرح مارتا ہے -"

جاٹ کے سالے یہ باتیں سن کر غصے میں تلملانے لگے - بھلا وہ اپنی بہن کی بے عزتی کیسے برداشت کر سکتے تھے - انہوں نے چغلخور سے کہا -

"اچھا! کل ہم کھیت میں چھپ کر یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے -"

چغلخور وہاں سے رخصت ہوکر سیدھا جاٹ کے بھائیوں کے پاس گیا اور ان سے جاکر کہنے لگا -

"بڑے افسوس کی بات ہے ۔ تم لوگ سب ایک ماں کے بیٹے ہو اور پھر بھی اپنے بھائی کی مدد نہیں کرسکتے"

جاٹ کے بھائیوں نے اس سے تعجب سے پوچھا ۔

"کیا ہوا ؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم کس کی مدد نہیں کرتے ؟"

اس پر چغلخور نے روھانسو سا منہ بناکر جواب دیا ۔

"تمہارا بھائی سخت مصیبت میں گرفتار ہے ۔ اس کے سالے ہر چوتھے روز آکر اسے زد و کوب کرتے ھیں ۔ اور ایک تم ہو کہ تمہیں اس کی خبر تک نہیں ۔"

جاٹ کے بھائی یہ سن کر پریشان سے ہوگئے اور کہنے لگے ۔

"مگر ھمارے بھائی نے تو کبھی ھمیں نہیں بتایا ۔"

چغلخور بولا ۔

"وہ تم سے کیا کہے؟ بیچارہ اپنی شرافت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا اور خاموشی سے یہ بے عزتی برداشت کرلیتا ہے ۔"

جواب میں بھائی کہنے لگے ۔

"ھمیں تو تمہاری بات پر یقین نہیں آرہا —— !"

یہ سن کر چغلخور نے کہا ۔

"اگر تم لوگوں کو میری بات کا یقین نہیں تو کل دوپہر کو خود آکر اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ لینا کہ کس طرح جاٹ کے سالے اسے مارتے ھیں ۔"

جاٹ کے بھائی غصے میں تلملانے لگے ۔ انہوں نے کہا ۔

"اچھا ! ہم کل دیکھ لیں گے ۔ دیکھیں گے وہ ھمارے بھائی کو کس طرح ھاتھ لگاتے ھیں ۔ ابھی ھم مرے نہیں ۔"

اس طرح چغلخور سب لوگوں سے یہ باتیں کہہ کر واپس آگیا اور اپنے کام کاج میں لگ گیا ۔ وہ اس طرح اپنے کام میں آکر مصروف ہوگیا کہ کسی کو کانوں کان اس بات کی خبر نہ ہوئی کہ وہ کہاں گیا تھا اور کہاں سے آیا ہے ؟

دوسرے روز دوپہر کو جب جاٹ کی بیوی کھانا لیکر کھیتوں میں آئی تو جاٹ نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا - وہ بڑی احتیاط سے اس کی ہر حرکت کا جائزہ لے رہا تھا کیوں کہ اس کے دل میں خوف تھا کہ کہیں پاگل ہونے کی وجہ سے وہ اسے کاٹ نہ کھائے - اسی لئے وہ اس کے قریب ہونے سے بچ رہا تھا - دوسری طرف جاٹ کی بیوی کی یہ کوشش تھی کہ جاٹ کسی طرح اس کے قریب ہو اور وہ اس کا جسم چاٹ کر یا اسے زبان لگاکر دیکھ سکے کہ نمکین ہے یا نہیں ؟ جوں ہی وہ چھاچھ کا مٹکا اور روٹیوں کی چنگیری زمین پر رکھ کر بیٹھی، جاٹ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا - یہ دیکھ کر اس کی بیوی بھی روٹیوں کی چنگیری آگے بڑھانے کے بہانے سے قدرے آگے سرک آئی - اور پھر جوں ہی جاٹ نے روٹی پکڑنے کے لئے ھاتھ آگے بڑھایا ، اس نے جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑلی اور اسے چاٹنے کے لئے منہ آگے بڑھایا مگر جاٹ اچھل کر دور ہٹ گیا - اب تو اسے پکا یقین ہوگیا تھا کہ

" واقعی اس کی بیوی پاگل ہوگئی ہے اور کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے - "

جاٹ کو نوکر کی کہی ہوئی بات سچ معلوم ہورہی تھی - ادھر اس کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ جاٹ اسے جسم چاٹ کر دیکھنے نہیں دے رہا تو اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ

" واقعی جاٹ کوڑھی ہوگیا ہے - نوکر ٹھیک کہہ رہا تھا - "

اس نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر جاٹ کی کلائی پکڑنے کی کوشش کی - یہ دیکھ کر جاٹ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، پاؤں سے جوتا اتار کر وہیں بیوی کی ٹھکائی شروع کردی - جوں ہی اس نے بیوی پر جوتے برسانا شروع کئے قریب ہی کھیت میں چھپے ہوئے جاٹ کے سالے باہر نکل آئے -

" واقعی نوکر ٹھیک کہہ رہا تھا - "

ان کے سامنے ان کی بہن کی پٹائی ہورہی تھی - بھلا پھر وہ کیوں نہ یقین کرتے - وہ سارے کے سارے للکارتے ہوئے

آگے بڑھے اور جاٹ پر ٹوٹ پڑے ۔

"آج دیکھتے ہیں ، تم ہماری بہن کو کس طرح مارتے ہو؟"

ان کا آگے بڑھنا تھا کہ دوسرے کھیت میں چھپے ہوئے جاٹ کے بھائیوں نے دیکھا ۔

"واقعی نوکر نے ہمیں صحیح اطلاع دی تھی ۔"

انہوں نے جواب میں جاٹ کے سالوں کو للکارا ۔

"آج دیکھتے ہیں ، تم ہمارے بھائی کو کس طرح مارتے ہو؟"

اور اس کے بعد وہ سب ایک دوسرے پر پل پڑے ۔ وہ سر پھٹول ہوئی ، وہ لاٹھیاں چلیں کہ سب خون میں نہا گئے ۔ آخر ارد گرد کے کھیتوں میں کام کرنے والے دوسرے لوگ بھاگ کر آئے اور انہوں نے بیچ بچاؤ کراکے انہیں ایک دوسرے سے الگ کیا ۔ پھر جب ان سب کا غصہ قدرے کم ہوا تو ان سے لوگوں نے پوچھا ۔

"تم لوگ اس طرح کیوں لڑ رہے تھے ؟"

اس پر سب نے اپنی اپنی بات بتائی کہ یوں نوکر ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے یہ یہ بتایا تھا ۔ اس طرح جب سب اپنی بات بتا چکے تو پتہ چلا کہ

"یہ سب کچھ چغلخور کا کیا دھرا ہے ۔"

وہ سارے کے سارے مل کر چغلخور کی تلاش میں چلے لیکن اس وقت تک چغلخور وہ گاؤں چھوڑ کر کہیں اور جاچکا تھا ۔

کہتے ہیں وہ دن اور آج کا دن چغلخور کا کہیں پتہ نہ چل سکا ۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی کوئی چغلخور یہ نہیں مانتا کہ

"وہ چغلخور ہے ۔"

دراصل اسے اس بات کا ڈر ہے ، اگر اس نے یہ بات تسلیم کرلی کہ وہ چغلخور ہے تو جاٹ ، اس کے سالے اور اس کے بھائی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے ۔ اسی لئے ہر چغلخور ، چغلخور کہنے پر ناراض ہوجاتا ہے ۔

دو دوست

گئے وقتوں کی بات ہے۔ اتفاق سے ایک تیتر اور ایک گیدڑ کی آپس میں دوستی ہوگئی - تیتر ہوشیار اور سمجھدار ہونے کے ساتھ ساتھ خوش باش اور صاف دل بھی تھا لیکن اس کے برعکس گیدڑ اس سے مختلف طبیعت کا مالک تھا۔ ایک تو وہ چڑ چڑے مزاج کا تھا ، دوسرے اسے کینہ پروری کی بھی عادت تھی - وہ وقت بے وقت شیخیاں بگھارتا رہتا تھا لیکن تیتر اس کی یہ تمام باتیں ہنس کر ٹال جاتا - اس طرح جوں توں کرکے دونوں کی دوستی نبھتی رہی -

ایک روز گیدڑ حسب معمول شیخی بگھارتے ہوئے تیتر سے کہنے لگا -

" تم محض میری وجہ سے اب تک بچے ہوئے ہو۔ اگر میں تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو اب تک جنگل کا کوئی نہ کوئی جانور تمہیں اپنی خوراک بنا چکا ہوتا - "

تیتر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا - یہ دیکھ کر گیدڑ نے اپنے دل میں سمجھا -

" اس پر میرا رعب جم گیا ہے - "

اس لئے پھر بولا -

" تم تو میری وجہ سے زندہ ہو مگر تمہاری دوستی کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہے - "

اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس نے تیتر پر احسانات جتاتے ہوئے کہا -

" دوستی ہمیشہ ایسے سے کرنی چاہیے جو کسی وقت ہنسا بھی سکے اور رلا بھی سکے - کبھی کبھار کھانے پینے کا بندوبست بھی کرسکے - اور اگر کبھی دوست پر کوئی مصیبت آپڑے تو اس کے کام بھی آئے - اس کی جان بچاسکے - "

یہ سب کچھ کہہ چکنے کے بعد گیدڑ نے تیتر کو طعنہ دیتے ہوئے کہا ۔

"مگر ان چاروں خوبیوں میں سے تم میں ایک بات بھی نہیں ہے ۔ اس لئے تم دوستی کے معیار پر پورے نہیں اترتے ۔"

گیدڑ اسی طرح ڈینگیں مار رہا تھا اور تیتر خاموش بیٹھا اس کی باتیں سن رہا تھا ۔ جب گیدڑ اپنی بات ختم کرچکا تو تیتر بڑے اطمینان سے کہنے لگا ۔

"اگر تمہارے نزدیک دوست کو آزمانے کا یہی معیار ہے تو میں تمہیں اس پر پورا اتر کر دکھاؤں گا ۔ تم جب چاہو مجھے آزما سکتے ہو ۔"

تیتر کا یہ کہنا گیدڑ کے نزدیک چھوٹا منہ اور بڑی بات سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا ۔ اس نے دل میں خیال کیا ، ذرا سا تو جانور ہے اور دعوے کیا کیا کر رہا ہے ۔ وہ قدرے ترشی سے بولا ۔

"اگر آزمانے کی بات ہے تو تم ہار جاؤ گے ۔"

تیتر نے انتہائی سکون سے جواب دیا ۔

"ہار جاؤں تو پھر کہنا ؟"

اب تو گیدڑ کو واقعی بڑا غصہ آیا ۔ وہ ذرا تیز لہجے میں بولا ۔

"اگر یہی بات ہے تو آج مجھے ہنسا کر دکھاؤ ۔ میں تمہیں مان جاؤں گا ۔"

تیتر کہنے لگا ۔

"یہ کون سی مشکل بات ہے ۔ میں تمہیں اس قدر ہنساؤں گا کہ تم لوٹ پوٹ ہوجاؤ گے ۔"

اس کے بعد اس نے گیدڑ سے کہا ۔

"آؤ! ذرا دریا کے اس پار گھوم آئیں ۔"

گیدڑ بولا ۔

"چلو !"

وہ دونوں دریا کی طرف چل دیئے ۔ تیتر اڑ کر دریا کی

دوسری طرف پہنچ گیا اور گیدڑ تیر کر دوسرے کنارے پر چلا گیا - پھر دونوں وہاں ادھر ادھر گھومنے لگے - اتنے میں انہوں نے دیکھا تو دریا کے کنارے کنارے دو مسافر جارہے تھے - وہ دونوں آگے پیچھے اس طرح چل رہے تھے کہ ان کے درمیان دس بیس قدم کا فاصلہ تھا - آگے آگے چلنے والے مسافر نے لاٹھی کے ایک سرے پر ایک چھوٹی سی گٹھری باندھ رکھی تھی اور دوسرا سرا ھاتھ میں پکڑ کر اسے اس طرح کندھے پر رکھا ہوا تھا کہ ساری لاٹھی اس کی پشت کی طرف تھی جس پر چھوٹی سی گٹھری لٹک رہی تھی - دوسرے مسافر کے پاس مختصر سا سامان تھا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا -

تیتر ان دونوں مسافروں کو دیکھ کر کچھ سوچ میں پڑگیا اور پھر گیدڑ سے کہنے لگا -

" لو بھئی گیدڑ یار ! اب ھنسنے کے لئے تیار ہوجاؤ - "

گیدڑ نے سوچا -

" بھلا یہاں ھنسنے کا کونسا موقع ھے ؟ "

اس نے تیتر سے کہا -

" کوئی ھنسنے کی بات بھی ھو یا ایسے ھی ھنسوں ! "

تیتر نے جواب دیا -

" ابھی بات بھی ہوجاتی ھے - بس تم دیکھتے جاؤ - "

اتنا کہہ کر تیتر آھستہ سے اڑا اور آگے آگے جانے والے مسافر کی پشت کی طرف اٹھی ہوئی لاٹھی پر دھیرے سے اس طرح بیٹھ گیا کہ اسے احساس تک نہ ھو سکا - ادھر جوں ھی دس بیس قدم پیچھے پیچھے آنے والے مسافر نے دیکھا کہ آگے چلنے والے کی لاٹھی پر تیتر بیٹھا ھے تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا - اس نے دل میں سوچا -

" کیسا موٹا تازہ تیتر ھے - ایک وقت کا سالن تو بن ھی سکتا ھے - "

جلدی میں اسے اور کچھ نہ مل سکا تو اس نے اپنے پاؤں سے ایک جوتا اتار کر اس پر نشانہ دے مارا لیکن

جوتا لگنے سے پیشتر ہی تیتر پُھر کرکے اڑچکا تھا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا جوتا اگلے مسافر کے سر پر جالگا ۔ اس نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو اسے اپنے ساتھی پر بڑا تاؤ آیا ۔ اس نے غصے میں کہا ۔

"تمہیں شرم نہیں آتی اس طرح جوتا مارتے ہوئے ۔"

اس کے ساتھی نے ابھی کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ وہ لپک کر اس کی طرف بڑھا اور گرم ہوتے ہوئے بولا ۔

"میں تمہیں شریف آدمی سمجھتا تھا اور تم ہو کہ مجھے اس طرح پیچھے سے جوتے مار رہے ہو ۔"

اس کے ساتھی نے اسے بہتیرا سمجھایا ۔

"نہیں بھائی ! میں نے جوتا تمہیں نہیں مارا ۔"

مگر وہ اس کی اس بات پر اور بھی تاؤ میں آگیا اور اسے گریبان سے پکڑتے ہوئے کہنے لگا ۔

"اگر تم نے مجھے نہیں مارا تو پھر یہاں تیسرا شخص کون ہے ؟"

اس نے پھر سمجھانے کی کوشش کی ۔

"در اصل میں نے جوتا تیتر کو مارا تھا ۔ مگر تیتر اڑ گیا اور جوتا تمہیں جالگا ۔"

لیکن وہ نہ مانا ۔ اس نے کہا ۔

"ایک تو جوتا مارا اور اوپر سے مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو ۔"

غرض پہلے تو وہ دونوں یوں ہی باتوں باتوں میں جھگڑتے رہے ، اس کے بعد نوبت ہاتھا پائی تک آگئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے ۔ کبھی ایک کا پلہ بھاری ہوجاتا اور کبھی دوسرے کا ۔ ایک دو ہاتھ لگاتا تو دوسرا چار جڑ دیتا ۔ اس طرح ان دونوں کی کشتی ہونے لگی ۔

دوسری طرف جھاڑیوں کی اوٹ میں سے گیدڑ یہ نظارہ دیکھ کر ہنستے ہنستے پاگل ہوا جارہا تھا ۔ وہ اس قدر

ہنسا کہ پیٹ میں بل پڑگئے ۔ تیتر نے اسے یوں بے تحاشا ہنستے ہوئے دیکھا تو بولا ۔

"کیوں بھئی گیدڑ یار ! اب تو خوش ہو نا ؟"

مگر گیدڑ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا ۔ وہ کہنے لگا ۔

"کسی کو ہنسا دینا کوئی کمال نہیں ہے ۔"

اتنا کہہ کر وہ تیتر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ۔

"میں تو تمہیں اس وقت مانوں جب تم مجھے دھاڑیں مار مار کر رلادو ۔"

تیتر نے جواب دیا ۔

"ذرا صبر کرو ۔ یہ بھی ہوجائے گا ۔"

تھوڑی دیر تک اسی طرح باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں دریا کے کنارے پر گھومتے رہے ۔ اتنے میں وہاں سے ایک شکاری کا گذر ہوا ۔ اس شکاری کے ساتھ پانچ نہایت تیز رفتار کتے بھی تھے ۔ تیتر نے یہ دیکھا تو اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی ۔ اس نے گیدڑ سے کہا ۔

"لو بھئی گیدڑ یار! اب رونے کے لئے تیار ہوجاؤ ۔"

اس پر گیدڑ اپنی عادت کے مطابق شیخی بگھارتے ہوئے بولا ۔

"میں بزدل تھوڑی ہوں جو رونے لگوں گا ؟"

تیتر نے جواب دیا ۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے ۔"

اس کے بعد وہ گیدڑ سے کہنے لگا ۔

"تم اس سامنے والے درخت کی کھوہ میں بیٹھ جاؤ اور پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں ؟"

جس درخت کی طرف تیتر نے اشارہ کیا تھا اس کے پاس چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں ۔ چنانچہ گیدڑ تو تیتر کے کہنے کے مطابق درخت کی کھو میں چھپ کے بیٹھ گیا اور تیتر جھاڑیوں میں گھس کو زور زور سے اپنے پر

پھڑ پھڑانے لگا - جب قریب سے گذرتے ہوئے شکاری کتوں نے جھاڑیوں میں کسی پرندے کے پھڑ پھڑانے کی آواز سنی تو وہ لپکے - جونہی وہ اس جھاڑی کے پاس گئے جس میں تیتر چھپا ہوا تھا ، تیتر جلدی سے باہر نکل آیا اور چھوٹی سی اڑان لگاکر ذرا دور جا بیٹھا - کتے اس کے پیچھے بھاگے تو وہ درخت کی اس کھوہ کے قریب پہنچ گیا جس میں گیدڑ دبکا بیٹھا تھا - اتفاق کی بات کہ ایک کتے نے گیدڑ کو چھپے ہوئے دیکھ لیا اور اس پر لگا بھونکنے - اس کے بھونکنے کی دیر تھی کہ دوسرے کتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا - اور پھر وہ سب آن کی آن میں گیدڑ پر ٹوٹ پڑے - کتوں نے اسے گھسیٹ کر کھوہ سے باہر نکالا اور پنجے مار مار کر اور اپنے تیز دانتوں سے کاٹ کاٹ کر اسے تقریباً ادھ موا کرکے چلتے بنے - پیچھے گیدڑ کراہتا رہ گیا - کتوں کے جانے کے بعد تیتر گیدڑ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا -

" کیوں بھئی گیدڑ یار! اب تو خوش ہو نا ؟ دیکھو تمہیں رلا بھی دیا ؟ "

گیدڑ درد و کرب سے کراہتے ہوئے بولا -

" میں مرا جارہا ہوں اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے - "

تیتر ہنس کر کہنے لگا -

" تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ میں تمہیں رلا دوں - اب اور کیا چاہتے ہو ؟ "

گیدڑ اس کا کیا جواب دے سکتا تھا ؟ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاکر چپکا ہورہا - وہ زخموں سے چور تھا اس لئے کچھ دیر تک دھوپ میں لیٹا رہا تو اسے قدرے سکون ملا - اس نے اپنے زخموں پر مٹی ملی اور ذرا چلنے پھرنے کے قابل ہوا - پھر تیتر سے بولا -

" چلو! اب یہاں سے تو چلو - "

اور وہ دونوں ہولے ہولے وہاں سے چل دیئے - لیکن ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ گیدڑ اپنے دل میں سوچنے لگا -

"دو باتیں تو واقعی تیتر نے کر دکھائیں۔ اب اسے کوئی مشکل کام بتانا چاہئیے۔"

اس وقت ویسے بھی وہ تیتر سے جلا بیٹھا تھا لہذا اس سے کہنے لگا۔

"یار تیتر! اگر تم ایک کام کردو تو پھر تمہیں مانوں؟"

تیتر نے پوچھا۔

"کہو! کیا کام ہے؟"

گیدڑ نے جواب میں اس پر طنز کرتے ہوئے کہا۔

"مگر تم ایک معمولی سے پرندے ہو تم یہ کام نہیں کر سکو گے۔"

تیتر بولا۔

"پہلے کام تو بتاؤ کیا ہے؟ ہوسکتا ہے میں کرہی دوں؟"

یہ سن کر گیدڑ نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ مجھے اس وقت بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ اگر تم کہیں سے کچھ کھانے کا انتظام کرو تو پھر مانوں تمہاری دوستی؟"

اتنا کہنے کے بعد وہ قدرے حقارت سے بولا۔

"دوست تو وہی ہوتا ہے جو وقت پڑنے پر ساتھی کی بھوک بھی مٹاسکے۔"

تیتر اس کی اس بات سے سمجھ گیا کہ گیدڑ اسے آزما رہا ہے اس لئے اس نے جواب دیا۔

"دیکھو! ابھی اللہ کوئی سبب بناتا ہے۔"

وہ دونوں چلتے رہے اور تیتر ادھر ادھر نظریں دوڑاتا رہا مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ گیدڑ کے لئے کھانے کا انتظام کہاں سے کرے؟ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے یہ بھی احساس تھا کہ اگر وہ کھانا مہیا نہ کرسکا تو گیدڑ اسے بڑا ذلیل کرے گا۔ وہ یہی

کچھ سوچتا ہوا گیدڑ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

خدا کا کرنا دیکھئے کہ عین اس وقت انہیں دور ایک عورت آتی دکھائی دی جس نے اپنے سر پر کھانا اٹھا رکھا تھا۔ وہ اس وقت کھیتوں میں اپنے شوہر کو کھانا کھلانے جارہی تھی۔ تیتر نے اسے دیکھا تو گیدڑ سے کہنے لگا۔

"لو بھئی گیدڑ یار! اللہ نے تمہارے کھانے کا انتظام کردیا ہے۔ بس اب تیار ہوجاؤ کھانے کے لئے۔"

گیدڑ نے جلدی سے پوچھا۔

"مگر کھانا کہاں ہے؟"

تیتر نے بڑی آہستگی سے جواب دیا۔

"ابھی آجاتا ہے۔ صرف چند منٹ رک جاؤ۔"

اس کے بعد وہ گیدڑ کو تاکید کرنے کے انداز میں بولا۔

"بس جلدی سے کھالینا۔ اس میں دیر نہ کرنا۔"

وہ دونوں راستے سے ہٹ کر ایک طرف درخت کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ جوں ہی کھانا لانے والی ان کے قریب پہنچی، تیتر نے جلدی سے ایک چھوٹی سی اڑان لگائی اور اس عورت کے سامنے آگرا۔ پھر وہ اپنے پر اس طرح پھڑ پھڑانے لگا جیسے زخمی ہونے کی وجہ سے اڑ نہ سکتا ہو۔ اس عورت نے جب یہ دیکھا کہ اس کے سامنے ایک زخمی تیتر پھڑ پھڑا رہا ہے تو اس نے دل میں سوچا۔

"تیتر پکڑلوں تو شام کی ہنڈیا ہوسکتی ہے۔"

اتنا سوچنے کے ساتھ ہی اس نے سر پر اٹھایا ہوا کھانا اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور تیتر پکڑنے کے لئے اس کی طرف لپکی۔ جب وہ تیتر کے قریب پہنچی تو تیتر تڑپتا تڑپتا تھوڑی دور ہٹ گیا۔ یہ دیکھ کر وہ عورت بھی آگے بڑھی لیکن تیتر اسی طرح پر پھڑ پھڑاتا ہوا اور آگے چلا گیا۔ اب عالم یہ تھا کہ جوں جوں عورت تیتر کے قریب ہوتی، توں توں تیتر پیچھے ہٹتا چلا جاتا۔ ادھر عورت کو یہ آس کہ

" ابھی پکڑا جاتا ہے - ابھی پکڑا جاتا ہے۔ "

اور ادھر تیتر کی یہ کوشش کہ

" عورت کو اور دور لے جاؤں تاکہ گیدڑ اس کا کھانا کھا سکے - "

اسی طرح عورت آگے بڑھتی رہی اور تیتر پیچھے ہٹتا چلا گیا - یہاں تک کہ عورت اس جگہ سے کافی دور آگئی جہاں اس کا کھانا رکھا ہوا تھا - یہ دیکھ کر گیدڑ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور ڈکاریں لیتا ہوا چلتا بنا - تیتر نے جب دیکھا کہ گیدڑ کھانا کھا چکا ہے تو وہ بھی ایک لمبی اڑان لگا کر گیدڑ سے آملا - اور بیچاری عورت ھاتھ ملتی رہ گئی -

تیتر گیدڑ سے پوچھنے لگا -

" کیوں بھئی گیدڑ یار ! اب تو خوش ہو نا ؟ "

مگر گیدڑ نے تو خوش نہ ہونے کی قسم کھا رکھی تھی - وہ ابھی تک پہلے کی طرح منہ پھلائے ہوئے تھا - یہ دیکھ کر تیتر بولا -

" کیا تم اب بھی خوش نہیں ہو ؟ "

جواب میں گیدڑ کہنے لگا -

" یہ ٹھیک ہے کہ تم مجھے ہنسا بھی سکتے ہو اور رلا بھی سکتے ہو - یہ بھی مانا کہ کھانا بھی کھلا سکتے ہو لیکن اگر کبھی مجھ پر کوئی بپتا آپڑی تو مجھے یقین ہے تم مجھے بچا نہ سکوگے - "

اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس نے تیتر کی طرف دیکھا اور طنزیہ لہجہ میں بولا -

" دوست وہ ہوتا ہے جو مصیبت کے وقت اپنے ساتھی کی جان بچا سکے - "

اس پر تیتر قدرے مایوس اور اداس ہوکر کہنے لگا -

" شاید یہ کام میں نہ کر سکوں کیوں کہ میں ایک چھوٹا سا پرندہ ہوں - اگر تم پر کبھی کسی بڑے درندے نے حملہ کردیا تو میں کیا کرسکوں گا ؟ "

پھر اس نے گیدڑ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔
"فکر نہ کرو۔ میری نیت نیک ہے اور تم میرے دوست ہو اس لئے اگر کبھی ایسا وقت آپڑا تو میں تمہیں بچانے کی کوشش کروں گا۔"
جب وہ دونوں یہ باتیں کر رہے تھے تو اس وقت سائے ڈھل چکے تھے اور شام قریب آرہی تھی۔ یہی دیکھتے ہوئے تیتر نے گیدڑ سے کہا۔
"شام قریب آتی جارہی ہے۔ اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"
پھر وہ بولا۔
"یہیں سے دریا پار کرلیتے ہیں۔"
مگر جواب میں گیدڑ بڑی مایوسی سے کہنے لگا۔
"میں یہاں سے دریا کیسے پار کرسکتا ہوں؟ ایک تو یہاں پانی بہت گہرا ہے اور دوسرے میں زخموں سے نڈھال ہورہا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ دریا ہی میں رہ جاؤں؟"
تیتر نے گیدڑ کی ہمت بندھائی اور کہا۔
"تم گھبراؤ نہیں! یہاں میرا ایک مگرمچھ دوست رہتا ہے، میں اس سے مدد کی درخواست کرتا ہوں۔"
اس کے بعد وہ دریا کے کنارے اپنے دوست مگرمچھ کے پاس گیا اور اس سے درخواست کرکے کہنے لگا۔
"یار مگرمچھ! آج میرا دوست گیدڑ زخمی ہوگیا ہے۔ تم ہماری مدد کرو اور ہمیں دریا پار کرادو۔"
مگرمچھ کچھ سوچ میں پڑگیا تو تیتر نے اسے سمجھایا۔
"ہم دونوں تمہاری پیٹھ پر بیٹھ جاتے ہیں اور تم تیر کر ہمیں دوسرے کنارے پر پہنچادو۔ ہم تمہارے ممنون ہوں گے۔"
مگرمچھ تیتر کی بات مان گیا اور کہنے لگا۔
"ہاں، ہاں! آؤ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"
دراصل اس وقت مگرمچھ دو دن کا بھوکا تھا۔ اسے دو دن سے کچھ کھانے کو ہاتھ نہیں لگا تھا اس لئے انہیں

دیکھ کر اس کی نیت خراب ہوگئی کہ چلو کچھ کھانے کو تو ملا ۔ اس نے خوشی خوشی گیدڑ اور تیتر کو اپنی پیٹھ پر بٹھالیا اور دوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگا۔ لیکن دریا میں تھوڑی دور ہی جاکر مگرمچھ نے پانی کے اوپر ہی اوپر چھوٹا سا غوطہ مارا ۔ تیتر فوراً تاڑ گیا کہ آج مگر مچھ کی نیت ٹھیک نہیں ہے اور وہ ہمیں کھانے کا منصوبہ بنارہا ہے ۔ اس نے ہولے سے گیدڑ کے کان میں کہا ۔

" یار گیدڑ! مجھے تو مگرمچھ کی نیت خراب معلوم ہوتی ہے ۔"

" پھر کیا کریں ؟ "

گیدڑ نے فکرمند ہوتے ہوئے پوچھا ۔

" پھر کیا؟ اگر اس کا داؤ چل گیا تو ہم دونوں کو کھا جائے گا ۔ "

تیتر کی اس بات پر گیدڑ گھبرا کر بولا ۔

" اس کا مطلب ہے کہ ہم دونوں خطرے میں ہیں ۔ "

جواب میں تیتر کہنے لگا ۔

" مجھے تو کوئی خطرہ نہیں ۔ میرا کیا ہے ؟ میں تو اڑ کر اپنی جان بچالوں گا مگر تمہارا کیا ہوگا ؟ "

اب تو گیدڑ بہت پریشان ہوا ۔ برا پھنسا تھا ۔ اس نے تیتر کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا ۔

" بھائی تیترا! جو ہوا سو ہوا ۔ اس کی میں تم سے معافی مانگتا ہوں لیکن خدا کے لئے آج اس مصیبت سے میری جان بچاؤ ۔ ؟ "

اس نے گڑگڑا کر تیتر کے آگے ہاتھ جوڑے اور آنسو بہاتے ہوئے بولا ۔

" آج میری مدد کرو ۔ میں زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گا ۔ "

ادھر مگرمچھ نے تھوڑی دور تک اور تیرنے کے بعد پھر ایک چھوٹا سا غوطہ لگایا جس سے گیدڑ اور تیتر اس کی

پیٹھ پر سے گرتے گرتے بچے۔ یہ دیکھ کر تیتر، مگرمچھ سے کہنے لگا ۔

"یار مگرمچھ! یہ کیا کر رہے ہو؟ ہم ڈوب جائیں گے ۔"

جواب میں مگرمچھ نے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔ وہ بولا ۔

"دراصل بات یہ ہے کہ میں دو روز کا بھوکا ہوں ۔ اور اب تم دونوں کو کھانا چاہتا ہوں ۔"

اتنی بات سنتے ہی گیدڑ تو خوف کے مارے کانپنے لگا لیکن تیتر نے اپنے ہوش و حواس ٹھکانے رکھے ۔ وہ دل ہی دل میں جان بچانے کے جتن کرنے لگا ۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی ۔ وہ مگرمچھ سے کہنے لگا ۔

"یار مگرمچھ! میرا تو تم کچھ بگاڑ نہیں سکتے ۔ میں تو ایک اڑان لگاؤں گا اور کہیں سے کہیں پہنچ جاؤں گا ۔ باقی رہ گیا میرا یار گیدڑ۔ تو یہ اتنا بیوقوف نہیں ہے کہ ہر وقت اپنی جان ساتھ لئے پھرے ۔"

مگرمچھ نے حیرانی سے پوچھا ۔

"تو پھر اس کی جان کہاں ہے؟"

تیتر نے جب دیکھا کہ اس کی ترکیب کارگر ثابت ہو رہی ہے اور مگرمچھ بیوقوف بن رہا ہے تو اس نے اسے مزید بیوقوف بناتے ہوئے کہا ۔

"یہ اپنی جان ہمیشہ اپنے بھٹ میں رکھ کر آتا ہے تاکہ کوئی خطرہ نہ رہے ۔"

"کیا واقعی تم سچ کہہ رہے ہو؟"

مگرمچھ نے اور بھی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے دریافت کیا جس پر تیتر کہنے لگا ۔

"اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو خود گیدڑ سے پوچھ لو ۔"

مگرمچھ گیدڑ سے پوچھنے لگا ۔

"کیوں بھئی گیدڑ! کیا تیتر ٹھیک کہہ رہا ہے؟"

اس عرصہ میں گیدڑ بھی ذرا ہوشیار ہوچکا تھا اور جان گیا تھا کہ تیتر جان بچانے کے لئے مگرمچھ کو بیوقوف بنا رہا ہے۔ اس لئے جب مگرمچھ نے اس سے دریافت کیا تو وہ بھی کہنے لگا۔

" ہاں۔ کہہ تو ٹھیک رہا ہے۔ میں تو ہمیشہ اپنی جان بھٹ میں رکھ کر باہر نکلتا ہوں۔ یہ میں جو کچھ تمہیں کھائی دے رہا ہوں یہ تو خالی خول ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں!"

ان دونوں کی باتیں سن کر مگرمچھ نے دل میں سوچا، جب اس میں جان ہی نہیں تو اس کو کھانا بیکار ہے۔ رہ گیا تیتر تو وہ میرے ہاتھ نہیں آسکتا۔ لہذا وہ خاموشی سے ان دونوں کو دریا کے دوسرے کنارے پر لے گیا۔ جب وہ دونوں دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تو تیتر گیدڑ سے پوچھنے لگا۔

" کیوں بھئی یار گیدڑ! اب تو خوش ہونا؟"

اتنا کہنے کے بعد وہ بولا۔

" دیکھو! تمہارے کہنے کے مطابق میں نے تمہیں ہنسایا بھی، رلایا بھی، کھانا بھی کھلایا اور پھر تمہاری جان بھی بچا دی۔ کیا اب بھی میں دوستی کے قابل نہیں ہوں۔"

جواب میں گیدڑ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

" یہ ٹھیک ہے کہ تم نے مجھے ہنسایا بھی، رلایا بھی، کھانا بھی کھلایا اور پھر میری جان بھی بچائی۔ مگر تم بہت چالاک ہو اور اس قدر چالاک اور ہوشیار سے دوستی نہیں ہوسکتی۔ تم کبھی بھی مجھے دھوکہ دے سکتے ہو اس لئے آج سے میری تمہاری دوستی ختم!"

اور اتنا کہہ کر گیدڑ ایک طرف کو بھاگ گیا۔

کہتے ہیں گیدڑ اور تیتر کی دوستی کے اس واقعہ کے بعد کبھی کسی نے ان دونوں کو ایک ساتھ نہیں دیکھا۔

سایا ناگن

کہا جاتا ہے کہ کسی شہر میں تین چور رہتے تھے۔ وہ تینوں آپس میں گہرے دوست تھے اس لئے رہتے بھی اکٹھے تھے اور چوری چکاری کے لئے بھی ایک ساتھ ہی جاتے تھے۔ انہیں جب کہیں ڈاکہ ڈالنا ہوتا تو تینوں مل کر جاتے اور جو کچھ ہاتھ لگتا اسے آپس میں برابر برابر تقسیم کرلیتے۔ اس طرح ایک عرصے سے ان کی دوستی نبھ رہی تھی۔

اتفاق ایسا ہوا۔ ایک بار کئی روز گذرگئے اور ان کا کہیں داؤ نہ چل سکا۔ تینوں نے مل کر بہت کوشش کی، اپنے اپنے طور پر بھی جتن کئے لیکن ان سب باتوں کے باوجود انہیں کہیں سے کچھ نہ مل سکا۔ وہ تینوں سخت پریشان تھے چنانچہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"اگر یہی حال رہا تو ایک دن ہم بھوکوں مر جائیں گے۔"

ایک ساتھی نے رائے دی۔

"میری مانو تو کسی دوسرے شہر میں چل کر قسمت آزمائی کریں۔ اس شہر میں تو شاید ہمیں اب موقع نہ ملے۔"

تجویز معقول تھی۔ دوسرے دونوں ساتھیوں کو بھی پسند آئی۔ وہ بولے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ آج کسی دوسرے شہر کا رخ کرتے ہیں۔"

اس کے بعد تینوں نے طے کیا کہ

"آج چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہوجائے، کہیں نہ کہیں ضرور ڈاکہ ڈالیں گے۔"

یہ طے کرکے وہ تینوں اپنے شہر سے نکل کر چل دیئے تاکہ شام ہونے سے پہلے کسی دوسرے شہر میں پہنچ جائیں ۔

تینوں چور کسی دوسرے شہر کی تلاش میں چلتے گئے اور چلتے چلاتے ایک جنگل میں پہنچ گئے ۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ سفر کے دوران بھی انہیں کوئی ایسا موقع نہ مل سکا کہ وہ کچھ حاصل کرسکتے ۔ جب وہ جنگل میں سے گذر رہے تھے تو انہوں نے ایک جگہ دیکھا تو دور ایک کٹیا نظر آئی جس میں سے دھواں اٹھ رہا تھا ۔ انہوں نے اندازہ کیا کہ یقیناً اس میں کوئی شخص رہتا ہے اسی لئے آگ جلنے کے آثار دکھائی دے رہے ہیں ۔ وہ تینوں پیدل چلتے چلتے تھک تو چکے ہی تھے اور بھوک پیاس بھی لگ رہی تھی اس لئے آپس میں کہنے لگے ۔

” چلو! اس کٹیا میں تھوڑی دیر سستا ہی لیں ۔ “

یہ سوچ کر تینوں کٹیا کی طرف بڑھے ۔ وہاں پہنچ کر دیکھا تو ایک سادھو آسن جمائے بیٹھا تھا ۔ یہ دیکھ کر چوروں میں سے ایک کہنے لگا ۔

” سنا ہے سادھوؤں سے ان امیروں کا پتہ چل جاتا ہے جن کے پاس بہت دولت ہوتی ہے ۔ “

دوسرا بولا ۔

” ان کے پاس تو بڑے بڑے راز ہوتے ہیں ۔ “

اس پر تیسرے نے کہا ۔

” اگر یہ بات ہے تو چلو اس سے معلوم کرتے ہیں کسی امیر کا پتہ ۔ ہوسکتا ہے یہی وسیلہ بن جائے اور ہمارے ہاتھ کچھ لگ جائے ۔ “

اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے وہ تینوں سادھو کے پاس پہنچ گئے ۔ ادھر سادھو نے جب انہیں دیکھا تو سمجھا شاید کوئی اللہ والے لوگ ہیں جو عقیدت میں میرے پاس آئے ہیں ۔ ہوسکتا ہے اپنی قسمت کا حال ہی پوچھنے آئے ہوں ۔ اگر یہ بات ہوئی تو کچھ نہ کچھ دے کر ہی

جائیں گے - یہی سوچ کر سادھو دل ہی دل میں خوش ہونے لگا -

تینوں چوروں نے قریب پہنچ کر بڑے ادب سے سادھو کو جھک کر سلام کیا - جواب میں سادھو انہیں دعائیں دیتے ہوئے بولا -

" خوش رہو بچو! خوش رہو ! "

پھر وہ انہیں دیکھ کر کہنے لگا -

" تم لوگ کھڑے کیوں ہو ؟ بیٹھ جاؤ! یہ سادھوؤں کی کٹیا ہے - اس کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہیں - "

تینوں چور بیٹھ گئے لیکن ساتھ ہی ساتھ کنکھیوں سے کٹیا اور سادھو کا جائزہ بھی لیتے رہے -

سادھو نے ان سے پوچھا -

" کہو بچو! تم پر کیا مصیبت ہے ؟

اس کا خیال تھا کہ یقیناً یہ لوگ کسی نہ کسی مشکل میں گرفتار ہیں جو اس جنگل میں چل کر اس کے پاس آئے ہیں - اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس وقت وہ تینوں مصیبت میں گرفتار تھے مگر یہ مصیبت ایسی تھی جسے دور کرنا سادھو کے بس کی بات نہیں تھی - انہوں نے بڑی عاجزی سے کہا -

" باباجی ! ہم تینوں چور ہیں - "

" چور ـــــ ؟ "

سادھو چونکا - اس کے کان کھڑے ہوئے کہ چوروں کا یہاں کیا کام ؟

" جی ہاں ! ہم تینوں چور ہیں - "

انہوں نے کہنا شروع کیا -

" بدقسمتی سے کئی روز ہوگئے ، ہمارے کچھ ہاتھ نہیں لگ سکا — نہ کہیں ڈاکہ ڈالنے کا موقع ملا ہے ، اور نہ کہیں چوری کرسکے ہیں - آپ ہماری مدد کریں - "

سادھو کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ ان کی کیا مدد کرسکتا ہے؟ اس نے کہا۔

"چوری کرنا پاپ ہے اور اس پاپ میں، میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟"

اس پر چور بولے۔

"آپ ہمیں قریبی شہر کے ان دو چار امیر آدمیوں کے پتے بتادیں جہاں ہم ڈاکہ ڈال سکیں۔ آپ کو ایسے کئی لوگوں کا علم ہوگا؟"

جواب میں سادھو نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"میں درویش آدمی ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہ کون امیر ہے اور کون غریب ہے؟"

چوروں نے بہت اصرار کیا کہ وہ کسی طرح کسی امیر آدمی کا پتہ بتادے لیکن سادھو انکار کرتا رہا۔ اس پر چوروں کو غصہ آگیا۔ وہ تو پہلے ہی سے تپے ہوئے تھے اور اب جب کہ سادھو نے ان کی کوئی مدد نہ کی تو ان میں سے ایک اپنے ساتھیوں سے بولا۔

"میری مانو تو آج اس سادھو ہی سے کچھ حاصل کرو۔"

مگر دوسرا کہنے لگا۔

"اس بھوکے ننگے کے پاس کیا دھرا ہوگا جو ہمیں ملے گا؟"

جواب میں تیسرے چور نے کہا۔

"تم کیا جانو؟ یہ سادھو لوگ بڑے لالچی ہوتے ہیں اور مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس بڑی دولت ہوتی ہے۔"

اس پر پہلے نے رائے دی۔

"اگر یہ بات ہے تو ابھی دیکھ لیتے ہیں اسے۔"

چنانچہ چوروں نے ذرا سخت لہجہ میں کہا۔

"اگر تم کسی دوسرے کا پتہ نہیں بتاتے تو لاؤ تمہارے پاس جو کچھ ہے نکال دو۔"

یہ سن کر سادھو بہت گھبرایا۔ یہ تو الٹی بات ہورہی تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

" میں ایک سادھو ہوں۔ جنگلوں میں رہنے والا۔ بھلا میرے پاس دولت کہاں سے آئی ؟ "

لیکن چور اسے ڈانٹ کر بولے۔

" آج ہم نے عہد کیا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کر کے جائیں گے۔ اب تمہیں ضرور کچھ دینا ہی ہو گا۔ اپنی جان کی خیریت چاہتے ہو تو سب کچھ نکال کر رکھ دو۔ "

سادھو نے اور عاجز بنتے ہوئے کہا۔

" اگر تم لوگوں کو میری بات پر یقین نہیں تو کٹیا کی تلاشی لے سکتے ہو۔ "

" ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ہم تمہاری کٹیا کی تلاشی لیتے ہیں۔ "

تینوں چور یہ کہہ کر کٹیا کی تلاشی میں مصروف ہوگئے لیکن کوشش اور تلاش کے باوجود انہیں کچھ بھی نہ مل سکا۔ یہ دیکھ کر ایک چور بولا۔

" میں نہ کہتا تھا کہ اس بھوکے ننگے کے پاس کچھ نہ ہوگا۔ "

مگر اس کے دوسرے ساتھیوں نے اس کی بات نہ مانی۔ انہوں نے کہا۔

" یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے کچھ نہ کچھ ضرور چھپایا ہوگا۔ "

انہوں نے پھر سختی سے سادھو کو دھمکی دی۔

" دیکھو! اگر تم اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو جو کچھ تمہارے پاس ہے نکال دو۔ "

سادھو دوبارہ ہاتھ باندھ کر بولا۔

" اب تو تم نے میری کٹیا کی تلاشی بھی لے لی ہے۔ اگر میرے پاس واقعی کچھ ہوتا تو تمہیں مل جاتا۔ میں تم لوگوں سے سچ کہتا ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ "

چوروں نے جب یہ دیکھا کہ سادھو آسانی سے ماننے والا نہیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر اسے دو چار دھولیں

جمادیں - اور پھر جب انہوں نے اسے جان سے مار دینے کی دھمکی دی تو وہ ڈر گیا - کہنے لگا -

" تم مجھے مارو نہیں - میرے پاس جو کچھ ہے تمہیں دیئے دیتا ہوں - "

اس کے بعد وہ اٹھ کر اپنی کٹیا میں گیا اور ایک کونے میں زمین کھود کر سونے کی ایک ڈلی نکال کر لے آیا - اس نے وہ ڈلی چوروں کو دیکر کہا -

" بس ! یہی کچھ تھا میرے پاس - "

چوروں نے سوچا - چلو کچھ تو ملا - انہوں نے سادھو سے سونے کی ڈلی لی اور وہاں سے چل دیئے -

ابھی وہ تھوڑی دور ہی آئے ہوں گے کہ ان میں سے ایک کہنے لگا -

" یارو ! بھوک سے برا حال ہورہا ہے - "

دوسرے چور نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی -

" ہاں ! بھوک تو مجھے بھی لگی ہے - "

اس پر تیسرا بھی کہنے لگا -

" تو پھر کیوں نہ پہلے کھانے کا بندوبست کیا جائے ؟ "

" ہاں ! یہ ٹھیک ہے - "

تینوں ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہوئے بولے -

" سونے کی ڈلی بعد میں تقسیم کرلیں گے - پہلے کچھ کھالیا جائے - "

اس کے بعد چوروں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا -

" ہم دونوں یہاں بیٹھتے ہیں ، تم شہر جا کر کچھ کھانے کو لے آؤ - "

جواب میں وہ بولا -

" جیسے تم دونوں کی رائے - "

اور وہ کھانے کے لئے کچھ لینے شہر کی طرف چلا گیا - جب ایک ساتھی چلا گیا تو دوسرے دونوں چوروں کے دل میں بدی نے سر اٹھایا - دراصل سونے کی ڈلی دیکھ کر ان کی نیت بدل گئی تھی - ایک نے دوسرے سے کہا -

"کیوں نہ یہ سونا ہم دونوں آپس میں تقسیم کرلیں ؟"
اس پر دوسرا کچھ سوچتے ہوئے بولا ۔
"مگر ساتھی کو کیا دیں گے ؟"
"اچھا ! یوں کرتے ہیں ۔"
پہلے نے تجویز پیش کی ۔
"جوں ہی وہ کھانا لیکر آئے اسے قتل کردیں اور اس طرح سونے کی پوری ڈلی ہم دونوں آپس میں بانٹ لیں گے ۔"
"ہاں ! یہ ترکیب ٹھیک ہے ۔"
دوسرے کے دل میں بھی بدی گھر کرچکی تھی ۔ اور اب وہ دونوں اپنے تیسرے ساتھی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے جو شہر سے کھانا لینے گیا تھا ۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کا ساتھی کھانا لیکر واپس آرہا ہے ۔ وہ یہ دیکھ کر تیار ہوکے بیٹھ گئے ۔ جونہی وہ ان کے قریب پہنچا ان دونوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ۔ جب وہ اسے قتل کرچکے تو ایک بولا ۔
"لاؤ ! اب ہم دونوں سونا بانٹ لیں ۔"
مگر دوسرے نے کہا ۔
"یار ! بھوک بہت تیز لگ رہی ہے ۔ کیوں نہ پہلے کھانا کھالیں ؟"
"ہاں ! یہ بھی ٹھیک ہے ۔ اب سونا کہاں بھاگ جائیگا ۔"
دوسرے نے اتفاق کرتے ہوئے کہا ۔ دراصل اسے بھی بھوک لگ رہی تھی ۔ انہوں نے خیال کیا ، اب وہ دونوں ہی تو ہیں ، کھانا کھاکر بانٹ لیں گے ۔ اور یہی سوچ کے دونوں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے لیکن ابھی دونوں نے چند ہی نوالے کھائے تھے کہ ان کی حالت غیر ہونے لگی ۔ انہوں نے اپنے جس ساتھی کو سونے کے لالچ میں قتل کیا تھا ، شہر جاتے ہوئے اس کے

دل میں بھی بدی آگئی تھی اور وہ کھانے میں زہر ملا لایا تھا تاکہ وہ دونوں زہر کھاکر مرجائیں اور سارا سونا اس اکیلے کے حصے میں آجائے۔

چند ہی لمحوں بعد وہ دونوں بھی موت کی گود میں جا سوئے — اور اب وہاں تینوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں جن کے قریب ہی سونے کی ڈلی زمین پر پڑی چمک رہی تھی۔ انہیں مایا ناگن نے ڈس لیا تھا!

بیوقوف

کسی گاؤں میں ایک بیوقوف شخص رہتا تھا ۔ شادی کے بعد جب وہ پہلی بار بیوی کو لینے اپنی سسرال جانے لگا تو اس نے اپنے دل میں سوچا ۔

" پہلی بار سسرال اس طرح جانا چاہیے کہ سب پر رعب جم جائے ۔ "

اس خیال کے ساتھ ہی وہ اپنے ذہن میں مختلف ترکیبیں سوچنے لگا ۔ لیکن اس کی سمجھ میں کوئی ایسا طریقہ نہ آیا جس سے اس کی سسرال والوں پر اس کا رعب پڑجاتا ۔ اس کے پڑوس میں ایک جاٹ رہتا تھا ۔ اس نے سوچا ۔

" کیوں نہ جاٹ سے کوئی مشورہ لوں ؟ وہ یقیناً کوئی اچھی ترکیب بتادے گا ۔ "

یہ سوچ کر وہ اپنے پڑوسی جاٹ کے پاس گیا ۔ جاٹ اسے آتا دیکھ کر بولا ۔

" آؤ بھئی ! آج ادھر کیسے آنا ہوگیا ؟ "

بیوقوف نے اس سے کہا ۔

" میں تم سے ایک ضروری مشورہ کرنے آیا ہوں ۔ "

" کہو ! کیا بات ہے ؟ "

جاٹ نے پوچھا جس پر بیوقوف کہنے لگا ۔

" دراصل بات یہ ہے کہ میں پہلی بار اپنی سسرال جارہا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ سسرال والوں پر میرا رعب پڑجائے ۔ تم مجھے کوئی ایسا طریقہ بتاؤ جس سے میری سسرال والے مجھ سے مرعوب ہوجائیں ۔ "

جاٹ کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ وہ انتہائی بیوقوف ہے اور اس سے جو کچھ کہا جائے گا وہی کرے گا۔ اس لئے اس نے اس سے کہا۔

" سسرال جا رہے ہو تو کسی سے بھی زیادہ بات چیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس تم پُھر پُھر کرتے چلے جاؤ۔"

بیوقوف بولا۔

" اچھا! میں ایسا ہی کروں گا۔"

چنانچہ بیوقوف جاٹ سے رخصت ہوکر پُھر پُھر کرتا ہوا اپنی سسرال کی طرف چل دیا۔

راستے میں ایک جگہ ایک شکاری اپنا جال بچھائے بیٹھا تھا۔ وہاں سے قریب ہی کچھ کبوتر دانہ دنکا چگ رہے تھے اور شکاری اس انتظار میں تھا کہ کب اس کا داؤ چلے اور وہ کبوتروں کو جال میں پھنسالے۔ اتنے میں بیوقوف اپنے منہ سے زور زور سے پُھر پُھر کی آوازیں نکالتا ہوا وہاں آنکلا۔ اس کی پُھر پُھر سنے سارے کبوتر اڑگئے۔ شکاری نے یہ دیکھا تو اسے بڑا تاؤ آیا۔ اس کا پھنسا پھنسایا شکار ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس نے بڑھ کر بیوقوف کو پکڑ لیا اور غصہ میں اس کی ٹھکائی کردی۔ پھر اس کو چھوڑتے ہوئے بولا۔

" بیوقوف! پُھر پُھر نہیں کیا کرتے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں۔ آتے جاؤ پھنستے جاؤ۔ آتے جاؤ پھنستے جاؤ۔"

بیوقوف کہنے لگا۔

" اچھا! اب ایسا ہی کہوں گا۔"

اور اب وہ آتے جاؤ پھنستے جاؤ کہتا ہوا پھر اپنی سسرال کی طرف چل دیا۔

راستے میں ایک جگہ چند چور کہیں سے چوری کر کے آرہے تھے۔ وہ جب بیوقوف کے قریب سے گذرنے لگے تو انہوں نے سنا بیوقوف کہتا آ رہا تھا۔

" آتے جاؤ پھنستے جاؤ۔ آتے جاؤ پھنستے جاؤ۔"

ان کو بڑا غصہ آیا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ ان کے لئے تو یہ بدشگونی تھی - انہوں نے قریب جاکر بیوقوف کو پکڑ لیا اور پھر تلے اوپر کئی ہاتھ لگاکر کہا -

" بیوقوف! یہ نہیں کہا کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں، لاتے جاؤ رکھتے جاؤ - لاتے جاؤ رکھتے جاؤ - "

بیوقوف بولا -

" اچھا! اب ایسا ہی کہوں گا - "

اس کے بعد وہ لاتے جاؤ رکھتے جاؤ کہتا ہوا دوبارہ اپنی سسرال کی طرف چل دیا -

راستے میں ایک گاؤں آیا جہاں کچھ لوگ کندھوں پر جنازہ اٹھائے جارہے تھے - مرنے والے کے سوگ میں سب لوگ افسردہ اور خاموش جارہے تھے کہ اتنے میں بیوقوف آکر کہنے لگا -

" لاتے جاؤ رکھتے جاؤ - لاتے جاؤ رکھتے جاؤ - "

لوگوں کو اس پر بڑا تاؤ آیا کہ یہ شخص اس سوگ اور غم کے موقع پر کیا بات کہہ رہا ہے؟ ایک دو گرم مزاج آدمیوں سے برداشت نہ ہوسکا - انہوں نے آگے بڑھ کر بیوقوف کی پٹائی کردی اور ڈانٹتے ہوئے کہا -

" بیوقوف! اس طرح نہیں کہا کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں - خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے - خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے - "

بیوقوف بولا -

" اچھا! اب ایسا ہی کہوں گا - "

اب وہ خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے کی رٹ لگاتا ہوا پھر اپنی سسرال کے گاؤں کی طرف سفر کرنے لگا -

وہ جارہا تھا کہ راستے میں ایک گاؤں پڑا - وہ گاؤں کی گلیوں میں سے گذرتا ہوا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا، ایک گھر میں سے ڈھولک بجنے اور گانے کی آواز آرہی

تھی - ایک طرف چند براتی نئے نئے کپڑے پہنے بیٹھے تھے اور دیگیں پک رہی تھیں - بیوقوف جب ان کے قریب سے گذرا تو کہنے لگا -

" خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے - خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے - "

اس کا اتنا کہنا تھا کہ دو ایک براتیوں نے اسے پکڑلیا اور خوب مرمت کی - اس کے بعد انہوں نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا -

" بیوقوف ! اس طرح نہیں کہا کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں - گھر گھر اسی طرح ہو - گھر گھر اسی طرح ہو - "

بیوقوف بولا -

" اچھا ! اب میں ایسے ہی کہوں گا - "

اس نے پھر اپنی سسرال کا راستہ لیا اور گھر گھر اسی طرح ہو کہتا ہوا آگے بڑھ گیا -

راستے میں ایک ایسا گاؤں آیا جہاں ایک گھر میں آگ لگی ہوئی تھی اور ادھر ادھر کے لوگ آگ بجھانے میں لگے ہوئے تھے - کوئی پانی بھر بھر کر لارہا تھا ، کوئی شعلوں پر مٹی پھینک رہا تھا اور کوئی گھر کا سامان بچانے میں لگا ہوا تھا - اس طرح وہاں اس وقت ایک افراتفری کا سماں تھا - اتنے میں بیوقوف کا بھی وہاں سے گذر ہوا - وہ جب جلتے ہوئے مکان کے قریب سے گذرا تو بولا -

" گھر گھر اسی طرح ہو - گھر گھر اسی طرح ہو - "

پاس کھڑے کچھ لوگوں نے جب یہ سنا تو انہیں بہت غصہ آیا کہ ایک طرف بیچاروں کا گھر جل رہا ہے اور یہ ہے کہ کہتا ہے -

" گھر گھر اسی طرح ہو - "

انہوں نے آگے بڑھ کر بیوقوف کو پکڑ لیا اور اچھی طرح ٹھکائی کردی - جب وہ سب اپنا غصہ نکال چکے تو اسے چھوڑتے ہوئے بولے -

" بیوقوف ! اس طرح نہیں کہا کرتے بلکہ خاموش ہوجاتے ہیں اور کوئی بات نہیں کرتے۔ "

بیوقوف بولا ۔

" اچھا ! اب میں ایسے ہی کروں گا۔ "

چنانچہ وہ چپ چاپ اپنی سسرال کی جانب چل دیا۔ اب وہ نہ راستے میں کسی سے کچھ کہتا نہ سنتا، بس خاموشی سے سفر کرتا رہا ۔

اسی طرح جب وہ اپنی سسرال پہنچا اور گھر میں داخل ہوا تو اس نے نہ کسی سے سلام دعا کی اور نہ کسی کا حال۔ احوال دریافت کیا ۔ بس خاموشی سے گیا اور چپ چاپ ایک طرف کو جاکر بیٹھ گیا ۔ گھر والوں کو بڑا تعجب ہوا کہ

" یہ کوئی بات کیوں نہیں کرتا ؟ "

اس کی ساس نے اس سے پوچھا ۔

" بیٹا ! گھر میں خیریت ہے نا ؟ "

آگے سے بیوقوف نے کوئی جواب نہیں دیا اور ٹکر ٹکر بیٹھا دیکھتا رہا ۔ سسرال والوں کو فکر ہوئی کہ

" کہیں اس کا دماغ تو چل نہیں گیا ۔ "

اس کی ساس پھر پوچھنے لگی ۔

" کہو بیٹا ! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری ؟ "

مگر وہاں تو جواب میں صرف ایک چپ تھی ۔ اس کی ساس پھر پوچھنے لگی ۔

" کیوں بیٹا ! بولتے کیوں نہیں ؟ آخر بات کیا ہے؟ "

لیکن بیٹا تھا کہ بت بنا بیٹھا تھا ۔ راستے میں کئی بار ٹھکائی ہونے کی وجہ سے اس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا ۔ اور وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ

" راستے میں جہاں بھی بولا پٹائی ہوگئی ۔ اب یہاں بھی بولا تو پٹ جاؤں گا ۔ "

اس کے سسر نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا ۔

"آخر تم بولتے کیوں نہیں؟ کچھ بتاؤ تو تمہیں کیا ہوا ہے ؟"

لیکن بیوقوف پھر بھی خاموش رہا۔

اس کے بعد گھر کے ہر فرد نے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کر دیکھی کہ کسی طرح وہ کوئی بات کرے مگر بیوقوف اسی طرح بت بنا بیٹھا رہا۔ یہ دیکھ کر اس کی ساس رونے لگی اور کہنے لگی۔

"ہائے! بیٹا تجھے کیا ہوگیا ہے؟"

وہ سینے پر دو ہتڑ مار مار کر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"ہائے رے! اب میری بیٹی کا کیا ہوگا؟"

ساس کو روتا دیکھ کر اس کی بیوی بھی رونے لگی۔

"ہائے! میری قسمت پھوٹ گئی۔ میں تو زندہ درگور ہوگئی۔"

جب بیوقوف نے دیکھا کہ ساس کے ساتھ بیوی بھی رونے لگی ہے تو وہ آہستہ سے بولا۔

"ایسے موقع پر ہمیشہ خاموش رہتے ہیں۔"

اب تو گھر والوں کو پکا یقین ہوگیا کہ ان کا داماد پاگل ہوگیا ہے اور اس قسم کے پاگل کے ساتھ اپنی بیٹی کو بھیجنا اسے زندہ درگور کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے سامان کی گٹھری اور اس کی لاٹھی اس کے ہاتھ میں دی اور رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"ایسے داماد سے ہم ایسے ہی بھلے۔"

اور بیوقوف جس طرح چپ چاپ گیا تھا اسی طرح خاموشی سے واپس اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ مار بھی کھائی، لوگوں کی گالیاں بھی سنیں اور بیوی بھی ہاتھ سے گئی۔

اس واقعہ کو جگ بیت چکے ہیں مگر وہ دن اور آج کا دن، کوئی بیوقوف اس کے بعد اس طرح خاموش نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بیوقوف ہمیشہ بولتے رہتے ہیں۔

چڑیا اور کوا

ایک تھی چڑیا اور ایک تھا کوا ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے اور قریب قریب ہی رہتے تھے ۔ ایک روز چڑیا کہیں سے چاول کا دانہ لائی اور کوا کہیں سے مونگ کی دال کا دانہ ڈھونڈ لایا ۔ پھر دونوں نے آپس میں طے کیا کہ اب کھچڑی پکائی جائے ۔ ایک عرصہ سے دونوں بیچارے کھچڑی کو ترس گئے تھے لہذا چڑیا نے آگ جلائی اور کوا اڑ کر نہر سے پانی لایا ۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر کھچڑی پکائی اور جب کھچڑی تیار ہوگئی تو چڑیا کوے سے کہنے لگی ۔

" تم کھچڑی کی نگرانی کرو ، میں ابھی نہر پر اپنی چونچ دھو کر آتی ہوں ۔ "

کوا بولا ۔

" اچھا جاؤ ۔ میں نگرانی کرتا ہوں ۔ "

جب چڑیا نہر پر منہ دھونے چلی گئی تو کوے کا دل بے ایمان ہوگیا ۔ اس نے سوچا ۔ کیوں نہ میں اکیلا ہی ساری کھچڑی کھا جاؤں ؟ یہ سوچ کر اس نے ساری کھچڑی کا ایک گولا سا بنایا ، اسے اپنی چونچ میں پکڑا اور اڑ کر قریب ہی کیکر کے ایک بڑے درخت پر جا بیٹھا ۔ ادھر چڑیا اپنی چونچ دھو کر خوشی خوشی واپس آئی تاکہ چل کے مزے سے کھچڑی کھائے لیکن جب واپس آئی تو سٹپٹا کر رہ گئی ۔ اس نے دیکھا ، ساری کھچڑی کوا لے اڑا تھا ۔ اس نے پریشان ہو کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو دیکھا ، کوا کیکر کے بڑے درخت پر بیٹھا ہوا تھا اور ساری کھچڑی کا گولا اس کی چونچ میں تھا ۔ بڑی پچھتائی کہ کوا اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا گیا ہے ۔ اس نے کوے سے کہا ۔

" اے کوّے ! نیچے آکر کھچڑی میں سے میرا حصہ مجھے دو ۔ "

جواب میں کوا بولا ۔

" اگر میں مونگ کا دانہ نہ لاتا تو کھچڑی کیسے بن سکتی تھی ؟ اس لئے اس پر میرا حق ہے ۔ "

چڑیا نے کہا ۔

" میں بھی تو چاول کا دانہ لائی تھی ۔ "

مگر کوّا تو بے ایمانی پر تلا ہی بیٹھا تھا ۔ کہنے لگا ۔

" اگر میں پانی نہ لاتا تو کھچڑی کیسے بنتی ؟ میں تو اس میں سے تجھے کچھ بھی نہیں دوں گا ۔ ساری کھچڑی اکیلا کھاؤں گا ۔ "

چڑیا نے اس کی بہت منت سماجت کی لیکن کوّا نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ

" ساری کھچڑی پر میرا حق ہے ۔ "

جب چڑیا نے دیکھا کہ اب کوّا کسی طرح نہیں مانے گا ۔ وہ ساری کھچڑی اکیلا ہی کھانے کا ارادہ کئے ہوئے ہے تو اس نے کیکر کے درخت سے درخواست کی ۔

" اے کیکر کے درخت ! تو کوّے کو اڑا دے ۔ "

مگر کیکر کا درخت جواب میں کہنے لگا ۔

" کوّے نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے اڑادوں ؟ میں اسے نہیں اڑاؤں گا ۔ "

چڑیا بیچاری کیا کرسکتی تھی ؟ وہ مایوس ہو کر گانے لگی ۔

کیکر کاں اُڈاوے ناں
کاں گلولہ سُٹّے ناں
چڑی وچاری کیہہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوّے کو نہیں اڑاتا
کوّا کھچڑی کا گولا نیچے نہیں پھینکتا

اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مرجائے)

جب وہ کیکر کے درخت سے مایوس ہوگئی تو وہاں سے اڑ کر ایک بڑھئی کے پاس گئی اور اس کی منت کرکے کہنے لگی۔

"اے بڑھئی! تو چل کے کیکر کے درخت کو کاٹ دے۔"

جواب میں بڑھئی بولا۔

"کیکر کے درخت نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے کاٹ دوں؟ میں ایسا نہیں کرسکتا۔"

چڑیا بڑھئی کا یہ جواب سن کر بڑی مایوس ہوئی اور پھر گانے لگی۔

ترکھان کیکر وہڈے ناں
کیکر کاں اڈاوے ناں
کاں گلولہ سٹے ناں
چڑی وچاری کیہہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے
(بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوّا کھچڑی کا گولا نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مرجائے)

جب چڑیا نے یہ دیکھا کہ بڑھئی کسی طرح کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا تو وہ وہاں سے اڑی اور اڑتی ہوئی سیدھی راجہ کے پاس پہنچی۔ اس نے راجہ کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔

"اے راجہ! تو بڑھئی کو قید کردے۔"

لیکن راجہ نے جواب دیا۔

"بڑھئی نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے قید کر دوں۔ میں کسی کو بے قصور نہیں پکڑسکتا۔"

یہاں بھی چڑیا کی منت سماجت بیکار گئی اور راجہ بڑھئی کو گرفتار کرنے پر تیار نہ ہوا ۔ یہ دیکھ کر چڑیا پھر مایوس ہوکر گانے لگی ۔

راجہ ترکھاں بنھے ناں
ترکھاں ککر وہڈے ناں
ککر کاں اڈاوے ناں
کاں گلولہ سٹے ناں
چڑی وچاری کیہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوا کھچڑی کا گولا نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مرجائے)

جب چڑیا راجہ سے بھی مایوس ہوگئی تو وہ اڑ کر سیدھی رانی کے پاس گئی اور اس سے منت کرتے ہوئے کہنے لگی ۔

" اے رانی! تو اپنے راجہ سے ناراض ہوجا ۔"

رانی نے جواب دیا ۔

" مجھے راجہ نے کیا کہا ہے جو میں اس سے ناراض ہوجاؤں ؟ میں بغیر کسی وجہ کے اس سے نہیں روٹھ سکتی ۔"

رانی کا یہ جواب سن کر چڑیا کی مایوسی میں اور بھی اضافہ ہوگیا ۔ اور وہ پھر گانے لگی ۔

رانی راجہ رسے ناں
راجہ ترکھاں بنھے ناں
ترکھاں ککر وہڈے ناں
ککر کاں اڈاوے ناں
کاں گلولہ سٹے ناں
چڑی وچاری کیہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(رانی راجہ سے روٹھنے کے لئے تیار نہیں ہوتی
راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوا کھچڑی کا گولا نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مرجائے)

اس کے بعد چڑیا وہاں سے اڑی اور اڑتی ہوئی ایک سانپ کے پاس پہنچ گئی ۔ اس نے سانپ کی خوشامد کرتے ہوئے اس سے کہا ۔

"اے سانپ — تو رانی کو کاٹ لے ۔"

جواب میں سانپ بولا ۔

"مگر رانی نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے کاٹ کھاؤں ؟ میں اسے نہیں کاٹوں گا"

چڑیا کو یہاں بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ۔ اس نے سانپ کی بہتیری منت سماجت کی ، ہاتھ پاؤں جوڑے لیکن سانپ نے رانی کو ڈسنے سے انکار کردیا ۔ اب چڑیا نے پھر مایوس ہوکر گانا شروع کردیا ۔

سپ رانی نوں ڈنگے ناں
رانی راجہ رسے ناں
راجہ ترکھان بنھے ناں
ترکھان ککر وہڈے ناں
ککر کاں اڈاوے ناں
کاں گلولہ سٹے ناں
چڑی وچاری کیہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے
رانی راجہ سے روٹھنے کے لئے تیار نہیں ہوتی
راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا

کٹوا کھچڑی کا گولا نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مرجائے)

جب چڑیا سانپ سے بھی مایوس ہوگئی تو وہاں سے اڑکر ایک بیل گاڑی کے پاس گئی اور اس سے بڑی خوشامد سے کہنے لگی ۔

" اے بیل گاڑی ! تو سانپ کو اپنے پہیوں تلے لیکر کچل دے ۔"

بیل گاڑی نے جواب دیا ۔

" میں سانپ کو کیوں کچلوں ؟ اس نے میرا کیا بگاڑا ہے؟ میں اسے نہیں کچلوں گی ۔"

چڑیا کو یہاں بھی ٹکا سا جواب ملا ۔ اور وہ پھر گانے لگی ۔

گڈا سپ لتاڑے ناں
سپ رانی نوں ڈنگے ناں
رانی راجہ رُسے ناں
راجہ ترکھان بنھے ناں
ترکھان کیکر وہڈے ناں
ککر کاں اڈاوے ناں
کاں گلولہ سٹے ناں
چڑی وچاری کیہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(بیل گاڑی سانپ کو کچلنے پر تیار نہیں ہوتی
سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے
رانی راجہ سے روٹھنے کے لئے تیار نہیں
راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
بڑھئی کیکر کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا ۔
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کٹوے کو نہیں اُڑاتا
کٹوا کھچڑی کا گولا نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مرجائے)

چڑیا کو یہاں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا - اب وہ وہاں سے اُڑ کر آگ کے پاس گئی - اور اس کی منت کرکے بولی -

" اے آگ ! تو بیل گاڑی کو جلا دے - "

آگ نے جواب دیا -

" بھلا بیل گاڑی نے میرا کیا نقصان کیا ہے جو میں اسے جلادوں ؟ میں ایسا نہیں کر سکتی - "

آگ کا جواب سن کر چڑیا مایوس ہوکر پھر گانے لگی -

آگ گڈے نوں ساڑے ناں
گڈا سپ لتاڑے ناں
سپ رانی نوں ڈنگے ناں
رانی راجہ رُسے ناں
راجہ ترکھان بنھے ناں
ترکھان ککر وہڈے ناں
ککر کاں اُڈاوے ناں
کاں گلولہ سٹے ناں
چڑی وچاری کیہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(آگ بیل گاڑی کو جلانے پر راضی نہیں ہوتی
بیل گاڑی سانپ کو کچلنے کے لئے تیار نہیں
سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے
رانی راجہ سے روٹھنے کے لئے تیار نہیں ہوتی
راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کونہیں اُڑاتا
کوا کھچڑی کا گولا نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مرجائے)

جب آگ نے بھی چڑیا کا کہنا نہ مانا تو وہ بے انتہا مایوس ہوگئی - آخر وہ وہاں سے بھی اُڑی اور اُڑ کر ایک سقے کے پاس گئی - اس نے خوشامدانہ لہجہ میں سقے سے کہا -

"اے سقے! تو پانی سے آگ کو بجھادے۔"
لیکن سقے نے بھی اسے یہی جواب دیا۔
"آگ نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے بجھادوں؟ میں اسے نہیں بجھا سکتا۔"
چڑیا نے سقے کا یہ جواب سنا تو پھر مایوس ہوکر گانا شروع کر دیا۔

ساشکی آگ بجھاوے ناں
اگ گڈے نوں ساڑے ناں
گڈا سپ لتاڑے ناں
سپ رانی نوں ڈنگے ناں
رانی راجہ نوں رسے ناں
راجہ ترکھان بنھے ناں
ترکھان ککر وہڈے ناں
ککر کاں اڈاوے ناں
کاں گلولہ سٹے ناں
چڑی وچاری کیہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے
(سقہ پانی سے آگ نہیں بجھاتا
آگ بیل گاڑی کو جلانے پر راضی نہیں ہوتی
بیل گاڑی سانپ کو کچلنے کے لئے تیار نہیں
سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے
رانی راجہ سے روٹھنے کے لئے تیار نہیں ہوتی
راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوا کھچڑی کا گولا نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مرجائے)

اب چڑیا بیچاری ہرطرف سے مایوس ہوچکی تھی۔ وہ جس کے پاس بھی گئی اس نے اس کی مدد کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا

کرے ؟ کس کے پاس جائے ؟ کس سے مدد چاہے ؟ وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی - اور آخر اس کے ذہن میں ایک تجویز آئی - اس نے دل میں سوچا - یہ آخری کوشش بھی کر دیکھوں - ہوسکتا ہے میں کامیاب ہوجاؤں - یہ سوچ کر وہ وہاں سے اڑی اور سیدھی ایک چوہے کے پاس جا پہنچی - اس نے چوہے سے کہا -

" اے چوہے! تو سقّے کی مشک کتردے - "

چوہا کہنے لگا -

" میرا اس نے کیا نقصان کیا ہے جو میں اسے کتروں ؟ میں اسے نہیں کتر سکتا - "

چڑیا اب تک تو اپنی مدد کے لئے صرف درخواست ہی کر رہی تھی - اور اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس میں اسے ہرجگہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا - چنانچہ اس نے قدرے چالاکی سے کام لیتے ہوئے چوہے سے کہا -

" یاد رکھ ! اگر تونے سقّے کی مشک نہ کتری تو میں بلی کو تیرا بل بتادوں گی اور وہ کسی نہ کسی روز داؤ لگا کر تجھے کھا جائیگی - "

چوہے نے جب بلی کا نام سنا تو واقعی گھبرا گیا - اس نے جلدی سے کہا -

" تو بلی کو میرا بل نہ بتا - میں ابھی سقّے کی مشک کتردیتا ہوں - "

اور پھر جب وہ سقّے کی مشک کترنے لگا تو سقّہ منت کرتے ہوئے بولا -

" اے چوہے ! تو میری مشک نہ کتر ، میں ابھی آگ بجھا دیتا ہوں "

جب سقّہ پانی سے آگ بجھانے لگا تو آگ اس کی خوشامد کرتے ہوئے کہنے لگی -

" اے سقّے ! تو مجھے نہ بجھا ، میں ابھی بیل گاڑی کو جلادیتی ہوں - "

آگ بیل گاڑی کو جلانے لگی تو بیل گاڑی منت سماجت سے بولی -

" اے آگ! تو مجھے نہ جلا، میں ابھی سانپ کو کچل دیتی ہوں - "

بیل گاڑی سانپ کو کچلنے لگی تو سانپ ہاتھ جوڑ کر بولا -

" اے بیل گاڑی! تو مجھے نہ کچل ، میں ابھی رانی کو کاٹ لیتا ہوں - "

جب سانپ رانی کو کاٹنے لگا تو رانی گڑگڑا کر کہنے لگی -

" اے سانپ! تو مجھے نہ کاٹ، میں ابھی راجہ سے روٹھ جاتی ہوں - "

جونہی رانی راجہ سے روٹھنے لگی، راجہ اس کی خوشامد کرتے ہوئے بولا -

" اے رانی ! تو مجھ سے نہ روٹھ ، میں ابھی بڑھئی کو قید میں ڈال دیتا ہوں - "

راجہ بڑھئی کو قید میں بند کرنے لگا تو بڑھئی بڑی عاجزی سے عرض کرنے لگا -

" اے راجہ! مجھے قید میں مت ڈال ، میں ابھی کیکر کے درخت کو کاٹ دیتا ہوں - "

پھر بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے لگا تو وہ منت کرتے ہوئے بولا -

" اے بڑھئی! تو مجھے نہ کاٹ ، میں ابھی کوّے کو اڑا دیتا ہوں - "

اور جب کیکر کا درخت ہل ہل کر اور جھوم جھوم کر کوّے کو اڑانے لگا تو کوّا اس کی منت سماجت کرتے ہوئے کہنے لگا -

" اے کیکر کے درخت! مجھے نہ اُڑا ، میں ابھی چڑیا کو کھچڑی میں سے آدھا حصہ دیئے دیتا ہوں - "

اور کوے کی یہ بات سن کر چڑیا خوش ہو ہو کر گانے
اور ناچنے لگی۔

چوہا مشک کترے گا
ماشکی آگ بجھاوے گا
اگ گڈا ساڑے گی
گڈا سپ لتاڑے گی
سپ رانی نوں ڈنگے گا
رانی راجہ رسے گا
راجہ ترکھان بنھے گا
ترکھان ککر وہڈے گا
ککر کاں اڈاوے گا
کاں گلولہ سٹے گا
چڑی وچاری جیوے گی
آپنی کھچڑی کھاوے گی

(اب چوہا اپنے دانتوں سے سقے کی مشک کتردے گا۔
اب سقہ آگ بجھا دے گا
اب آگ بیل گاڑی کو جلادے گی
اب بیل گاڑی سانپ کو کچل دے گی
اب سانپ رانی کو کاٹ لے گا
اب رانی راجہ سے روٹھ جائے گی
اب راجہ بڑھئی کو قید میں ڈال دے گا
اب بڑھئی کیکر کا درخت کاٹ دے گا
اب کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو اڑا دے گا
اب کوا کھچڑی کا گولا نیچے پھینک دے گا
اب چڑیا بیچاری خوشی خوشی زندگی گذارے گی
اور اپنی کھچڑی کھائے گی)

اس کے بعد کوا درخت سے اڑ کر نیچے آیا اور

اس نے کھچڑی میں سے آدھا حصّہ چڑیا کو دے دیا اور پھر دونوں نے مزے لے لے کر کھچڑی کھائی۔ اس وقت کوّے کو واقعی اس بات کا احساس ہوا کہ کسی کا حق مار کے کھانے میں وہ لطف حاصل نہیں ہوتا جو کسی کا حق دے کر، صرف اپنی چیز سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد کبھی کسی چڑیا نے کسی کوّے کے ساتھ ساجھا نہیں کیا۔ کیوں کہ ساجھے کی ہنڈیا مشکل ہی سے پکتی ہے۔

گائے اور کسان

کسی جگہ ایک کسان رہتا تھا ۔ اس کا ایک بیٹا تھا جس سے میاں بیوی بہت پیار کرتے تھے ۔ وہ ہنسی خوشی زندگی گذار رہے تھے کہ اچانک کسان کی بیوی بیمار پڑگئی ۔ علاج معالجہ کیا گیا مگر اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ وہ روز بروز اور بیمار ہوتی چلی گئی ۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ موت کے قریب پہنچ گئی ۔ جب بیوی کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب اس کا بچنا محال ہے ، زندگی کے دن پورے ہونے کو ہیں تو وہ اس خیال سے بہت پریشان ہوئی کہ میرے بعد میرے بیٹے کا کیا ہوگا ؟ اگر گھر میں سوتیلی ماں آگئی تو وہ نہ جانے اس سے کیسا سلوک کرے ؟ چنانچہ جب اس کا آخری وقت آپہنچا تو اس نے اپنے شوہر کو پاس بلاکر کہا ۔

" دیکھو! میرا آخری وقت آپہنچا ہے ۔ تم مجھ سے ایک وعدہ کرو ۔ "

شوہر نے اسے جواب دیا ۔

" کہو ! کیا بات ہے ؟ میں تمہاری ہر بات پوری کروں گا ۔ "

اس پر بیوی کہنے لگی ۔

" تم مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ میرے مرنے کے بعد دوسری شادی نہیں کروگے ۔ "

کسان نے اس سے وعدہ کیا ۔

" میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے بعد دوسری شادی نہیں کروں گا ۔ "

بیوی اللہ کو پیاری ہوگئی اور کسان اپنے بیٹے کے ساتھ زندگی گذارنے لگا ۔ اسے خود بھی اپنے بیٹے سے بہت محبت

تھی اس لئے اس نے دوسری شادی کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا - پھر اسے اپنا وہ وعدہ بھی یاد تھا جو اس نے اپنی بیوی سے کیا تھا لہذا جوں توں کرکے وقت بتاتا رہا لیکن آخر کب تک ؟ وہ اپنی کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کرتا یا گھر کا کام کاج سنبھالتا ؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زیادہ عرصہ تک اپنے ارادے پر قائم نہ رہ سکا اور اس نے دوسری شادی کرلی -

دوسری بیوی کا گھر میں آنا تھا کہ وہاں کی دنیا ہی بدل گئی - اس کا پہلے ہی سے ایک بیٹا تھا - وہ اپنے سگے بیٹے سے بڑے پیار سے پیش آتی اور اس کے ناز نخرے اٹھاتی - اس کے برعکس سوتیلے بیٹے پر طرح طرح کی سختیاں کرکے اس سے نوکروں کی طرح کام لیتی - بات بات پر ڈانٹتی اور ذرا ذرا سی غلطی پر پیٹنے لگتی - وہ اپنے بیٹے کو چپڑی ہوئی روٹی اور دودھ مکھن کھلاتی مگر سوتیلے بیٹے کو باسی اور سوکھی روٹی دیتی اور وہ بھی اتنی کہ اس کا پیٹ بھی نہ بھرتا - وہ بیچارہ دل ہی دل میں کڑھتا اور جو روکھی سوکھی ملتی وہ کھاکر سو رہتا - کسان کی نئی بیوی اپنے بیٹے کے لئے نئے نئے کپڑے سلواتی اور ہر روز اسے نہلا دھلا کر پہناتی لیکن سوتیلے بیٹے کو پرانے اور میلے کچیلے کپڑوں پر ہی ٹرخا دیتی - سگا بیٹا دن بھر گھر اور محلے میں کھیلتا کودتا اور سوتیلا بیٹا سارا دن مزدوروں کی طرح کام میں لگا رہتا - صبح ہوتے ہی اسے ڈھور ڈنگر دیکر باہر کھیتوں میں بھیج دیا جاتا ، جہاں وہ سارا دن انہیں چراتا اور دن ڈھلنے پر گھر لے آتا - پھر ان کے لئے چارہ کاٹنے اور سانیاں بنانے میں لگ جاتا - اس طرح وہ ہر وقت محنت مشقت میں مصروف رہتا تھا مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود کسان کو اس کی کوئی پروا نہ تھی - دراصل نئی بیوی نے اسے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا - وہ اپنی پہلی بیوی کو بھولنے کے ساتھ ساتھ اپنے سگے بیٹے کو بھی نظر انداز کر بیٹھا تھا -

اس طرح وقت گذر رہا تھا - سوتیلا بیٹا خاموشی سے اپنی سوتیلی ماں کے ظلم برداشت کرتا اور چپکے چپکے اپنی قسمت پر آنسو بہا کر رہ جاتا - وہ ایک روز حسب معمول اپنی گائے بھینس چرانے کیلئے کھیتوں میں گیا ہوا تھا کہ اسے شدت کی بھوک لگی - آج اس کی سوتیلی ماں نے اسے باسی روٹی بھی نہیں دی تھی - وہ بھوک سے بے تاب ہو کر رونے لگا - اس کے قریب ہی ان کی چتکبری گائے چر رہی تھی جسے وہ بہت پیار کرتا تھا - اس گائے نے اسے اس طرح بلک بلک کر روتے دیکھا تو اس کے قریب آ کر پوچھنے لگی -

"بیٹا ! تم اس طرح کیوں رو رہے ہو ؟"

جواب میں لڑکے نے اسے ساری بات بتا دی کہ اس طرح میری سوتیلی ماں مجھ پر سختیاں کرتی ہے - اپنے بیٹے کو چنگا چوکھا کھانے کو دیتی ہے لیکن مجھے سوکھی باسی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں دیتی - اور آج اس نے مجھے باسی روٹی بھی نہیں دی - گائے نے اس کی بات سنی تو اسے اس پر بہت ترس آیا - اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا -

"تم گھبراؤ نہیں - اللہ تمہاری مدد کرے گا -"

اس کے بعد وہ بولی -

"ٹھہرو ! میں ابھی آتی ہوں -"

گائے اتنا کہہ کر ایک طرف کو چلی گئی - اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد واپس آئی تو اس کے ساتھ بہت سی مٹھائی بھی تھی - اس نے وہ مٹھائی لڑکے کو دے کر کہا -

"لو ! پیٹ بھر کر کھاؤ - میں تمہیں روز اسی طرح مٹھائی کھلایا کروں گی -"

لڑکے نے جی بھر کے مٹھائی کھائی - کہاں اسے سوکھی باسی روٹی بھی پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملتی تھی اور کہاں طرح طرح کی مٹھائی مل گئی تھی - وہ سیر ہو گیا اور

جب وہ مٹھائی کھاچکا تو چتکبری گائے نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا ۔

"ایک بات یاد رکھنا ۔ اپنی سوتیلی ماں سے اس کا کبھی ذکر نہ کرنا ۔ ورنہ وہ ناراض ہوگی اور تم پر زیادہ سختی کرنے لگے گی ۔"

"نہیں ! میں اسے ہرگز نہیں بتاؤں گا ۔"

لڑکے نے اسے یقین دلایا ۔

اب لڑکے کو اس بات کی پروا بھی نہ تھی کہ اس کی ماں کھانے کو دیتی ہے یا نہیں ۔ وہ روزانہ جب اپنی گائیں بھینسیں چرانے کے لئے کھیتوں میں نکل جاتا تو چتکبری گائے اس کے لئے طرح طرح کی مٹھائی لے آتی جسے وہ مزے سے کھاتا ۔ اس طرح روز تازہ اور مزیدار مٹھائیاں کھانے سے اس کی صحت بھی اچھی ہوگئی اور وہ چند ہی روز میں موٹا تازہ نظر آنے لگا ۔ دوسری طرف اس کی سوتیلی ماں اسے دیکھ کر بہت حیران تھی کہ وہ اپنے سگے بیٹے کو دودھ بالائی اور مکھن کے ساتھ چپڑی ہوئی روٹی کھلاتی ہے مگر وہ اتنا صحت مند نہیں ہے جتنا کہ سوتیلا بیٹا ہے حالانکہ اسے صرف باسی روٹی دی جاتی ہے ۔ اسے کچھ شک پڑگیا ۔ اس نے اپنے دل میں سوچا ، ہو نہ ہو یہ باہر جاکر بھینسوں کا دودھ پی لیتا ہے اسی لئے اس کی صحت روز بروز اچھی ہوتی جارہی ہے ۔ اس نے سوتیلے بیٹے کو خوب مارا اور جب شام کو کسان آیا تو اس نے اس سے شکایت کی ۔

"تمہارا بیٹا روزانہ چوری چوری بھینسوں کا دودھ پی جاتا ہے ۔"

کسان پوچھنے لگا ۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا ؟"

بیوی نے تنک کر جواب دیا ۔

"دیکھتے نہیں ، یہ روز بروز کیسے موٹا ہوتا جا رہا ہے ۔ یہ یقیناً باہر جاکر بھینسوں کا دودھ دوہ کر پی لیتا ہے اور اسی لئے اس کی صحت اتنی اچھی ہوگئی ہے ۔"

کسان تو پہلے ہی بیوی کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ اس نے جب یہ بات سنی تو وہ بھی بیٹے پر برس پڑا اور اس کی خوب پٹائی کی۔ لڑکے نے بہتیرا کہا کہ میں دودھ نہیں پیتا لیکن اس کی سنتا کون تھا؟ بلکہ اس کی سوتیلی ماں کہنے لگی۔

"ایک تو چوری کرتا ہے، اوپر سے جھوٹ بول رہا ہے۔"

وہ بیچارہ پٹ پٹا کے خاموش ہورہا مگر سوتیلی ماں کا غصہ ابھی ختم نہ ہوا تھا۔ وہ اسی کھوج میں تھی کہ کسی روز اس کی چوری کا کوئی ثبوت ملے تو دل کھول کر اس کی مرمت کرے۔ چنانچہ ایک روز اس نے اپنے سگے بیٹے سے بڑی رازداری سے کہا۔

"آج تم اس کے ساتھ جاؤ۔ جب کھیتوں میں پہنچ جاؤ تو تم ادھر ادھر ہوجانا اور چھپ کر دیکھتے رہنا کہ یہ بھینسوں کا دودھ پیتا ہے یا نہیں؟"

اس کے بعد اس نے سوتیلے بیٹے سے کہا۔

"آج تمہارا بھائی بھی بھینسیں چرانے کے لئے تمہارے ساتھ جائے گا۔ اس کا خیال رکھنا۔"

وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھا کہ اس کی سوتیلی ماں اپنے بیٹے کو اس کے ساتھ کیوں بھیج رہی ہے، اس لئے بہت خوش ہوا کہ چلو دونوں ہوں گے تو وقت اچھا کٹے گا۔ وہ بولا۔

"اچھا ماں! میں اسے ساتھ لے جاؤں گا۔"

وہ دونوں ڈھور ڈنگر لے کر کھیتوں میں چلے گئے اور جب دوپہر ہوگئی تو حسب معمول گائے مٹھائی لائی۔ اس نے خود بھی کھائی اور ساتھ اپنے سوتیلے بھائی کو بھی کھلائی۔ جب وہ واپس گھر کی طرف چلنے لگے تو اس نے اسے تاکید کی۔

"یہ بات ماں کو نہ بتانا کہ ہم نے مٹھائی کھائی تھی۔ چتکبری گائے مجھے روز اسی طرح قسم قسم کی مٹھائی لا کر

دیتی ہے۔ اگر تم روزانہ آؤ تو تمہیں بھی اسی طرح کھانے کو ملے۔''

اس کے سوتیلے بھائی نے اس وقت تو اس سے وعدہ کرلیا کہ وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا مگر گھر آکر اس نے سب کچھ اپنی ماں کو بتادیا کہ اس طرح چتکبری گائے روزانہ اسے مٹھائی لاکر دیتی ہے جسے کھاکر یہ موٹا تازہ ہوتا جارہا ہے۔ یہ سنتے ہی کسان کی بیوی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے اسی وقت سوتیلے بیٹے کو بلاکر اسے خوب مارا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ڈنڈا لیکر چتکبری گائے کو بھی جی بھر کے پیٹا۔ پھر جب شام ہوئی اور کسان کے گھر آنے کا وقت ہوگیا تو وہ ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی لیکر پڑگئی۔ جونہی کسان نے گھر میں قدم رکھا تو دیکھا بیوی اٹواٹی کھٹواٹی لئے پڑی ہے۔ وہ سوچنے لگا، ضرور کوئی بات ہوئی ہے۔ شاید کسی نے اسے برا بھلا کہا ہے۔ ادھر بیوی نے اسے آتے دیکھا تو ''ہائے میں مر گئی، ہائے میں لٹ گئی'' کا شور کرنے لگی۔ کسان بڑا گھبرایا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔''

جواب میں اس کی بیوی ہائے وائے کرتے ہوئے بولی۔

''تم جب تک اپنی چتکبری گائے کو فروخت نہیں کروگے میں اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتی۔''

کسان حیران ہوکر پوچھنے لگا۔

''مگر گائے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

اس نے اس پر اور بھی مکر سے کراہتے ہوئے کہا۔

''اگر تم یہ گائے نہیں بیچوگے تو میں کچھ کھا کے مرجاؤں گی۔ جب تک تم اسے فروخت نہیں کروگے میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں پیوں گی اور نہ سوؤں گی۔''

کسان نے جب یہ دیکھا کہ وہ اپنی ضد پر اڑگئی ہے تو اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"تم فکر نہ کرو - میں کل ہی اس گائے کو بیچ دوں گا -"

لڑکا اپنی ماں اور باپ کی ساری باتیں سن رہا تھا - اس نے جب یہ سنا کہ اس کا باپ کل چتکبری گائے کو بیچ ڈالے گا تو وہ بہت گھبرایا - وہی تو اس کا ایک سہارا تھی - وہ اداس اور غمگین تھا - چنانچہ جب رات ہو گئی اور گھر کے لوگ سو گئے تو وہ چپکے سے اٹھ کر گائے کے پاس گیا اور اس کے گلے سے لپٹ کر رونے لگا - اسے اس طرح بلک بلک کر روتا دیکھ کر گائے بڑی حیران ہوئی - اس نے سوچا ، ہوسکتا ہے آج پھر سوتیلی ماں نے اسے پیٹا ہو - وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے پوچھنے لگی -

"بیٹا ! تمہیں کیا ہوا ہے ؟ تم اس قدر کیوں رو رہے ہو ؟"

جواب میں لڑکے نے ہچکیاں لیتے ہوئے گائے کو وہ تمام گفتگو بتادی جو اس کی ماں اور باپ کے درمیان ہوئی تھی - پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کے سوتیلے بھائی نے گھر آ کر ماں کو بتادیا تھا کہ چتکبری گائے اسے روزانہ مٹھائی کھلاتی ہے اور اسی بات پر ناراض ہوکر یہ سب کچھ ہوا ہے - یہ بتانے کے بعد وہ روتے ہوئے بولا -

"اب کل تمہیں میرا باپ بیچ ڈالے گا - پھر میں اکیلا رہ جاؤں گا -"

گائے ساری بات سمجھ گئی - اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا -

"تم فکر نہ کرو - اللہ ہماری مدد کرے گا -"

پھر وہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولی -

"تم جلدی کرو اور میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ - میں تمہیں ایسی جگہ لے چلتی ہوں جہاں ہمیں کوئی تلاش نہیں کرسکے گا اور ہم دونوں اکھٹے رہیں گے -"

لڑکے نے جلدی جلدی گائے کا رسّا کھولا ، خود اس کی پیٹھ پر بیٹھ گیا اور چتکبری گائے چپکے سے اسے لے کر گھر

سے نکل گئی — اور وہ راتوں رات سفر کرتے ہوئے دور ایک جنگل میں پہنچ گئے ، جہاں دونوں رہنے لگے۔

انہیں جنگل میں رہتے ہوئے عرصہ ہوچکا تھا۔ گائے کا یہ معمول تھا کہ وہ ادھر ادھر چر کر پیٹ بھر لیتی اور لڑکا اس کا دودھ پی کر اپنی بھوک مٹا لیتا۔ روزانہ دونوں وقت لڑکا جتنا دودھ پی سکتا ، پی لیتا اور جو باقی بچتا وہ سارا قریب ہی ایک بل میں ڈال دیتا۔ اس طرح ایک عرصہ سے وہ اس بل میں دودھ ڈال رہا تھا۔ اتفاق کی بات یہ کہ اس بل میں ایک بہت بڑا سانپ رہتا تھا جو سانپوں کا بادشاہ تھا۔ وہ اپنی جگہ بڑا حیران تھا کہ یہ اس کے بل میں دونوں وقت دودھ کون ڈالتا ہے؟ یہ میرا محسن کون ہے جو مجھ پر اس قدر مہربانی کر رہا ہے۔ایک روز اس نے اپنے دل میں سوچا۔

"آج بل سے باہر نکل کر اپنے محسن کو دیکھنا چاہئیے۔ وہ بغیر کسی لالچ کے میری اس طرح خدمت کر رہا ہے اور عرصہ سے دونوں وقت تازہ دودھ پلارہا ہے۔"

یہی سوچ کر وہ اپنے بل سے باہر نکل آیا۔ اس نے دیکھا تو وہاں ایک طرف ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گائے چر رہی تھی۔ سانپ اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یقیناً یہی گائے مجھے روزانہ دودھ پلاتی ہے۔ وہ اس کے پاس گیا اور بولا۔

"تم ایک مدت سے میری خدمت کر رہی ہو میں تم سے بہت خوش ہوں۔"

پھر وہ قدرے اور قریب ہو کر کہنے لگا۔

"میں سانپوں کا بادشاہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ تمہارے احسان کا بدلہ چکاؤں۔ مجھے بتاؤ تمہاری کیا تمنا ہے؟"

گائے نے سانپ کی ساری بات سن کر جواب دیا۔

"اگر تم میری تمنا پوری کرنا چاہتے ہو تو وہ صرف ایک ہے۔"

”وہ کیا؟ مجھے بتاؤ میں اسے ضرور پورا کروں گا۔ تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔“

سانپ کے اتنا کہنے پر گائے نے کہا۔

”میری صرف یہ تمنا ہے کہ میرے بیٹے کا تمام لباس سونے کا ہوجائے اور اس کا جسم سر سے لے کر پاؤں تک سونے کی طرح چمکنے لگے۔“

سانپ جھٹ سے بولا۔

”تمہارا بیٹا اسی طرح ہوجائے گا۔“

اور پھر گائے نے دیکھا کہ کسان کا بیٹا سر سے لے کر پاؤں تک سونے کی طرح چمک رہا تھا اور اس کے تمام کپڑے سونے کے بن چکے تھے۔ اس کے بعد سانپ واپس اپنے بل میں چلا گیا۔ گائے اور کسان کا بیٹا دونوں پھر اسی طرح رہنے لگے۔

وقت گذرتا گیا اور اب لڑکا جوان ہوچکا تھا۔ ایک روز وہ دریا کے کنارے نہارہا تھا۔ اس نے نہانے کے بعد سر میں کنگھی کی تو اس کے سونے کی طرح چمکتے ہوئے چند بال ٹوٹ کر کنگھی کے دندانوں میں پھنس گئے۔ اس نے کنگھی صاف کرکے ٹوٹے ہوئے بال دریا میں پھینک دیئے جہاں انہیں ایک مچھلی نے نگل لیا۔ کسان کا بیٹا تو نہاکر واپس آگیا لیکن وہ مچھلی تیرتی ہوئی نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گئی۔ دریا میں ایک جگہ کسی مچھیرے نے جال پھیلا رکھا تھا۔ وہ مچھلی دوسری مچھلیوں کے ساتھ اس میں پھنس گئی۔ مچھیرا مچھلیاں پکڑنے کے بعد انہیں فروخت کرنے کے لئے شہر گیا جہاں بادشاہ کے باورچی اسے خرید کر شاہی محل میں لے گئے۔ جب انہوں نے پکانے کے لئے کاٹ کر اس کا پیٹ صاف کرنا چاہا تو اس میں سے سونے کی طرح چمکتے ہوئے سنہری بال نکلے جنہیں دیکھ کر شاہی خادم حیران رہ گئے۔ اس بادشاہ کی ایک چندے آفتاب چندے مہتاب بیٹی تھی۔ اس نے جب یہ بال دیکھے تو دل میں سوچنے لگی۔

''جس آدمی کے بال اس قدر حسین ہیں وہ خود نہ جانے کتنا خوبصورت ہوگا ؟ ''

اس نے اپنے باپ سے کہا ۔

''جب تک وہ نوجوان نہیں آئے گا جس کے یہ بال ہیں میں خوش نہیں رہ سکتی ۔ اگر وہ نہیں آیا تو میں خودکشی کرلوں گی ۔ ''

بادشاہ شہزادی کی ضد سے مجبور ہوگیا ۔ اس نے اسی وقت حکم دیا کہ

''جیسے بھی ہو اس نوجوان کو تلاش کیا جائے جس کے یہ بال ہیں ۔ ''

جو خادم مچھلی خرید کر لائے تھے وہ اسی وقت اس مچھیرے کے پاس گئے اور اس سے دریافت کیا ۔

''تم نے یہ مچھلی کہاں سے پکڑی تھی ؟ ''

وہ بیچارا ڈرگیا ۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا ۔

''حضور ! میں نے اسے دریا میں سے پکڑا تھا ۔ ''

مختلف لوگوں کو کشتیوں میں روانہ کردیا گیا کہ جس طرح بھی ہو اس نوجوان کو ڈھونڈا جائے ۔ کچھ کشتیاں دریا کے بہاؤ کی طرف چل نکلیں اور کچھ لوگ بہاؤ کی مخالف سمت میں روانہ ہوگئے ۔ اس طرح کئی دنوں کی مسلسل تلاش و جستجو کے بعد ایک کشتی اسی جگہ پہنچ گئی جہاں جنگل میں سے دریا گذرتا تھا اور جہاں آج بھی کسان کا بیٹا کنارے پر بیٹھا نہارہا تھا ۔ کشتی میں بیٹھے ہوئے شاہی ملازموں نے اسے دور ہی سے دیکھ لیا تھا ۔ اس کا سونے کی طرح چمکتا ہوا جسم سورج کی کرنوں میں چمک رہا تھا ۔ وہ کشتی کھیتے ہوئے اس کے قریب آگئے اور سوچنے لگے ۔

''اسے کس بہانے سے پکڑا جائے ؟ ''

آہستہ آہستہ ان کی کشتی دریا کے کنارے کے پاس وہیں پہنچ گئی جہاں وہ نہارہا تھا ۔ جب وہ اس کے قریب

آگئے تو ایک آدمی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے نوجوان! تم ذرا دریا میں اتر کر ہماری کشتی کو تھوڑا کھینچ دو تاکہ ہم کنارے کے ساتھ لگ سکیں۔"

اسے کیا معلوم تھا کہ یہ اسے ہی پکڑنے آئے ہیں اور کشتی کو کھینچنا محض ایک بہانہ ہے، لہذا وہ پانی میں کود کر کشتی کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ پھر جوں ہی اس نے کشتی کو کھینچنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے، کشتی میں بیٹھے ہوئے آدمیوں نے جلدی سے اسے کھینچ کر اوپر اٹھالیا۔ اس نے گھبراکر اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر اکیلا، اتنے آدمیوں کے سامنے بےبس تھا۔ شاہی خادموں نے جلدی جلدی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اسے ساتھ لیکر واپس روانہ ہوگئے۔

کسان کے بیٹے کو بادشاہ کے حضور میں پیش کردیا گیا۔ شہزادی نے اسے دیکھا تو اس پر دل و جان سے فدا ہوگئی۔ ادھر کسان کے بیٹے نے جب حسین و جمیل شہزادی کو اپنے اوپر اس طرح مرتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی اس پر عاشق ہوگیا۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوگئے اور پھر چند ہی روز بعد کسان کے بیٹے کی شہزادی سے شادی ہوگئی۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ کبھی وہ شہزادوں کی طرح زندگی گذارنے لگے گا۔ کہاں سوتیلی ماں کے مظالم اور کہاں شاہی محلوں کا عیش؟ وہ خوشیوں میں یہ بھی بھول گیا کہ اسے یہ تمام خوشیاں اور زندگی ایک غریب گائے کی وجہ سے ملی ہے۔ وہ اپنے ماضی کو بھول چکا تھا اور اب شہزادہ بن کے شاہی محلوں میں رہ رہا تھا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک روز کسان کے بیٹے کو جو اب شہزادہ بن چکا تھا، کسی نے مٹھائی پیش کی۔ اس نے مٹھائی میں سے ایک ٹکڑی اٹھاکر منہ میں رکھ لی۔ مٹھائی کا منہ میں رکھنا تھا کہ وہ چکرا سا گیا۔ اس کا ذائقہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ گائے کی دی ہوئی مٹھائی کا ہوتا تھا۔ اسے اپنی چتکبری گائے یاد آگئی۔ جس نے اس

کی جان بچائی تھی اور جس کی وجہ سے وہ اس مرتبے تک پہنچا تھا - وہ دل میں بڑا نادم ہوا کہ میں نے خوش حالی میں اپنے اس ساتھی کو بھلا دیا جس نے ہر مصیبت میں میرا ساتھ دیا - یہ یاد آتے ہی پشیمانی میں اسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا - اس نے اسی وقت خادموں سے کہا -

"مجھے ایک ضروری کام کے لئے سفر پر جانا ہے - ابھی سفر کی تیاری کی جائے -"

اور پھر وہ اپنے چند خادموں کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہوگیا - چند ہی روز میں وہ اسی جنگل میں اور اسی جگہ پہنچ گیا جہاں کبھی وہ اپنی وفادار چتکبری گائے کے ساتھ رہا کرتا تھا - وہاں پہنچ کر اس نے بے تابی اور اور بے قراری سے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر اسے گائے کہیں نظر نہ آئی - اچانک اس نے دیکھا تو ایک طرف کسی جانور کی چند ہڈیاں بکھری پڑی تھیں - یہ دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ یہ ہڈیاں میری گائے کی ہیں جو بیچاری نہ جانے کب کی مرچکی ہے - وہ دل میں سوچنے لگا -

"کاش ! میں اتنا احسان فراموش نہ ہوتا !"

مگر اب پچھتانے سے کیا ہوسکتا تھا ؟ اس نے آنسو بہاتے ہوئے وہ تمام بکھری ہوئی ہڈیاں جمع کیں اور پھر ایک گڑھا کھود کر انہیں اس میں دفن کردیا - وہ افسردہ کھڑا ابھی تک اپنی غلطی پر پشیمان تھا - اس نے سوچا -

"میں نے احسان فراموشی کی ہے - میری سزا یہی ہے کہ میں بھی مرجاؤں -"

یہ سوچتے ہی اس نے اپنا خنجر نکالا اور ابھی اپنے سینے میں گھونپنے ہی لگا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی -

"میرے بیٹے ! ٹھہر جاؤ -"

اس نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو اس کی چتکبری گائے کھڑی اسے پیار سے دیکھ رہی تھی - وہ بھاگ کر اس

کے گلے سے لپٹ گیا اور ندامت کے آنسو بہانے لگا - یہ دیکھ کر گائے بولی -

"میں نے یہ ہڈیاں محض تمہیں آزمانے کے لئے یہاں رکھی تھیں - میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تمہارے دل میں میری محبت ہے یا نہیں ؟ یہ آزمائش تھی جس میں تم پورے اترے ہو -"

کسان کے بیٹے نے کچھ دیر گائے کو جی بھر کے پیار کیا اور پھر کہنے لگا -

"اب تم میرے ساتھ محل میں چل کے رہو -"

مگر گائے نے جواب دیا -

"نہیں بیٹا! میری نیکی یہیں تک تھی - میں نے اپنا فرض پورا کردیا — اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس نیکی اور بھلائی کو آگے بڑھاؤ -"

اتنا کہہ کر اس نے پیار سے کسان کے بیٹے کی طرف دیکھا اور بولی -

"اللہ نے تمہاری ساری مصیبتیں دور کردی ہیں - اب تم دوسروں کی مصیبتوں میں کام آؤ تاکہ نیکی کا سلسلہ آگے بڑھے اور ہمیشہ قائم رہے -"

چتکبری گائے نے اتنا کہا اور جنگل کی طرف چلی گئی - کسان کا بیٹا تھوڑی دیر تک وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا - اور جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تو وہ بھی اپنے خادموں کے ساتھ واپس شہر کی طرف چل دیا -

چالاک بندر

پرانے زمانے کا ذکر ہے ۔ کسی جگہ ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا ۔ اس بادشاہ کے سات بیٹے تھے اور اس نے یہ طے کیا تھا کہ اسی بادشاہ کے ہاں اپنے بیٹوں کی شادی کرے گا جس کے ہاں سات شہزادیاں ہوں گی ۔ اس نے اپنے وزیر خاص سے اپنے اس ارادے کا ذکر کیا تو وہ سر جھکا کر بولا ۔

”جہاں پناہ نے درست سوچا ہے ۔ ایسا ہی ہونا چاہیے ۔“

وزیر کو اپنا حامی پاکر بادشاہ نے حکم دیا ۔

”آج ہی ایلچی روانہ کردیئے جائیں تاکہ وہ کوئی ایسی سلطنت تلاش کریں جہاں سات شہزادیاں ہوں ۔“

”بہتر عالی جاہ ! آج ہی حضور کے حکم کی تعمیل کردی جائے گی ۔“

وزیر نے دست بستہ عرض کیا ۔ اس پر بادشاہ کہنے لگا ۔

”اگر کسی بادشاہ کی سات بیٹیاں ہوں تو جو ایلچی وہاں پہنچے اسے تاکید کردی جائے کہ وہ شادی کی تاریخ بھی طے کرتا آئے ۔ ہم شہزادوں کی شادی میں تاخیر نہیں کرنا چاہتے ۔“

وزیر نے پھر سر جھکا کر کہا ۔

”حضور اطمینان رکھیں ۔ ایسا ہی کیا جائے گا ۔“

چنانچہ اسی وقت چند ایلچی تیار کئے گئے اور انہیں ضروری ہدایات اور زاد سفر دیکر چاروں طرف روانہ کردیا

گیا تاکہ وہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق شہزادوں کے لئے رشتہ تلاش کریں - ایلچیوں نے کچھ عرصہ کی مہلت چاہی اور مختلف ملکوں کے سفر پر روانہ ہوگئے -

کئی ہفتے گذر گئے - تمام ایلچی مختلف سلطنتوں میں گھومتے رہے مگر ابھی تک انہیں کوئی ایسا بادشاہ نہ مل سکا تھا جس کی سات بیٹیاں ہوں - سب ایلچی اپنی اپنی جگہ پریشان تھے کہ اگر ناکام واپس گئے تو نہ جانے بادشاہ ان سے کیا سلوک کرے - وہ بادشاہ کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی ناکامی ان کی سزا کا باعث بھی بن سکتی ہے - یہی وجہ تھی کہ ہر ایلچی اپنے طور پر اسی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی نہ کسی طرح کوئی بادشاہ مل جائے جہاں ساتوں شہزادوں کی ایک ساتھ شادی ہوسکے - جب ان کی مہلت میں چند ہی روز باقی رہ گئے تو آخرکار ایلچی ایسی سلطنت میں جا پہنچا جہاں کے بادشاہ کی سات بیٹیاں تھیں - اتفاق کی بات کہ اس بادشاہ نے بھی اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ اسی بادشاہ کے ہاں بیٹیوں کی شادی کرے گا جس کے سات شہزادے ہوں گے - اب جو اس نے ایلچی سے یہی پیغام سنا تو بہت خوش ہوا - سوچنے لگا ، خدا نے خود بخود اس کی یہ تمنا پوری کردی ہے - اس نے ایلچی کو بڑی عزت کے ساتھ دربار میں جگہ دی اور پھر اس سے کہا -

" بادشاہ سلامت کو ہماری طرف سے سلام عرض کرکے کہا جائے کہ ہمیں ان کا پیغام منظور ہے - "

اسی وقت ساتوں شہزادوں کی بارات کے لئے تاریخ مقرر کردی گئی اور بادشاہ نے بہت سے تحفے تحائف دیکر ایلچی کو رخصت کردیا -

ایلچی نے اپنے ملک واپس جاکر بادشاہ کو رشتے ملنے کی خوش خبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوا - اس نے ایلچی کو انعام و اکرام سے نوازا اور حکم دیا -

”آج ہی سے شہزادوں کی شادی کی تیاریاں شروع کردی جائیں۔“

جس روز ساتوں شہزادوں کی بارات جانے والی تھی اور تمام انتظامات مکمل ہوگئے تھے تو سب سے چھوٹا شہزادہ کچھ سوچ کر اپنے باپ سے کہنے لگا۔

”جہاں پناہ! اگر ہم ساتوں بھائی ایک ساتھ بارات لے کر چلے گئے اور ظاہر ہے حضور بھی اپنے امیروں وزیروں سمیت ہمارے ساتھ ہوں گے، اس طرح پیچھے سلطنت کا کاروبار کون چلائے گا؟“

چھوٹے شہزادے کی یہ بات سن کر بادشاہ بھی سوچ میں پڑگیا۔ بات معقول تھی۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ تو ہم نے سوچا ہی نہ تھا۔“ وزیر نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”عالی جاہ! چھوٹے شہزادے نے واقعی بہت دور اندیشی کی بات کی ہے۔“

بادشاہ سوچنے لگا تو چھوٹا شہزادہ تجویز پیش کرتے ہوئے بولا۔

”اگر حضور میری تجویز مانیں تو چھ بھائیوں کی بارات لے جائیں۔ میں پیچھے سلطنت کے کاموں کی دیکھ بھال کے لئے رہ جاتا ہوں۔ اس طرح تخت خالی نہیں رہے گا۔“

”مگر تمہاری شادی کا کیا ہوگا؟ ہم تو ساتوں بیٹوں کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔“

بادشاہ کے اس سوال پر شہزادے نے کہا۔

”آپ میری انگشتری اور رومال ساتھ لے جائیں اور میری شادی میری غیر حاضری میں کرکے میری دلہن کو بھی دوسرے بھائیوں کی دلہنوں کے ساتھ لیتے آئیں۔ اس طرح آپ کی تمنا بھی پوری ہوجائے گی۔“

شہزادے کا یہ حل سب کو پسند آیا۔ لہذا بادشاہ اپنے امیروں وزیروں کے ساتھ چھ شہزادوں کی بارات لیکر چل دیا

اور چھوٹا شہزادہ سلطنت کے امور کی دیکھ بھال کی خاطر اپنے ملک میں رہ گیا۔

شادی کے روز چھ شہزادوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے شہزادے کی انگشتری اور رومال سے چھوٹی شہزادی کی شادی کردی گئی اور بادشاہ اپنے ساتوں بیٹوں کی دلہنوں کو لے کر واپس اپنی سلطنت کی طرف چل دیا۔ وہ سفر کرتے ہوئے چلے آرہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ شام ہوگئی۔ سب نے آپس میں طے کیا کہ رات یہیں کہیں بسر کرلی جائے۔ صبح ہونے پر پھر سفر پر چل دیں گے۔ جہاں انہیں شام ہوئی تھی ایک جنگل تھا۔ انہوں نے وہاں قریب ہی پانی کا ایک تالاب دیکھا تھا اوراس کے ساتھ ڈیرے ڈال دیئے۔ انہیں اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ جس جنگل میں وہ پڑاؤ ڈال رہے ہیں، وہ ایک خطرناک جنگل ہے۔ اس بات کا اندازہ انہیں اس وقت ہوا جب رات ہوئی اور چاروں طرف سے بہت سے شیروں نے آکر ان کو گھیرے میں لے لیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر سب لوگ گھبرا گئے۔ ایک دو شیر ہوتے تو وہ ان کو مار بھی سکتے تھے مگر وہاں تو ان گنت شیروں نے انہیں اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کریں؟ اتنے میں شیروں نے ان سے کہا۔

"اگر تم ہماری ایک شرط پوری کردو تو ہم تم لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ورنہ ہم سب کو کھا جائیں گے اور تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

بادشاہ نے جلدی سے پوچھا۔

"تمہاری وہ شرط کیا ہے؟ ہمیں بتاؤ۔"

جواب میں شیر بولے۔

"تم ان سات شہزادیوں میں سے ایک ہمارے حوالے کردو۔ تمہارے زندہ بچنے کی صرف یہی ایک صورت ہے۔"

اب ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ایک شہزادی شیروں کے سپرد کرکے باقی لوگوں کی جان

بچالیں ۔ چنانچہ بادشاہ نے باری باری چھ کے چھ شہزادوں سے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک اپنی دلہن شیروں کے لئے دے دے مگر ان میں سے کوئی راضی نہ ہوا ۔ بادشاہ سخت پریشان تھا ۔ اس نے اپنے وزیر سے مشورہ کیا ۔

" اب تم ہی بتاؤ اس صورت حال سے کیسے نپٹا جائے ؟ "

وزیر بھی فکر مند تھا ۔ اس نے عرض کیا ۔

" جہاں پناہ ! اب صرف یہی ایک ترکیب ہوسکتی ہے کہ چھوٹے شہزادے کی دلہن شیروں کے حوالے کردی جائے ۔ "

" مگر ہم شہزادے کو کیا جواب دیں گے ؟ "

بادشاہ کچھ سوچتے ہوئے بولا ۔ جواب میں وزیر نے بھی پھر عرض کیا ۔

" عالی جاہ ! میری تجویز یہ ہے ۔ تمام لوگوں سے کہہ دیا جائے کہ جب شہزادہ اپنی دلہن کے بارے میں دریافت کرے تو اسے کچھ نہ بتایا جائے ۔ "

پھر اس نے بادشاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا ۔

" اگر ہم نے یہ نہ کیا تو شیر ہم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے ۔ "

تھوڑی دیر سوچ بچار کرنے کے بعد انہوں نے سب سے چھوٹے شہزادے کی دلہن شیروں کے حوالے کردی اور شیر اسے لے کر چلے گئے ۔ اس طرح اب وہ اپنے ساتھ سات کے بجائے چھ شہزادیوں کی ڈولیاں لے کر وطن واپس جارہے تھے ۔

جب بارات شہر کے قریب پہنچی تو سب سے چھوٹا شہزادہ خوشی خوشی اپنی دلہن کے استقبال کے لئے آیا مگر جب اس نے خلاف توقع یہ دیکھا کہ بارات کے ساتھ صرف چھ پالکیاں ہیں تو وہ بہت حیران ہوا ۔ وہ جلدی سے لوگوں سے پوچھنے لگا ۔

" میری دلہن کی پالکی کہاں ہے ؟ "

مگر سب یہی جواب دیتے ۔

" ہمیں معلوم نہیں ! "

وہ باری باری اپنے چھ بھائیوں کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی سوال دہرایا ۔ پھر اپنے باپ کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی دریافت کیا لیکن سب یہی جواب دیتے ۔

”ہمیں معلوم نہیں !“

شہزادہ یہ سن کر بڑا مایوس ہوا ۔ وہ اس مایوسی اور پریشانی میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا کہ ایک بوڑھے شخص نے اسے ساری بات بتادی کہ اس طرح ایک جگہ رات کو پڑاؤ ہوا تھا جہاں شیروں نے سب کا گھیرا ڈال لیا اور ایک شہزادی حوالے کرنے کا مطالبہ کیا ۔ پھر تمہاری دلہن ان شیروں کے حوالے کرکے سب کی جان بچالی گئی ۔ شہزادے نے یہ سنا تو اپنے باپ اور بھائیوں کے رویہ سے دل برداشتہ ہوگیا ۔ اس نے اپنے دل میں پکا ارادہ کیا کہ

”جب تک اپنی دلہن کو واپس نہیں لاؤں گا ، یہاں نہیں آؤں گا ۔“

اس بوڑھے شخص نے شہزادے کو سمجھایا ۔

”شہزادے ! اپنی جان نہ گنواؤ ۔ شیروں نے اسے پھاڑ کھایا ہوگا ۔ وہ اب تک کیسے زندہ رہ سکتی ہے ۔ کیوں موت کے منہ میں جاتے ہو ؟“

لیکن شہزادہ بولا ۔

”کچھ بھی ہو — میں اسے ضرور تلاش کروں گا ۔“

اس نے بوڑھے سے اس جنگل کا اتہ پتہ دریافت کیا اور بغیر کسی کے بتائے گھوڑے پر سوار ہوکر اپنی دلہن کی تلاش میں چل نکلا ۔

شہزادہ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا اپنے سفر پر جارہا تھا کہ راستے میں اسے ایک چوہا ملا ۔ اس نے اسے روک کر پوچھا ۔

"اے شہزادے! تم ان خوفناک جنگلوں میں کہاں جارہے ہو؟"

شہزادے نے چوہے کو ساری بات بتائی کہ کس طرح اس کے باپ اور بھائیوں نے اس سے دھوکا کیا اور اس کی دلہن شیروں کے حوالے کردی۔ پھر وہ بولا۔

"اب میں اپنی دلہن کی تلاش میں جارہا ہوں۔"

اس پر چوہا کہنے لگا۔

"اگر تم اجازت دو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟"

شہزادے نے پہلے تو دل میں سوچا، بھلا یہ چوہا میری کیا مدد کرے گا؟ لیکن پھر اس نے اسے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی اور چوہا بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ اس طرح اب ایک کی بجائے وہ دونوں جنگلوں میں سفر کررہے تھے۔ ابھی وہ چند کوس ہی چلے ہوں گے کہ ایک جگہ انہیں ایک بندر ملا۔ بندر نے ان سے پوچھا۔

"اے شہزادے! تم چوہے کو ساتھ لئے کہاں جارہے ہو؟"

شہزادے نے اسے پوری بات بتائی اور پھر کہا۔

"اب میں اپنی دلہن کی تلاش میں جارہا ہوں۔"

بندر نے یہ سنا تو بولا۔

"اگر تم اجازت دو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟"

شہزادہ دل میں سوچنے لگا۔ بندر میری کیا مدد کرسکے گا؟ مگر پھر اسے خیال آیا، اگر چوہے کو ساتھ لے لیا ہے تو بندر کو لے جانے میں کیا حرج ہے؟ اور کچھ نہیں تو ساتھ ہی رہے گا لہذا اس نے بندر کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اب وہ تینوں سفر پر جارہے تھے۔

وہ تینوں ایک جنگل میں سے گذر رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا، شیروں کی ایک کچھار میں شہزادی رسیوں سے بندھی بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں پاؤں میں ایک رسی بندھی ہوئی تھی اور وہ غم زدہ بیٹھی تھی۔ اس سے چند قدم کے

فاصلے پر ایک بوڑھی شیرنی لیٹی ہوئی تھی جو پہرہ دے رہی تھی - وہ شیرنی آنکھوں سے اندھی تھی اور اس نے اپنے پنجوں میں دو رسیاں پکڑ رکھی تھیں - ایک رسی کا دوسرا سرا شہزادی کے پاؤں میں بندھا ہوا تھا تاکہ اگر وہ کہیں بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے فوراً پتہ چل جائے اور دوسری رسی کا دوسرا سرا ایک بہت بڑے شیر کے پنجوں میں تھا جو وہاں سے تھوڑی دور لیٹا گہری نیند سورہا تھا - یہ اس لئے تھا کہ اگر اندھی شیرنی کو کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ اسے کھینچ دے تاکہ بڑا شیر فوراً اس کی مدد کو آسکے - ان تینوں نے جب دور سے یہ منظر دیکھا تو بندر نے شہزادے سے کہا -

"گھوڑا یہیں چھوڑ دو - ہم پیدل آگے جائیں گے -"

شہزادے نے گھوڑا وہیں ایک درخت سے باندھ دیا اور وہ تینوں دبے پاؤں اس کچھار کے قریب پہنچ گئے جہاں شہزادی بندھی ہوئی بیٹھی تھی - بندر نے کچھار سے چند قدم دور ہی شہزادے کو رک جانے کے لئے کہا اور خود چوہے کو ساتھ لیکر ہولے ہولے آگے بڑھا - پھر اس نے چوہے کے کان میں کہا -

"اب تم آگے جاؤ اور چپکے سے وہ رسی دانتوں سے کتر کر توڑ دو جس سے شیرنی اور شہزادی بندھی ہوئی ہے -"

یہ سنتے ہی چوہا آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور پھر چند ہی لمحوں میں اس نے اپنے تیز دانتوں سے کتر کر اسے توڑ دیا - ادھر شہزادی نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا کہ وہ اسے رہائی دلانے آئے ہیں - اس لئے وہ انہیں غور سے دیکھ رہی تھی تاکہ اشارہ پاتے ہی ان کی ہدایات پر عمل شروع کردے - جب رسی کا سرا ٹوٹ گیا تو بندر نے اشارے سے شہزادی کو سمجھایا کہ وہ اپنے پاؤں میں بندھی ہوئی رسی کھولنے کی کوشش کرے - اس کے ساتھ ہی بندر نے شہزادے کو بھی اشارہ کیا کہ وہ دبے پاؤں آگے بڑھ کر رسی کھولنے میں شہزادی کی مدد کرے - یہ سب ہدایات

دینے کے بعد بندر خود بخود اپنی دم سے کچھار میں جھاڑو دینے لگا جس سے لیٹی ہوئی اندھی شیرنی یہ سمجھی کہ شہزادی کچھار کی صفائی کر رہی ہے ۔ چنانچہ وہ خاموش بڑے اطمینان سے لیٹی رہی ۔ جب شہزادی کی رسیاں کھل گئیں تو شہزادہ اسے ساتھ لے کر دبے پاؤں اس جگہ آگیا جہاں گھوڑا بندھا ہوا تھا ۔ بندر نے شہزادے سے کہا ۔

" جلدی کرو اور شہزادی کو لیکر روانہ ہوجاؤ ۔ "

اس کے بعد اس نے چوہے سے بھی کہا ۔

" تم بھی ان کے ساتھ چلو ۔ جلدی کرو کہیں شیر بیدار نہ ہوجائے ۔ "

جب اس نے دیکھا کہ شہزادی ، شہزادہ اور چوہا خاصے دور چلے گئے ہیں تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا ۔ پھر وہ دھیرے دھیرے اندھی شیرنی کے پاس گیا اور اس نے اسے دو تین دھکے دیئے جس سے اندھی شیرنی ہڑبڑا کر اچھل پڑی ۔ اس کا اچھلنا تھا کہ رسی کھینچنے کی وجہ سے تھوڑے فاصلے پر سویا ہوا بڑا شیر گھبرا کر اٹھ بیٹھا ۔ بندر تو اتنی دیر میں چھلانگیں لگاتا ہوا کہیں کا کہیں جاچکا تھا ، ادھر شیر اندھی شیرنی کی مدد کے لئے بھاگتا ہوا آیا اور پوچھنے لگا ۔

" کیا بات ہے ؟ کیا ہوا ؟ "

اتنے میں اس نے دیکھا تو شہزادی غائب تھی ۔ یہ دیکھ کر وہ غصے میں بپھر گیا ۔ اس نے آگے بڑھ کر اندھی شیرنی کو خوب مارا ۔ وہ اندھی شیرنی اس شیر کی ماں بھی تھی جسے اس نے شہزادی کی نگرانی پر مقرر کر رکھا تھا ۔ مگر اب جب اس نے دیکھا کہ محض اس کی غفلت سے شہزادی ہاتھوں سے نکل گئی ہے تو وہ پنجوں سے اس کی پٹائی کرکے شہزادی کے تعاقب میں بھاگا ۔ وہ گولی کی سی تیزی سے بھاگا جارہا تھا کہ راستے میں اس نے دیکھا ، بندر مٹی کے ایک ڈھیر کے پاس اداس اور غمگین بیٹھا تھا ۔ شیر نے رک کر پوچھا ۔

"اے بندر! یہ کیا ہے؟ تم یہاں کیا کررہے ہو؟"

بندر نے بڑے اداس لہجے میں جواب دیا۔

"ابھی ابھی ایک شیر نے اپنی بوڑھی اور اندھی ماں کو اس قدر مارا ہے کہ وہ ہلاک ہوگئی ہے۔ میں اس بیچاری کو دفن کرنے کا انتظام کر رہا ہوں۔"

شیر نے بندر کی بات سنی تو اسے فوراً خیال آیا، ابھی ابھی بوڑھی اور اندھی ماں کو تو میں نے ہی مارا ہے۔ اسے اپنے کئے پر بڑا افسوس ہوا۔ بہت پچھتایا کہ میرا مقصد ماں کو جان سے مار ڈالنا تو نہیں تھا۔ وہ افسوس اور پریشانی میں الٹے پاؤں اپنی کچھار کی طرف بھاگا تاکہ ماں کو دیکھے۔ وہ تو ادھر بھاگا اور ادھر شہزادے اور شہزادی کو بھاگنے کے لئے مزید وقت مل گیا۔ شیر کو واپس جاتے دیکھ کر خود بندر بھی شہزادے شہزادی کے پیچھے بھاگا تاکہ ان سے جا ملے۔ اسے خطرہ تھا کہ ابھی تک وہ شیر کی زد سے باہر نہیں نکلے۔

شیر جب غصے اور افسوس میں بھاگتا ہوا اپنی کچھار میں پہنچا تو اس نے دیکھا، اس کی اندھی ماں زندہ تھی۔ وہ سٹپٹا سا گیا۔ اس نے غصے میں آگے بڑھ کر اپنی ماں کو اٹھایا اور کچھار سے باہر پھینک دیا۔ کہنے لگا، یہ ساری پریشانی محض اسی کی وجہ سے ہورہی ہے۔ اس کے بعد وہ پھر تیزی سے پلٹا اور شہزادی کے تعاقب میں بھاگنے لگا۔

ادھر شہزادے سے ملنے کے لئے بھاگتے ہوئے بندر نے جب دور سے دیکھا کہ شیر پھر ان کے تعاقب میں آرہا ہے اور ابھی شہزادہ اس کی زد سے باہر نہیں ہے تو پھر جلدی سے راستے میں ایک مٹی کا ڈھیر لگاکر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کسی کی میت پر بین کررہا ہو۔ جب شیر تیزی سے بھاگتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو بندر روہانسا سا ہوکر مصنوعی آنسو بہانے لگا۔ شیر نے اسے روتے ہوئے دیکھا تو رک گیا اور پوچھنے لگا۔

"اے بندر! یہ تم کیوں رو رہے ہو؟"

بندر نے اسی طرح آنسو بہاتے ہوئے جواب دیا۔

"ابھی ابھی ایک شیر نے اپنی ماں کو اٹھا کر اس قدر زور سے کچھار کے باہر پھینکا ہے کہ وہ بیچاری زمین پر گرتے ہی مر گئی ہے۔"

پھر وہ بین کرتے ہوئے بولا۔

"اب میں اس کے دفن کا انتظام کر رہا ہوں۔"

بندر کی بات سن کر شیر بہت گھبرایا۔ اس نے سوچا، ابھی ابھی تو میں نے ہی اپنی ماں کو کچھار سے باہر پھینکا ہے۔ وہ بیچاری میری غلطی سے مر گئی۔ اسے بہت افسوس ہوا کہ میری جلد بازی نے ماں کی جان لے لی۔ وہ افسوس کرتا ہوا اپنی ماں کے آخری دیدار کے لئے پھر الٹے پاؤں کچھار کی طرف بھاگا۔ شیر کے دوبارہ واپس جانے سے بندر کو بھاگنے کا وقت مل گیا اور وہ چھلانگیں لگاتا ہوا بہت جلد شہزادے سے جا ملا۔ اس نے شہزادے سے کہا۔ بے فکر رہو۔ اب شیر ہم تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہم بہت دور آچکے ہیں۔"

اس طرح وہ چاروں محض بندر کی چالاکی اور عقلمندی سے بچ گئے۔ شہزادے کو اس کی شہزادی بھی مل گئی اور اس نے یہ بھی آزما لیا کہ جانور انسانوں سے زیادہ وفادار اور دوست ہوتے ہیں۔ راستے میں جہاں سے بندر ساتھ ہوا تھا وہاں پہنچ کر وہ رخصت ہوگیا اور جہاں سے چوہا ملا تھا، وہاں جاکر اس نے رخصت طلب کی۔ اور پھر شہزادہ دونوں کو رخصت کرکے خود شہزادی کو لیکر ہنسی خوشی واپس آگیا۔

مچھلی کی ہنسی

کسی جگہ ، دریا کے کنارے ایک مچھیرن رہتی تھی۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ دونوں جوں توں کر کے اپنی زندگی گذار رہے تھے۔ بیٹا ہر روز دریا میں سے مچھلیاں پکڑ لاتا اور مچھیرن انہیں شہر جاکر فروخت کر آتی۔ اس طرح جو چار پیسے مل جاتے ان سے روکھی سوکھی کھاکر ان کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ ایک روز کیا ہوا کہ حسب معمول لڑکا مچھلیاں پکڑ کے لایا اور بوڑھی مچھیرن انہیں بیچنے کے لئے شہر گئی۔ وہ بادشاہ کے محل کے قریب سے گذر رہی تھی کہ اتفاق سے ملکہ کی اس پر نظر پڑگئی۔ اس نے اپنی ایک کنیز سے کہا۔

”اس مچھیرن کو بلا کر لاؤ۔ آج میں خود مچھلیاں خریدوں گی۔“

کنیز اسی وقت گئی اور مچھیرن کو محل میں لے آئی۔ ملکہ اس سے بولی۔

”مائی! مجھے مچھلیاں دکھاؤ۔ میں خریدنا چاہتی ہوں۔“

مچھیرن نے سر پر اٹھایا ہوا ٹوکرا اتار کر نیچے رکھا اور مچھلیاں دکھانے لگی۔ اتنے میں ایک بڑی سی مچھلی ٹوکرے کی تہہ میں سے اچھلی اور اچھل کر زمین پر جا گری۔ مچھیرن اسے اٹھاکر دوبارہ ٹوکرے میں رکھنے لگی تھی کہ ملکہ نے پوچھا۔

”یہ مچھلی نر ہے یا مادہ؟“

بوڑھی مچھیرن ابھی جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ ملکہ نے پھر کہا۔

”میں ہمیشہ مادہ مچھلیاں خریدنا پسند کرتی ہوں۔“

اس کا اتنا کہنا تھا کہ وہ مچھلی زور زور سے ہنسنے لگی۔ مچھیرن نے جواب دیا۔

"حضور! یہ مچھلی نر ہے۔"

مچھیرن تو چلی گئی مگر ملکہ کو بہت غصہ آیا کہ ایک مچھلی اور مجھ پر اس طرح ہنسے؟ اس نے میرا مذاق اڑایا ہے۔ وہ تلملاتی ہوئی اپنے محل کے اندر آئی اور غصے میں پلنگ پر لیٹ گئی۔ شام کو جب بادشاہ اپنے سلطنت کے کاموں سے فارغ ہوکر محل میں آیا تو اس نے دیکھا، ملکہ اداس پلنگ پر پڑی ہے۔ وہ سوچنے لگا، شاید کسی نے اسے ناراض کردیا ہے یا پھر اس کی طبیعت خراب ہے۔ چنانچہ اس نے قریب آکر پوچھا۔

"ملکہ! کیا تم بیمار ہو؟"

ملکہ نے جواب دیا۔

"نہیں! میں بیمار نہیں۔"

بادشاہ پھر پوچھنے لگا۔

"کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟"

ملکہ نے پھر لیٹے لیٹے جواب دیا۔

"نہیں! میں آپ سے ناراض نہیں۔"

اس پر بادشاہ کہنے لگا۔

"تو پھر مجھے بتاؤ کہ تمہیں ہوا کیا ہے؟ کیا کسی نے تمہیں ناراض کردیا ہے؟"

بادشاہ کے اس سوال پر ملکہ نے اسے بتایا۔

"آج ایک مچھلی نے میری توہین کی ہے۔"

"مچھلی نے توہین کی ہے؟"

بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ ایک مچھلی کسی کی کیسے توہین کرسکتی ہے؟"

"ہاں! مچھلی نے میری توہین کی ہے۔"

ملکہ نے اسے بتانا شروع کیا۔

"آج ایک مچھیرن مچھلیاں لیکر آئی تھی - جب وہ مچھلیاں دکھارہی تھی تو ایک مچھلی اچھل کر اس کی ٹوکری سے باہر آگئی - میں نے مچھیرن سے اس مچھلی کے بارے میں پوچھا کہ یہ نر ہے یا مادہ؟ مچھیرن ابھی جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ گستاخ مچھلی مجھ پر ہنسنے لگی اور میرا مذاق اڑانے لگی - "

ملکہ کی پوری بات سن کر بادشاہ اور بھی حیران ہوا - یہ انہونی بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی - اس نے کہا -

"یقیناً تم نے کوئی خواب دیکھا ہوگا ورنہ مچھلی کیسے کسی کا مذاق اڑاسکتی ہے ؟ "

مگر ملکہ اپنی بات پر اڑی رہی - وہ کہنے لگی -

"یہ خواب نہیں ہے - یہ واقعہ خود میرے ساتھ پیش آیا ہے - میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے - "

بادشاہ ابھی تک حیرت میں ڈوبا ہوا تھا - وہ ملکہ کی بات جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا - اس نے کہا -

"بڑی عجیب بات ہے - لیکن تم کہہ رہی ہو تو ٹھیک ہی ہوگا - "

ملکہ نے منہ بسورتے ہوئے پھر کہا -

"اگر اس مچھلی کے ہنسنے کی وجہ دریافت نہ کی گئی تو میں خودکشی کرلوں گی - "

جواب میں بادشاہ بولا -

"تم فکر نہ کرو - میں کل ہی اس مچھیرن کو بلا کر مچھلی کے ہنسنے کی وجہ دریافت کرتا ہوں - ایک مچھلی کی کیا مجال کہ وہ ملکہ کا مذاق اڑائے ؟ "

دوسرے روز جوں ہی بادشاہ دربار میں گیا اس نے حکم دیا کہ اسی وقت اس مچھیرن کو پیش کیا جائے جس نے کل محل میں ملکہ کو مچھلیاں دکھائی تھیں - حکم کی دیر تھی اسی

وقت خادم گئے اور اس مچھیرن کو لاکر دربار میں پیش کردیا - بادشاہ نے غصے میں اسے دیکھا اور پوچھا -

"اے مچھیرن ! کیا تم نے ہی کل ملکہ کو مچھلیاں دکھائی تھیں ؟ "

مچھیرن ہاتھ جوڑ کر بولی -

"جی ہاں حضور ! میں نے ہی ملکہ عالیہ کو مچھلیاں دکھائی تھیں - "

بادشاہ غضبناک ہوکر پوچھنے لگا -

"تمہاری ایک مچھلی نے یہ پوچھنے پر کہ وہ نر ہے یا مادہ ، ملکہ کا مذاق اڑایا ؟ وہ اس پر ہنسنے لگی ؟ کیا تم اس کی وجہ بتاسکتی ہو کہ وہ کیوں ہنسی تھی ؟ "

بیچاری بوڑھی مچھیرن بہت گھبرائی - بھلا اسے کیا معلوم کہ مچھلی کیوں ہنسی تھی ؟ اس نے ہاتھ جوڑکر عرض کیا -

"حضور ! مجھ غریب کو کیا معلوم ؟ "

یہ جواب سن کر بادشاہ اور بھی غصے میں آگیا اور اس نے کہا -

"ہم تمہیں چھ ماہ کی مہلت دیتے ہیں - اگر تم نے ان چھ ماہ میں مچھلی کے ہنسنے کی وجہ نہ بتائی تو تمہیں زندہ کولہو میں پلوادیا جائے گا " -

بادشاہ کا حکم تھا - بڑھیا بیچاری کیا کر سکتی تھی - اگر انکار کرتی تو جان جاتی تھی - مجبوراً چھ ماہ کی مہلت لیکر گھر آگئی - گھر آکر اس نے اپنے بیٹے کو ساری بات بتائی کہ اس طرح بادشاہ نے کہا ہے ، اگر چھ مہینوں کی مدت میں مچھلی کے ہنسنے کی وجہ نہ بتائی گئی تو مجھے موت کے گھاٹ اتاردیا جائے گا - ماں کی پوری بات سننے کے بعد لڑکے نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا -

"ماں ! تم فکر نہ کرو۔ میں کسی دوسرے شہر جا کر کسی سے اس کی وجہ دریافت کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے تمہاری جان بچ جائے۔"

چنانچہ مچھیرن کا نوجوان بیٹا اپنی ماں سے رخصت ہو کر سفر پر روانہ ہوگیا۔ وہ شہروں شہروں گھومتا رہا اور مختلف لوگوں سے مچھلی کے ہنسنے کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بڑے بڑے عقلمندوں کے پاس گیا، فقیروں اور جوگیوں سے دریافت کیا، جس نے کسی کا پتہ دیا اسی کے پاس پہنچا مگر اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ ادھر چھ ماہ کی مہلت ختم ہورہی تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اگر میں اس کی وجہ معلوم نہ کرسکا تو میری ماں کی موت یقینی ہے۔ مچھیرن کا بیٹا خود بھی بہت ذہین تھا لیکن اس مشکل مسئلے کو حل کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دیس بدیس مارا مارا پھر رہا تھا۔ اسی طرح گھومتا گھامتا وہ ایک روز کسی دوسرے شہر کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں اسے ایک جاٹ ملا جو اپنے گاؤں جارہا تھا۔ اس کا گاؤں بھی اسی شہر کے راستے میں پڑتا تھا۔ نوجوان مچھیرے نے سوچا۔ چلو اکیلے سے دو بھلے۔ کچھ دور تک اس کا ساتھ ہی ہوجائے گا۔ بوڑھے جاٹ نے بھی سفر لمبا ہونے کی وجہ سے ایک نوجوان کا ساتھ غنیمت جانا۔ اور وہ دونوں اکھٹے سفر کرنے لگے۔ ان کا سفر خاصا طویل تھا اور وہ بڑی حد تک تھک بھی چکے تھے لیکن انہیں راستہ تو بہر صورت طے کرنا ہی تھا۔ چلتے چلتے نوجوان مچھیرا بوڑھے سے کہنے لگا۔

"کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہم کچھ دور تک ایک دوسرے کو اٹھا کر لے چلیں ؟"

بوڑھا اس کی بات سن کر دل میں سوچنے لگا، عجیب بیوقوف آدمی ہے۔ بھلا ہم دونوں ایک دوسرے کو اٹھا کر کیسے سفر کرسکتے ہیں ؟ وہ دل ہی دل میں اس کی

بیوقوفی پر ہنسا اور پھر یہ سوچ کر خاموش ہورہا کہ بیوقوف ہے تو ہو، مجھے اس سے کیا لینا۔

وہ دونوں اپنے سفر پر چلے جارہے تھے اور اس وقت ایک کھیت میں سے گذر رہے تھے جس کی فصل پک چکی تھی۔ نوجوان نے کھیت کی طرف دیکھتے ہوئے بوڑھے جاٹ سے پوچھا۔

"یہ کھیت کھا لیا گیا ہے یا ابھی نہیں ؟"

اس کی یہ بات سن کر جاٹ اور بھی پریشان ہوا کہ یہ کس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔ اب تو اسے واقعی اس کی بیوقوفی پر یقین ہوتا جارہا تھا۔ اس نے اسے ٹالنے کی غرض سے کہہ دیا۔

"مجھے نہیں معلوم !"

وہ دونوں پھر خاموش ہوگئے اور اپنی منزل کی طرف چلتے رہے۔ اب وہ ایک جنگل کے پاس پہنچ چکے تھے جو بہت گھنا تھا۔ لڑکے نے اپنی جیب سے ایک چاقو نکال کر بوڑھے جاٹ کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ چاقو لو اور اس کے بدلے میں دو گھوڑے لے آؤ۔ مگر چاقو واپس لانا نہ بھولنا۔ یہ بہت قیمتی ہے۔"

بوڑھا سوچنے لگا۔ یا تو یہ نوجوان انتہائی بیوقوف ہے یا پھر مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایسی عجیب و غریب باتیں کررہا ہے جن کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر — یا پھر یہ کوئی سنکی ہے۔ اس نے چاقو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"اپنا چاقو واپس لو۔ میں گھوڑے نہیں لاسکتا۔"

وہ پھر سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بوڑھے جاٹ کا گاؤں قریب آگیا۔ وہ گاؤں پہنچنے سے پہلے ایک چھوٹی سی بستی کے بازار میں سے ہوتے ہوئے ایک مسجد میں گئے۔ مگر وہاں کسی نے ان سے نہ دعا سلام کی اور نہ حال احوال پوچھا۔ انہوں نے مسجد میں جاکر ہاتھ منہ

دھویا اور پھر جاٹ کے گاؤں کی طرف چل دئیے۔ یہ دیکھ کر نوجوان نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولا۔

"کتنا بڑا قبرستان ہے۔ چاروں طرف مردے ہی مردے نظر آرہے ہیں۔"

جاٹ پھر سوچنے لگا ہو نہ ہو اس نوجوان کا دماغ خراب ہے۔ اتنی بڑی آبادی کو قبرستان کہہ رہا ہے۔ چاروں طرف لوگ گھوم رہے ہیں اور اسے مردے نظر آرہے ہیں۔ کس قسم کے آدمی سے میرا سابقہ پڑ گیا ہے؟ لیکن پھر اس نے اپنے آپ سے کہا۔ چلو، جہاں اس کے ساتھ اتنا وقت گذارا لیا ہے وہاں چند لمحے اور سہی۔ اب تو میرا گھر آنے والا ہے۔ ابھی وہ چند قدم ہی گئے ہوں گے کہ ایک چھوٹا سا قبرستان آیا جس میں کچھ لوگ قبروں کے ارد گرد کھڑے فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ قریب ہی تین چار آدمی ایک دیگ لئے بیٹھے تھے جو آنے جانے والوں کو نیاز کے چاول کھلا رہے تھے۔ انہوں نے بوڑھے جاٹ اور نوجوان مچھیرے کو بھی آواز دیکر اپنے پاس بلایا اور دونوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ جب وہ دونوں سیر ہوکر وہاں سے آگے بڑھے تو نوجوان کہنے لگا۔

"کیسا اچھا اور رستا بستا شہر ہے؟"

اس کی بات سن کر بوڑھا جاٹ سوچنے لگا۔ اس شخص کے پاگل ہونے میں کوئی شک نہیں رہا۔ ابھی یہ بستی کو قبرستان کہہ رہا تھا اور اب قبرستان کو شہر بتا رہا ہے۔ اگر اور کچھ عرصہ اس کا ساتھ رہا تو میں بھی پاگل ہوجاؤں گا۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اب تو وہ سامنے میرا گاؤں نظر آرہا ہے، صرف ندی پار کرنے کی دیر ہے۔ چلو، کچھ دیر اسے اور برداشت کرلو۔ اتنے میں ندی آگئی۔ بوڑھے جاٹ نے اپنے جوتے اتار کر ایک ہاتھ میں پکڑ لئے اور ندی پار کرنے لگا لیکن نوجوان مچھیرا پاؤں سے جوتے اتارے بغیر ہی پانی میں داخل ہوگیا اور ندی

پار کرلی۔ یہ دیکھ کر جاٹ سٹپٹا گیا۔ وہ دل میں سوچنے لگا۔ ”ایسا بیوقوف شخص تو میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔“

پھر وہ اپنے آپ سے کہنے لگا۔ چلو، بیوقوف ہے تو ہوتا رہے، مجھے کیا۔ میرا گھر تو آہی گیا ہے۔ جائے جہنم میں۔ اس نے راستہ بھر ایسی ایسی باتیں کی ہیں کہ کوئی پاگل بھی نہیں کرے گا۔ یہ سب کچھ سوچتا ہوا وہ اپنے گھر میں جانے لگا تو اسے خیال آیا۔ یہ بیوقوف ہے تو کیا ہے، اس نے اتنے طویل سفر میں میرا ساتھ دیا ہے۔ ابھی اسے نہ جانے اور کتنا سفر کرنا ہے اس لئے میرا یہ اخلاقی فرض ہے کہ اسے دو چار روز اپنے گھر میں ٹھہرنے کی دعوت دوں۔ چنانچہ وہ نوجوان سے کہنے لگا۔

”ابھی تمہیں معلوم نہیں کتنا سفر اور طے کرنا ہے۔ تم اگر چاہو تو دوچار روز میرے گھر میں ٹھہر جاؤ۔“

جواب میں نوجوان آہستہ سے بولا۔

”تمہاری دعوت کا شکریہ مگر پہلے مجھے معلوم کرلینے دو کہ تمہارے گھر کی کڑیاں بھی مضبوط ہیں یا نہیں؟“

بوڑھے جاٹ نے سوچا۔ یہ تو اسی طرح بیوقوفی اور پاگل پن کی باتیں کرتا رہے گا۔ اور وہ ہنستا ہوا اپنے گھر آگیا۔ اس جاٹ کی ایک نوجوان بیٹی تھی جو بہت ذہین اور خوب صورت تھی۔ اس نے جب اپنے باپ کو اس طرح ہنستے ہوئے آتے دیکھا تو پوچھنے لگی۔

”بابا! تم اس قدر ہنس کیوں رہے ہو؟ کیا بات ہے؟“

جواب میں بوڑھا جاٹ اسی طرح ہنستے ہوئے بولا۔

”کیا بتاؤں بیٹی؟ وہ کھیت کے پاس ایک نوجوان کھڑا ہے جو پورا راستہ میرے ساتھ آیا ہے۔ وہ پورے سفر میں مجھ سے بیوقوفی کی عجیب و غریب باتیں کرتا رہا۔

اب جو میں نے اسے کہا کہ وہ دو چار دن ہمارے ہاں مہمان ٹھہرنا چاہے تو ہمارا گھر حاضر ہے۔ مگر وہ پہلے یہ جاننا چاہتا ہے کہ ہمارے گھر کی کڑیاں بھی مضبوط ہیں یا نہیں؟ اس کا کہنا ہے کہ جب تک وہ یہ معلوم نہ کرلے وہ ہمارے گھر میں نہیں آسکتا۔

جاٹ کی لڑکی نے یہ بات سنی تو فوراً اس کا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے جلدی سے اپنے باپ سے کہا۔

"بابا! یہ نوجوان بیوقوف نہیں ہے۔ تم نے غلط سمجھا ہے۔ دراصل اس جملے سے اس کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ تم اس کے ٹھہرنے کا بوجھ بھی اٹھا سکتے ہو یا نہیں؟"

جاٹ نے بیٹی کی بات سنی تو ذرا چونکا۔

"اچھا! یہ مقصد ہے اس کا؟"

اسے خیال آیا کہ اگر اس کے اس جملے کا یہ مقصد ہے تو پھر وہ جو کچھ راستہ میں کہتا آیا ہے، ان باتوں کا بھی کوئی نہ کوئی مطلب ضرور ہوگا۔ لہذا وہ اپنی بیٹی سے کہنے لگا۔

"جب ہم سفر کر رہے تھے تو وہ مجھ سے کہنے لگا۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہم کچھ دور تک ایک دوسرے کو اٹھا کر لے چلیں؟ سفر کرنے کا یہی ایک آسان طریقہ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟"

جواب میں لڑکی اپنے باپ کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

"اس کا مطلب یہ تھا کہ سفر کاٹنے کے لئے ہم میں سے کسی ایک کو کوئی کہانی سنانی چاہیے تاکہ سفر آسانی سے طے ہو جائے۔"

"اچھا! اب میں سمجھا۔ یہ بات تھی۔"

جاٹ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اور پھر بولا۔

"جب ہم ایک ایسے کھیت میں سے گذر رہے تھے جس کی فصل پک چکی تھی تو اس نے مجھ سے کہا ، یہ کھایا ہوا ہے یا نہیں ؟ اس سے کیا مراد تھی ؟"

لڑکی نے جاٹ کو بتایا ۔

"بابا ! اس کا مطلب تو بہت آسان تھا ۔ دراصل وہ تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جس کسان کا یہ کھیت ہے اس پر مہاجن کا قرض ہوگا یا نہیں ؟ اگر وہ مقروض ہے تو ظاہر ہے پورا کھیت کھائے جانے کے برابر ہے ۔"

اب تو بوڑھے جاٹ کو واقعی احساس ہوتا جارہا تھا کہ جس نوجوان کو وہ راستہ بھر بیوقوف اور پاگل سمجھتا رہا ، وہ پاگل نہیں بلکہ بہت عقلمند ہے ۔ حقیقت یہ تھی کہ اب اسے اپنی نادانی پر افسوس ہورہا تھا ۔ اس نے بیٹی سے کہا ۔

"جب ہم ایک جنگل میں سے گذر رہے تھے تو اس نے مجھے چاقو دیکر کہا ، اس چاقو کے بدلے میں دو گھوڑے لے آؤ اور چاقو بھی واپس لیتے آنا ۔ مجھے بتاؤ اس کا کیا مطلب تھا ؟"

لڑکی نے جواب دیا ۔

"اس کا مطلب یہ تھا کہ چاقو لیکر جاؤ اور جنگل سے دو لاٹھیاں کاٹ کر لاؤ ۔ حفاظت کے لئے دو لاٹھیاں دو گھوڑوں کے برابر ہیں ۔ چاقو واپس لانے سے اس کی مراد یہ تھی کہ چاقو ضائع نہ کرنا ، یہ پھر کام آئے گا ۔"

بوڑھا جاٹ اس کے کہے ہوئے جملوں کے مطلب جان جان کر حیران ہورہا تھا ۔ وہ پھر پوچھنے لگا ۔

"اور جب ہم ایک بستی میں آئے تو وہ کہنے لگا ۔ کتنا بڑا قبرستان ہے چاروں طرف مردے ہی مردے ہیں ۔ اور جب ہم ایک قبرستان میں سے گذر رہے تھے تو کہنے لگا کیسا اچھا اور رستا بستا شہر ہے ۔ اس سے اس کا کیا مطلب تھا ؟"

لڑکی نے سوال کیا ۔

”بستی میں آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا اور قبرستان میں کیا ہوا ؟“

جواب میں بوڑھے جاٹ نے بتایا۔

”کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا - بستی میں تو ہم سے کسی نے دعا سلام تک بھی نہیں کی البتہ جب ہم قبرستان کے قریب سے گذرے تو وہاں لوگوں نے ہمیں کھانا کھلایا۔“

لڑکی نوجوان کی باتوں کا مطلب سمجھ کر بولی۔

”جس بستی میں کسی سے کوئی دعا سلام بھی نہ کرے اور حال احوال بھی نہ پوچھے وہ قبرستان نہیں تو کیا ہے ؟ اور جس قبرستان میں ایسے لوگ موجود ہوں جو مسافروں کو کھانا تک کھلائیں وہ شہر سے اچھا ہے۔ وہ تمہیں یہی بتانا چاہتا تھا ۔“

جاٹ نوجوان کی عقلمندی پر حیران تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی بیٹی کی دانائی کا بھی قائل ہوگیا تھا ۔ اس نے کہا۔

”اچھا بیٹی ! ایک بات اور بتادو — جب ہم ندی پار کرنے لگے تو میں نے پاؤں سے جوتے اتارکر ہاتھ میں لے لئے اور نوجوان جوتے پہن کر ندی پار کرنے لگا۔ بھلا جوتا پہن کر بھی کوئی ندی پار کرتا ہے ؟“

لڑکی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ۔

”بابا ! مجھے تو وہ نوجوان بہت زیادہ ذہین معلوم ہوتا ہے ۔ میں خود سوچتی ہوں کہ ندی کے بہتے ہوئے پانی کی تہہ میں نوکیلے پتھر ہوتے ہیں جن پر ننگے پاؤں چلنے سے آدمی زخمی ہوسکتا ہے۔ اس لئے اگر وہ جوتے پہن کر ندی میں سے گذرا تھا تو یہ اس کی عقلمندی تھی ۔“

اس کے بعد لڑکی بولی ۔

”میں اس نوجوان سے ملنا چاہتی ہوں ۔“

یہ سن کر جاٹ خوشی کہنے لگا۔

"لو! میں اسے ابھی بلا کر لاتا ہوں۔"

لیکن لڑکی نے اسے روک کر کہا۔

"بابا! وہ اس طرح گھر میں نہیں آئے گا۔ پہلے تم اس سے کہنا کہ ہمارے گھر کی کڑیاں بہت مضبوط ہیں۔ اور ہاں ابھی تم نہیں جاؤ۔ پہلے میں اسے چند تحفے بھیجوں گی۔"

لڑکی نے یہ کہہ کر جلدی سے اپنے ایک نوکر کو بلایا اور اسے ایک گھی سے بھرا ہوا برتن، بارہ چپاتیاں اور دودھ سے لبالب بھری ہوئی ایک مٹکی دیکر کہا۔

"جاؤ! اس مسافر کو یہ چیزیں دے آؤ۔ اس سے یہ بھی کہنا کہ چاند پورا ہے، سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اور سمندر کا پانی کناروں سے باہر بہہ رہا ہے۔"

نوکر تمام چیزیں لیکر اس کھیت کی طرف روانہ ہوگیا جہاں نوجوان مچھیرا بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی نوکر نے تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ اسے اس کا چھوٹا بیٹا مل گیا۔ وہ اس وقت بھوکا تھا۔ نوکر نے سوچا، ایک مسافر اتنا کچھ کیسے کھا سکتا ہے؟ اگر اس میں سے کچھ بچے کو کھلادوں تو اسے کیا پتہ چلے گا؟ چنانچہ اس نے خود بھی تھوڑا کھالیا اور بیٹے کو بھی کھلا کر بھیج دیا اور باقی چیزیں نوجوان کے پاس لے گیا۔ اس نے نوجوان کو چیزیں دینے کے ساتھ ہی یہ بھی کہا۔

"تمہارے لئے یہ پیغام بھی ہے کہ چاند پورا ہے، سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اور سمندر کا پانی کناروں سے باہر بہہ رہا ہے۔"

نوکر بھلا ان جملوں کا مطلب کیا سمجھ سکتا تھا؟ اس نے یہ پیغام بھی دے دیا اور چیزیں بھی۔ نوجوان نے جب چیزیں دیکھیں تو وہ ان سے کم تھیں جن کا پیغام دیا گیا تھا۔ اس نے نوکر سے چیزیں تو لے لیں لیکن اس کے ساتھ ہی کہا۔

"اپنی مالکن کو میرا سلام عرض کرکے کہنا - چاند نیا ہے - سال میں دس مہینے ہیں اور سمندر کا پانی بھی کناروں سے باہر نہیں بہہ رہا -"

نوکر جیسے بے سوچے سمجھے جاٹ کی بیٹی کا پیغام لے آیا تھا، اسی طرح نوجوان مچھیرے کا پیغام بھی جاکر سنادیا - لڑکی نے جوں ہی سنا، وہ سمجھ گئی کہ نوکر نے چیزیں کم کرکے پہنچائی ہیں - گھی بھی نکال لیا ہے، دو روٹیاں بھی کم کردی ہیں اور دودھ بھی پی لیا ہے - یہ دیکھ کر اس نے نوکر کو تو نوکری سے الگ کردیا اور باپ سے کہا -

"بابا ! اب تم اس نوجوان کو گھر لے آؤ -"

جب نوجوان ان کے گھر آگیا تو بوڑھے جاٹ اور اس کی بیٹی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی - لڑکی تو اس کی ذہانت اور جوانی دیکھ کر بس اسی کی ہوگئی تھی - اس نے سوچا، اتنا ذہین نوجوان اس طرح پردیس کے سفر کرتا پھر رہا ہے یقیناً یہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے - یہی سوچ کر اس نے نوجوان سے اس کے سفر کی وجہ دریافت کی اور جواب میں اس نے تمام حالات بیان کردئیے وہ بھی یہ بات جان چکا تھا کہ یہ لڑکی ضرور مچھلی کی ہنسی کا مطلب بتادے گی - اس نے اپنے سارے حالات بیان کرنے کے بعد بتایا -

"اب چھ ماہ کی مہلت میں چند ہی روز باقی ہیں - اگر مجھے مچھلی کے ہنسنے کی وجہ معلوم نہ ہوسکی تو میری ماں کی جان نہ بچ سکے گی - لڑکی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا -

"تم گھبراؤ نہیں — میں کل تمہارے ساتھ چلوں گی اور بادشاہ کو اس کی وجہ بتادوں گی -"

دوسرے روز نوجوان مچھیرا جاٹ کی لڑکی کو ساتھ لیکر اپنے شہر کی طرف روانہ ہوگیا - وہ دونوں منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے چند ہی روز میں بوڑھی مچھیرن کے پاس پہنچ گئے - وہ بیچاری بیٹے کے انتظار اور موت کے

خوف سے بے حال ہوچکی تھی - اب انہیں دیکھا تو جیسے دوبارہ زندہ ہوگئی تھی - نوجوان نے اسے بتایا -

''ماں ! یہ لڑکی مچھلی کے ہنسنے کا مطلب بتائے گی -''

جس وقت وہ یہاں پہنچے تھے ، وہ دن بادشاہ کی مہلت کا آخری دن تھا اس لئے لڑکی جلدی سے کہنے لگی -

''ماں ! مجھے ابھی بادشاہ کے دربار میں لے چلو -''

بوڑھی مچھیرن کی تو زندگی کا سوال تھا - وہ اسی وقت لڑکی کو دربار میں لے گئی - ادھر بادشاہ بھی اس کا منتظر تھا کیوں کہ اسے معلوم تھا ، آج مہلت کا آخری دن ہے - آج بڑھیا کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہونا تھا - بڑھیا نے دربار میں پہنچ کر سلام عرض کیا -

''حضور ! میں نے مچھلی کے ہنسنے کی وجہ معلوم کرلی ہے -''

''تم نے وجہ معلوم کرلی ہے ؟''

بادشاہ کو تعجب ہوا کہ جس بات کا مطلب بڑے بڑے عقلمند نہ بتا سکے ، وہ اسے کیسے معلوم ہوگئی ؟''

دربار میں بیٹھے امیر و وزیر بھی حیران تھے - آخر بادشاہ بولا -

''ہمیں یہ بتاؤ ، وہ مچھلی یہ پوچھنے پر کہ وہ نر ہے یا مادہ ، ملکہ پر کیوں ہنسی ؟''

پیشتر اس کے کہ بوڑھی مچھیرن کوئی جواب دیتی ، جاٹ کی بیٹی جلدی سے آگے بڑھ کر بولی -

''حضور ! میں اسی کا مطلب بتانے کے لئے حاضر ہوئی ہوں -''

بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا کہ یہ کون لڑکی ہے ؟ مگر پھر وہ کہنے لگا -

''اے لڑکی ! تم ہی بتاؤ - ہم عرصہ سے اس کے لئے پریشان ہیں -''

جواب میں لڑکی نے دست بستہ عرض کیا۔

"حضور! اگر پہلے اس کنیز کی جان بخشی کی جائے تو یہ عرض کرے؟"

بادشاہ بولا۔

"ہم تمہاری جان بخشی کا وعدہ کرتے ہیں۔"

جان بخشی کا قول لینے کے بعد لڑکی کہنے لگی۔

"حضور! آپ کی ملکہ نے یہ پوچھا تھا کہ مچھلی نر ہے یا مادہ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا، میں ہمیشہ مادہ مچھلی خریدنا پسند کرتی ہوں۔ اس وقت مچھلی کو یہ معلوم تھا کہ ملکہ نے اپنے محل میں کنیزوں کے بھیس میں ایک ایسے نوجوان کو رکھا ہوا ہے جس سے وہ عشق کرتی ہے۔ اسی لئے اسے ملکہ کی بات پر ہنسی آگئی تھی کہ ایک طرف تو اسے نر مچھلی پسند نہیں اور دوسری طرف ایک نر کو اپنے محل میں چھپا کر رکھا ہوا ہے؟"

یہ بات سن کر بادشاہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ملکہ اسے اس طرح دھوکہ دے سکتی ہے۔ پھر بھی اسے شک تھا کہ یہ بات جھوٹ بھی ہوسکتی ہے۔ وہ بولا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم کیسے یقین کرلیں؟"

لڑکی نے اسی طرح دست بستہ عرض کیا۔

"اگر حضور کو اس میں شک ہے تو اس کا ابھی پتہ چل سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟ ہمیں بتاؤ؟"

بادشاہ نے بے تاب ہوکر پوچھا۔ اس پر لڑکی نے کہا۔

"آپ زمین میں ایک بڑا سا گڑھا کھدوائیں اور محل کی تمام کنیزوں کو بلوائیں۔ پھر سب سے کہیں کہ وہ باری باری گڑھا پھلانگیں۔ اس طرح مرد کا آسانی سے پتہ چل جائے گا۔"

بادشاہ نے اسی وقت گڑھا کھودنے کا حکم دیا اور جب گڑھا کھودا جاچکا تو محل کی تمام کنیزوں کو بلا کر ان سے کہا۔

"باری باری سب کنیزیں اس گڑھے پر سے کودیں؟"

تمام کنیزوں نے حکم کے مطابق گڑھا پھلانگنے کی کوشش کی مگر کوئی اس میں کامیاب نہ ہوسکی۔ صرف ایک کنیز پھلانگ سکی۔ اور وہی کنیز کے روپ میں نوجوان تھا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے اسی وقت جلادوں کو حکم دیا کہ

"ملکہ کا سر قلم کردیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی کنیز کے روپ میں محلوں میں رہنے والے نوجوان کو بھی قتل کردیا جائے۔"

اس کے بعد بادشاہ نے جاٹ کی بیٹی کی ذہانت سے خوش ہوکر اسے اپنی بیٹی بنا لیا۔ پھر چند ہی روز بعد اس کی شادی، بوڑھی مچھیرن کے بیٹے سے کردی گئی اور انہیں رہنے کے لئے ایک عالیشان محل دے دیا گیا۔ جاٹ کی بیٹی نے اپنے باپ کو بھی اپنے پاس بلالیا اور نوجوان مچھیرا اپنی بوڑھی ماں کو محل میں لے آیا۔ اس طرح وہ سب ہنسی خوشی زندگی گذارنے لگے۔

شفیع عقیل کی دیگر کتابیں

۱ - پنجابی لوک کہانیاں

۲ - پنجاب رنگ

۳ - پنجابی کے پانچ قدیم شاعر

۴ - چینی لوک کہانیاں

۵ - ڈھل گئی رات

۶ - مجید لاہوری

۷ - تیغ ستم

۸ - ایک آنسو ایک تبسم

۹ - ہماری منزل غازی یا شہید

۱۰- مجید لاہوری کی حرف و حکایت (مرتبہ)

قیمت :- ۳۵ روپے

مختصر مختصر

" کون جانے ہماری بعض لوک کہانیاں دس پانچ ہزار سال پیشتر وجود میں آچکی ہوں ۔"

(ڈاکٹر گیان چند)

" ان کہانیوں کا سب سے زیادہ مقصد قسمت آزمائی ہے ۔"

(سر رچرڈ ٹمپل)

" یہ کہانیاں سب لوگوں کے لئے اور ہر زمانے کے لئے ہیں ۔"

(ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ)

" ان کہانیوں میں اپنے وقت کے بھائی چارے اور سماج کی پوری پوری جھلک ملتی ہے ۔"

(پروفیسر ونجارا بیدی)

" ان لوک کہانیوں کے کردار قدیم زمانوں سے ہماری تاریخ اور سماج میں بس رہے ہیں ۔"

(سنتوکھ سنگھ دھیر)